Sindh University Jamshoro.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

CERTIFICATE

Certified that Sanaullah Mujahid S/o Akbar Ali has carried out research on the Topic "The Distinctive Attributes and Features of the Sufi Order of Shah Waliullah (1703-1762 AD) : An analytical study" under my supervision.

That his work is original and distinct and his disseratation is worthy of presentation of the University of Sindh for award of the Ph.D. degree in Islamic Culture.

(PROF: DR: MUMTAZ BHUTTO)

Guide/Supervisor
Dean
Faculty of Islamic Studies .
University of Sindh,
Jamshoro.

فہرست مضامین

عنوان | صفحہ نمبر

باب دوم ۹۹ تا ۱۳٤

باب چہارم – تعارف تصوف ١٧٤ تا ٢٧٦

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی (۱۷۰۳ء-۱۷۶۲ء) کے سلسلہ تصوف کے خصائص وامتیازات...... ایک تحقیقی جائزہ

☆☆☆

خلاصہ ابواب

☆☆☆

زیرِ نگرانی

پروفیسر ڈاکٹر ممتاز بھٹو

ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز

سندھ یونیورسٹی، جامشورو

☆☆☆

مقالہ نگار

ثناء اللہ مجاہد

☆☆☆

شعبہ تقابل ادیان وثقافت اسلامیہ

سندھ یونیورسٹی جامشورو

پاکستان

۱۹۹۸ء

موضوع کی اہمیت

شاہ ولی اللہ کے سلسلہ تصوف کو جاننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی جتنی آج ضرورت ہے اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ آج ہم شاہ ولی اللہ کے عہد سے بھی زیادہ پر آشوب دور میں زندگی گزار رہے ہیں۔ مسلمان صرف کلمہ گوئی کی حد تک مسلمان رہ گئے ہیں۔ رسل و رسائل کی تیز رفتاری نے دنیا کو ایک گلوبل ویلج (عالمی گاؤں) میں تبدیل کر دیا ہے۔ ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور مواصلاتی سیاروں کی وجہ سے اب قوموں کی تسخیر روایتی ہتھیاروں کی بجائے ثقافتی برتری کی بنا پر ہونے لگی ہے۔ ایسے میں اگر ہم نے اپنا مذہبی تشخص برقرار و برتر رکھنا ہے تو ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے روحانی آسودگی حاصل کرنی ہے اور یہ صرف اسی وقت ہو سکتی ہے کہ جب ہم حکم ربی ''الابذکر اللہ تطمئن القلوب (دلوں کا اطمینان تو صرف اللہ کے ذکر ہی سے ہے)، اپنی روحانی تسکین اللہ کے ذکر سے حاصل کریں۔ اس روحانی تسکین کے حصول کے لئے شاہ ولی اللہ کے سلسلے پر عمل کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

برصغیر میں معروف سلاسل تصوف مثلاً نقشبندیہ، سہروردیہ، قادریہ، چشتیہ وغیرہ کے علاوہ بہت سے سلاسل تصوف موجود ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان میں بہت سی فکری اور عملی لغزشیں شامل ہوتی گئیں۔ ان سلاسل کے پیروکاروں نے ان

نظریات پر سختی سے عمل کرنا شروع کیا۔ نتیجتاً ان میں بھی بہت سی گمراہیاں پیدا ہو گئیں جنہیں وہ از راہِ تعصب و جہالت عین اسلام قرار دینے لگے۔ فرائض و واجبات کی جگہ رسوم نے لے لی۔ رفتہ رفتہ صورتِ حال یہ ہو گئی کہ اگر کوئی شخص خالص اسلامی عقائد پر عمل پیرا ہونا چاہتا تو ان لوگوں کی طرف سے اس کی سخت مزاحمت ہوتی۔ عوام الناس کا طبقہ تو ایک طرف رہا خواص، امراء اور علماء تک ان گمراہیوں سے محفوظ نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ کے عہد میں تو مذہب سے بیگانگی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ لوگ قرآن و حدیث کو بھلا کر خود ساختہ رسوم کو ہی عین اسلام قرار دینے لگے تھے۔

ان حالات میں شاہ ولی اللہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذہن و فکر کی بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا، منظر عام پر آئے۔ انہوں نے جہاں معاشرے کے مختلف طبقات میں پیدا ہو جانے والی خرابیوں کی نشان دہی کر کے ان کی اصلاح کے لئے تجاویز دیں وہیں انہوں نے تصوف کے میدان میں بھی اصلاح احوال کی مساعی کیں۔

تصوف کی تعلیمات میں خود ساختہ مشائخ کی جانب سے اس قدر غیر اسلامی نظریات کی آمیزش ہو چکی تھی کہ ان کی اصلاح کرنا تقریباً ناممکن ہو گیا تھا۔ ایسے میں شاہ ولی اللہ نے اپنا سلسلہ تصوف عوام کے سامنے پیش کیا۔ جس کے بارے میں خود شاہ ولی اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''فیوض الحرمین'' میں دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ سلسلہ حضور اکرم ﷺ کے روضہ مبارک پر حاضری کے دوران انہیں عطا کیا گیا۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی مختلف تصانیف میں اس سلسلہ کی وضاحت کی۔ انہوں نے اپنے سلسلہ پر ایک مبتدی کے لئے عمل پیرا ہونے کے لئے بتدریج ایک نصاب بھی بتا دیا۔

شاہ ولی اللہ کا سلسلہ تصوف افراط و تفریط سے پاک اور خالص اسلامی عقائد و نظریات کا مجموعہ ہے۔ شاہ ولی اللہ اپنے سلسلہ میں صرف قرآن و حدیث پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔

اس نفسا نفسی اور بے سکونی کے دور میں جب کہ نوع انسانی مختلف ذہنی امراض کا شکار ہو رہی ہے ہمیں چاہیے کہ نہ صرف ہم خود اپنی روحانی تسکین سلسلہ ولی اللّٰہیہ سے حاصل کریں بلکہ دنیا کی دیگر اقوام کی بھی اس سلسلے میں رہبری کریں۔

خلاصہ ابواب

مقالہ بعنوان ''شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۰۳ء - ۱۷۶۲ء) کے سلسلہ تصوف کے خصائص و امتیازات...... ایک تحقیقی جائزہ'' کا خاکہ اس طرح ہے کہ یہ مقالہ مقدمہ، پانچ ابواب، اختتامیہ، ضمیمہ جات اور کتابیات پر مشتمل ہے۔ اس مقالہ کا خلاصہ درجِ ذیل ہے۔

مقدمہ

مقدمہ میں ان وجوہ کو بیان کیا گیا ہے جن کی بنا پر تصوف کی ضرورت پیش آئی۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد دین اسلام جس کی حفاظت کا اللہ نے وعدہ کیا ہے، کی حفاظت دو طرح سے ہوئی۔ ایک تو وہ بزرگ دین کے محافظ بنے جنہیں اللہ نے شریعت کی حفاظت کی استعداد دی۔ یہ گروہ فقہاء، محدثین، غازیوں اور قاریوں پر مشتمل ہے۔ یہ دین کی ظاہری حیثیت کے محافظ بنے۔ دوسرے وہ بزرگ جو دین کے باطن جسے شاہ صاحب مقامِ احسان کے نام سے یاد کرتے ہیں، کے محافظ بنے۔

اگرچہ دنیا نیک نفوس سے کبھی خالی نہیں رہی تاہم بدی کی قوتوں کے زیادہ ظاہر ہونے سے بظاہر اس طرح محسوس ہوتا ہے کہ نیک نفوس کا وجود گویا دنیا سے ختم ہو گیا ہے۔ جعلی صوفیوں کا وجود بھی دنیا میں ہمیشہ رہا۔ اس کے لئے تیسری صدی ہجری کے مشہور صوفی بزرگ حضرت ذوالنون مصری اور پانچویں صدی کے بزرگ حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش کی شہادت پیش کی گئی ہے۔

باب اول

باب اول تین ذیلی ابواب (فصلوں) پر مشتمل ہے۔

ا۔ معاشرتی حالات

۲۔ سیاسی حالات

۳۔ معاشی حالات

یہ باب شاہ ولی اللہ کے زمانے کے عام حالات پر مشتمل ہے کسی مصلح یا مجدد کے کارناموں کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ان حالات کا مطالعہ انتہائی ضروری ہوتا ہے جن سے عام طور پر معاشرہ دوچار ہوتا ہے۔ چوں کہ مصلح یا مجدد کا کام معاشرے میں پیدا ہونے والی خرابیوں کی اصلاح ہوتا ہے۔ چناں چہ جب تک ہمارے پاس ان حالات کی صحیح تصویر موجود نہ ہو تو ہم اس مصلح یا مجدد کی باتوں یا کارناموں کی اہمیت کا اندازہ درست طور پر نہیں کر سکتے۔

معاشرتی حالات

پہلے ذیلی باب (فصل) میں شاہ ولی اللہ کے معاصر بادشاہوں کی اخلاق سے گری ہوئی حرکتوں اور ان کی کوتاہیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ایک مقولے کے مطابق کہ "الناس علیٰ دین ملوکہم" لوگ اپنے بادشاہوں کے طور طریقوں پر ہوتے ہیں۔ ان کے اثرات پہلے امراء قبول کرتے ہیں پھر بتدریج عوام الناس انہی گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شاہ صاحب نے اپنے مشہور خطابات میں معاشرے کے ان تمام طبقات کو مخاطب کر کے ان کی برائیوں کو واضح کیا ہے اور ان کی اصلاح کی تدابیر بتائیں۔ یہ سب اس ذیلی باب (فصل) میں بیان کیا گیا ہے۔

سیاسی حالات

شاہ ولی اللہ اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال سے چار سال قبل پیدا ہوئے۔ اگر چہ عالمگیر کی ہیبت

سے پورے ہندوستان کے امراء لرزہ بر اندام تھے لیکن دارالحکومت سے مسلسل ایک ربع صدی کی دوری نے محلاتی سازشوں کے لئے میدان ہموار کر دیا تھا۔ چناں چہ عالمگیر کے انتقال کے فوری بعد جس طرح اس کے بیٹوں نے تخت نشینی کی جنگیں لڑ کر سلطنت مغلیہ کے وقار اور اس کی ہیبت کو ختم کیا ہے، اس کے اثرات ہمیں اس دور کے سیاسی حالات میں پوری طرح نظر آتے ہیں۔ جہاندار شاہ اپنی بادشاہت کے دوران مارا گیا۔ اس کے جانشین فرخ سیر کو سادات بارہہ نے قتل کر دیا۔ عالمگیر ثانی کو قتل کیا گیا، شاہ عالم ثانی کو نابینا کر دیا گیا۔ سلطنت مغلیہ کی اس بے آبروئی کا نتیجہ یہ نکلا کہ غیر مسلم اقوام نے چاروں طرف سے مسلمانوں پر یلغار کر دی۔ شمال مشرق میں سکھ ایک باقاعدہ منظم طاقت کی حیثیت سے ابھرے جنہوں نے مغلیہ دور ہی میں پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ ان کی مسلم دشمنی کسی ثبوت کی محتاج نہیں۔ دوسری قوت جو ہندوستان کے جنوب سے ابھری وہ مرہٹہ تھے۔ جنہوں نے بعض خود غرض امراء کے ساتھ سازباز کر کے دہلی تک پر قبضہ کر لیا اور دہلی میں لوٹ مار کی۔ مرہٹوں کی قوت کو اگر احمد شاہ ابدالی پانی پت کے میدان میں انہیں شکست فاش دے کر ختم نہ کرتا تو مغلیہ سلطنت بہت پہلے ختم ہو چکی ہوتی۔ احمد شاہ ابدالی کو مرہٹوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دینے والوں میں شاہ ولی اللہ بھی شامل تھے۔

وسطی ہند میں جاٹ ایک قوت کی حیثیت سے سامنے آئے۔ انہوں نے دہلی سے آگرہ جانے والی شاہراہ کو عملاً مغلوں کے لئے ناقابل استعمال کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ ایرانی تورانی امراء کی کشمکش، روہیلوں کی افغانستان سے آمد، مختلف امراء کے تحت خود مختار ریاستوں کا وجود میں آنا، یہ سب مغلوں کے تابوت میں آخری کیل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ رہی سہی کسر نادر شاہ کے حملے نے پوری کر دی۔ نادر شاہ کے حملے سے اہل ہند کے حوصلے اتنے پست ہو گئے کہ انگریزوں کے لئے ہندوستان پر قبضہ کرنا

انتہائی آسان ہو گیا۔

اس باب میں ان تمام باتوں کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

معاشی حالات

اس ذیلی باب (فصل) میں مغلیہ حکومتوں کے معاشی حالات پر ایک تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس آئینے میں مسلم قوم کی معاشی حالت بھی واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ حالت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ خیرات خانے کا شوربہ محلات میں پہنچانے کا حکم دیا گیا کیوں کہ محلات میں تین دن سے چولہا نہیں جلا تھا۔ شہزادے چھتوں پر چڑھ کر چلاّتے تھے کہ بھوکے مرتے ہیں۔ بیگمات شاہی بھوک سے بے تاب ہو کر محل سے باہر نکل جانا چاہتی تھیں اور بھوک کی بنا پر انہیں اپنی بے پردگی تک کا کوئی خیال نہیں رہا۔ ایک امیر کا جنازہ چار دن تک پڑا رہا، فوجیوں نے اسے دفن نہیں کرنے دیا کیوں کہ وہ ان کی تنخواہیں ادا کئے بغیر مر گیا تھا۔

معاشی ابتری کے تین اسباب تھے (۱) تخت نشینی کی جنگوں میں روپے کا بے تحاشہ خرچ (۲) غیر مسلم اقوام کی مسلسل لوٹ مار (۳) اس عالم میں بھی بر سر اقتدار طبقے کی شاہ خرچیاں۔

شاہ ولی اللہ نے اس تمام صورتِ حال کی تصویر کشی صرف ایک جملے میں کر دی ہے کہ "چاقو ہڈی تک پہنچ گیا ہے۔" شاہ ولی اللہ نے اس تمام صورتِ حال کا بغور جائزہ لیا اور اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے تجاویز بھی دیں۔ آج کی معاشی صورتِ حال میں ماہرین معاشیات بھی کم و بیش انہی تجاویز کو پیش کرتے ہیں۔

باب دوم

دوسرا باب شاہ ولی اللہ کے سوانح، ان کے اسلاف، ان کے اخلاف اور ان کے بارے میں اہل علم

کی آراء پر مشتمل ہے۔

شاہ ولی اللہ کے سوانح میں ان کی درست تاریخ ولادت و تاریخ وفات پیش کی گئی ہے۔ شاہ ولی اللہ کے بعض تذکرہ نگاروں نے یہ تاریخیں غلط طور پر پیش کی ہیں۔ انہیں دلائل سے غلط ثابت کر کے صحیح تاریخیں پیش کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ شاہ ولی اللہ کے حالات مثلاً ان کی ولادت کی پیش گوئیاں، ان کی تعلیم، شادی میں عجلت کا راز، سفر حج وغیرہ کے بارے میں عمومی معلومت فراہم کی گئی ہیں۔

شاہ ولی اللہ کے آباء واجداد کون تھے؟ وہ کب ہندوستان میں آئے نیز ان کی علمی و سماجی حیثیت کیا تھی۔ ان تمام باتوں کا تعارف اس باب میں کیا گیا ہے تاکہ شاہ ولی اللہ کی شخصیت زیادہ نکھر کر ہمارے سامنے آسکے۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ کی اولاد کے بارے میں مختصر تعارف دیا گیا ہے تاکہ ان کی زندگیوں پر شاہ ولی اللہ کی تربیت کے اثرات کی نشان دہی ہو سکے۔

آخر میں شاہ ولی اللہ کے بارے میں اہل علم کی آراء کو پیش کیا گیا ہے۔ وہ اہل علم شاہ ولی اللہ کے معاصر بھی ہیں اور دور جدید کے علماء بھی ہیں۔

باب سوم

باب سوم میں شاہ ولی اللہ کے عہد کے مذہبی پس منظر، ان کے معاصر دہلی کے صوفیائے کرام اور دہلی میں موجود جعلی صوفی جنہوں نے مذہبی فتنہ پیدا کیا تھا، ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

مذہبی پس منظر میں شاہ ولی اللہ کے عہد کے عمومی حالات کی تفصیل دی گئی ہے نیز شاہ ولی اللہ نے اپنے خطاب میں غلط کار علماء، طالب علموں، نام نہاد زاہدوں اور عابدوں، مشائخ کی اولاد میں پیدا ہونے والی گمراہیوں اور خرابیوں کی نشان دہی کی اور انہیں دور کرنے کے لئے تجاویز پیش کیں۔ اکثر

لوگ کسی شخص کی کرامت دیکھ کر دھوکے میں آجاتے ہیں اور اسے بہت پہنچا ہوا بزرگ تسلیم کرنے لگتے ہیں۔ شاہ صاحب ان باتوں کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر کرامت دل کے حال سے باخبر ہونا ہے تو اس کے کئی طریقے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے ان طریقوں کا ایک مختصر تعارف کرایا ہے ۔ اس لئے شاہ ولی اللہ انہیں کرامتوں میں شمار نہیں کرتے۔

دوسرے ذیلی باب (فصل) میں شاہ ولی اللہ کے بعض معاصر صوفیا کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ یہ بزرگ دہلی کے رہنے والے تھے۔ اس باب سے پتا چلتا ہے کہ اس افرا تفری اور قحط الرجال کے عالم میں بھی صرف ایک شہر میں اتنے بزرگ موجود ہیں جو خلق خدا کی رہنمائی کر رہے تھے۔

تیسرے ذیلی باب (فصل) میں تین مختلف گروہوں کا ذکر ہے جنہوں نے تصوف کی آڑ میں خلق خدا کو گمراہ کیا۔ یقیناً اس طرح کے اور بہت سے جعلی اور نقلی صوفی بھی موجود ہوں گے لیکن یہاں صرف ان کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کا تدارک کرنے میں حکومت بھی ناکام رہی۔

باب چہارم

چوتھا باب بھی تین ذیلی ابواب (فصلوں) پر مشتمل ہے۔ پہلا ذیلی باب (فصل) تصوف کی تعریف پر مبنی ہے۔ شاہ ولی اللہ کے سلسلے کے خصائص کو اجاگر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے تصوف کے ارتقا سے ہم بخوبی آگاہ ہو جائیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ یہ جانا جائے کہ مشائخ "تصوف" سے کیا مراد لیتے ہیں۔ اس باب میں ۱۱۷ھ سے ۱۰۴۵ھ تک کے مشائخ کی تصوف کے بارے میں سرسٹھ (۶۷) آراء کو پیش کیا گیا ہے۔ اس باب میں اس غلط فہمی کو بھی ختم کیا گیا ہے کہ شریعت یعنی ظاہر اور تصوف یعنی باطن دو متوازی نظام ہیں۔ ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی غلط فہمی

کی بنا پر لوگوں میں لاحیت پیدا ہوئی۔ اس باب میں مشاہیر کی آراء کو پیش کرتے ہوئے ظاہر وباطن کی تفریق کو ختم کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ اگر باطن یعنی بقول شاہ ولی اللہ مقام احسان تک رسائی حاصل کرنا ہے تو شریعت کی پابندی انتہائی ضروری ہے۔ اس باب میں تمام بیان کردہ تعریفوں کا جائزہ لے کر ایک نئی تعریف پیش کی گئی ہے۔

دوسرے ذیلی باب (فصل) میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ صوفی کو صوفی کیوں کہتے ہیں۔ بعض مشاہیر نے اس کا تعلق صف سے ظاہر کیا تو کچھ نے اہل صفہ سے۔ بہت سے حضرات نے اس کا تعلق صوف سے ظاہر کیا ہے۔ راقم نے دلائل کی روشنی میں واضح کیا کہ اگرچہ صوفی حضرات صوف کا کپڑا اپہننے پر بعض وجوہ کی بنا پر مجبور ہوئے لیکن یہ ان کا امتیازی نشان نہیں تھا۔ بہت سے اکابر صوفیا صوف کا لباس نہیں پہنتے تھے۔ بہت سے مشاہیر صوفیا نے اسے شہرت کا لباس کہہ کر مسترد کر دیا بلکہ یہاں تک کہا کہ جہنم میں زیادہ تعداد صوف کا لباس پہننے والوں کی ہوگی۔ صوفی کے نام کی وجہ تسمیہ صوفہ سے متعلق ہے جو عرب کا ایک قبیلہ ہے۔ اس باب میں مختلف آراء رکھنے والوں کے نظریات پر دلائل کی روشنی میں تنقید کی گئی ہے اور صوفہ قبیلہ سے تعلق کی دلائل کی روشنی میں تائید کی گئی ہے۔

تیسرے ذیلی باب (فصل) میں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ تصوف بیان کیا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے خود اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس وقت دنیا بھر میں جتنے بھی صوفی سلاسل مشہور ہیں ان میں سے اکثر کے ساتھ شاہ ولی اللہ کا تعلق ہے۔

شاہ ولی اللہ نے حضرت عثمان علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے ان کے عہد کے بارہ سلاسل میں سے دو کو مردود اور باقی دس کو مقبول قرار دیا ہے۔ ہم نے ان سلاسل کی جن کی بنیاد کسی خاص مسئلے سے تعلق کی وجہ سے یا کسی خاص تعلیمات کی وجہ سے ہے، ان

کے خصائص کو واضح کر دیا ہے۔ اس طرح اگرچہ یہ ذیلی باب (فصل) خاصا طویل ہو گیا ہے لیکن اس کی روشنی میں شاہ ولی اللہ کے مسلک کی وضاحت میں آسانی رہے گی۔

باب پنجم

یہ باب سب سے زیادہ اہم اور مقالے کی بنیاد ہے۔ اس میں شاہ ولی اللہ کے سلسلہ تصوف کی تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے دیگر سلاسل کے برعکس اپنے سلسلے کے لئے باقاعدہ ایک نصاب مدون کیا ہے۔ وہ ہر شخص کے لئے مقام احسان تک پہنچنے کی تلقین نہیں کرتے بلکہ اپنے تدوین کردہ نصاب کے ذریعے مختلف تدریجی مراحل کی مدد سے مبتدی کو اگلے درجے کی طرف لے جانے کی راہنمائی کرتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ عقائد کی درستگی پر اصرار کرتے ہیں اور گناہوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اسے وہ سلوک کی پہلی منزل قرار دیتے ہیں۔ اور اس کا نام طاعت قرار دیا ہے۔ ہمارے موجودہ دور میں تصوف کے بعض علمبرداروں نے عقیدہ کی درستگی کو نظر انداز کرتے ہوئے ہر مذہب کے ماننے والوں کے لئے روحانیت کو ضروری قرار دیا ہے۔ جب کہ شاہ ولی اللہ ہر اس برائی سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں جس کو شریعت نے ملعون قرار دیا ہے۔

طاعت کے بعد شاہ ولی اللہ نے سلوک کے آداب کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اس میں وہ دن رات کی عبادت میں فرائض کے علاوہ تہجد، اشراق، ضحی اور زوال کی نفلی نمازوں کا اضافہ کرتے ہیں، اسکے بعد ذکر اذکار کے ضمن میں ذکر نفی و اثبات پر زیادہ زور دیتے ہیں، روزے کے ضمن میں شوال کے چھ روزوں کے علاوہ ہر مہینے تین روزے نیز یوم عرفہ اور یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ صدقات واجبہ کے علاوہ شاہ ولی اللہ سالک کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور سال میں ایک مسکین کو لباس پہنائے۔ اسی طرح سالک کے لئے تلاوت قرآن، تعلیم و تعلم، اکل و

شرب، سونے اور لباس کے متعلق ہدایات دی ہیں۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ سالک کو آگاہ کرتے ہیں کہ راہ سلوک میں اسے کن کن روکاٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا جن سے اس کا دل ذکر واذکار اور مراقبوں وغیرہ سے اچاٹ ہو سکتا ہے۔ ان روکاوٹوں کا ذکر کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ ان کا علاج بھی تجویز کرتے ہیں۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ ذکر کرنے کے آداب سے سالک کو آگاہ کرتے ہیں کہ اسے ذکر کس وقت اور کن شرائط کے تحت کرنا چاہیے تاکہ اسے ذکر سے مطلوبہ فوائد حاصل ہو سکیں۔

ذکر کے آداب بتانے کے بعد شاہ ولی اللہ ان اوراد و وظائف کی تفصیل بتاتے ہیں جو ایک سالک کو کرنے ہیں۔ مختلف سلاسل کے وظائف کے متعلق معلومات دینے کے بعد شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ گو یہ سب اوراد و وظائف اچھے اور مقبول ہیں لیکن ان میں بہتر اور زیادہ پسندیدہ وہ ہیں جو صحیح کتب احادیث کے مطابق ہیں۔

ان ابتدائی تعلیمات کے بعد شاہ ولی اللہ ایک منتہی سالک کے لئے اپنے سلسلے کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہیں۔ اس باب میں شاہ ولی اللہ مراقبہ کی تفصیل، اس کی اہمیت اور اس کے کرنے کے طریقوں سے سالک کو آگاہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد توحید افعالی، توحید صفاتی اور توحید ذاتی کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے سالک کو فنافی اللہ ہونے کے طریقوں سے آگاہ کرتے ہیں۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ نسبتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ نسبتوں سے مراد اللہ کے ساتھ مل جانے کے مختلف مدارج ہیں۔ ان میں نسبت طہارت، نسبت عشق، نسبت سکینہ، نسبت اویسیہ، نسبت یاد داشت اور نسبت وجد شامل ہیں۔ شاہ ولی اللہ ان نسبتوں کی جامع اپنے سلسلے کی نسبت کا ذکر کرتے ہیں۔

ضمیمہ جات

ضمیمہ جات میں ہم نے شاہ ولی اللہ کے مختلف سلسلہ ہائے تصوف سے متعلق شجرے، ان کے خاندانی شجرے اور دیگر اوراد و ظائف کی سندیں اور اجازت ناموں پر مبنی شجرے شامل کئے ہیں۔ یہ شجرہ جات تقریباً پچاس (۵۰) صفحات پر مشتمل ہیں۔

اس کے بعد اختتامیہ اور ان کتابوں کی ایک فہرست دی گئی ہے جن سے اس مقالہ کی تدوین و ترتیب میں مدد لی گئی ہے۔

منہج التحقیق

پیش نظر مقالہ ''شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی (۱۷۰۳ء - ۱۷۶۲ء) کے سلسلہ تصوف کے خصائص وامتیازات ...... ایک تحقیقی جائزہ'' میں علمی اور تحقیقی انداز واسلوب میں شاہ ولی اللہ کی متصوفانہ خدمات پر بحث کرتے ہوئے موضوع کی تکمیل میں ہر گوشے اور ہر پہلو پر علمی و تحقیقی انداز میں مدلل بحث کرتے ہوئے مقالہ کی تکمیل کی گئی ہے۔ اس حوالہ سے موضوع سے متعلق کوئی گوشہ عمداً ترک نہیں کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ شاہ ولی اللہ کی متصوفانہ خدمات کے تحقیقی جائزہ کے حوالے سے یہ ایک منفرد کام ہے۔

مقالہ زیر نظر میں شاہ ولی اللہ کے سلسلہ تصوف کو بیان کرنے کے علاوہ ان کی سوانح، اسلاف، اخلاف اور ان کے بارے میں اہل علم کی آراء کا احاطہ کرتے ہوئے انہیں بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ مقالہ شاہ ولی اللہ کی متصوفانہ خدمات کے تحقیقی جائزہ کے ساتھ ساتھ ان کے سوانحی حالات اور حیات وخدمات پر بھی علمی، مدلل، حوالہ جاتی اور تحقیقی مواد فراہم کرتا ہے۔

مقالہ میں شاہ ولی اللہ کے عہد کے پس منظر کو اجاگر کرنے کے لئے ان کے زمانے کے معاشرتی، سیاسی و معاشی حالات کو تحقیقی انداز سے پیش کیا گیا ہے جن سے شاہ ولی اللہ کی کاوشوں کا تاریخی پس منظر واضح ہوتا ہے۔

مقالہ میں عام حالات کے علاوہ ان کے زمانے کے مذہبی حالات کو بخوبی واضح کیا گیا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ تجدید و اصلاح کی مساعی کے لئے شاہ ولی اللہ کو من جانب اللہ مامور کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ ان کے دور میں دہلی میں ان کے معاصر بہت سے صوفیا موجود تھے لیکن اصلاح احوال کا سہرہ صرف شاہ ولی اللہ کے سر سجتا ہے۔ اہل حق صوفیاء کے پہلو بہ پہلو ان لوگوں کا تذکرہ تحقیقی انداز میں کیا گیا ہے جنھوں نے دجل و تلبیس سے کام لیتے ہوئے مذہب و تصوف میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔

مقالہ میں تصوف کی مختلف جہات کو واضح کرنے کے لئے اکابر صوفیاء سے مروی تعریفیں بھی ذکر کی گئی ہیں پھر تحقیقی انداز میں ان کا محاکمہ کرنے کے بعد ایک مناسب اور موزوں تعریف ذکر کی گئی ہے اور تحقیقی انداز میں دلائل کی روشنی میں اس کی موزونیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ اسی طرح مقالہ میں اس بات کو بھی دلائل کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے کہ صوفی کو کن وجوہ سے صوفی کہتے ہیں۔ عام طور پر بیان کردہ وجوہ کو علمی و تحقیقی انداز میں رد کرنے کے بعد اپنے دلائل دیے گئے ہیں اور تحقیقی انداز میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ صوفی کی پہچان اس کا لباس نہیں بلکہ اس گروہ سے معنوی تعلق ہے جو اسلام سے قبل بھی موجود تھا۔ مقالہ میں ان سلاسل کا ذکر کیا گیا ہے جن سے شاہ ولی اللہ نے کسب فیض کیا۔ ان میں سے بعض کی اہم خصوصیات کا ذکر بھی علمی انداز میں کیا گیا ہے۔

مقالہ کی تحقیق میں موضوع سے متعلق مآخذ و مراجع سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

مقالہ کی ابتدا میں تحقیق اور تعارفی طور پر مقدمہ ہے جس میں تمہیدی امور کے علاوہ مقالہ کا تعارف، موضوع کی اہمیت، غرض و غایت، افادیت اور مقالہ سے متعلق ضروری امور کو متعارف کرانے کے ساتھ ساتھ مقالہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مقالہ کے آغاز میں موضوعات اور مضامین و عنوانات کی تعارفی اور عنواناتی فہرست دی گئی ہے جس میں ہر باب کے عنوان کے علاوہ فصلوں کی ترتیب، عنوانات اور موضوعات کی نشاندہی کی گئی ہے اور ایک تفصیلی فہرست مرتب کی گئی ہے۔ مقالے کے آغاز میں خلاصہ بحث کے طور پر انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ مقالہ کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے ابواب کی تقسیم و ترتیب، فصلوں کے موضوعات اور عنوانات کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مقالہ کے اختتام میں مآخذ و مراجع (کتابیات) کی ابجدی ترتیب پر فہرست پیش کی گئی ہے جس میں ابجدی ترتیب کے ساتھ ساتھ مآخذ میں کتاب کا مکمل نام، مصنف، سن طباعت، مطبع، مقام اشاعت اور کتاب کے دیگر مطلوبہ کوائف کو پیش کیا گیا ہے۔ نیز رسائل و جرائد کی فہرست بھی اس میں شامل ہے۔

نتائج و ثمرات

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے :''الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک''

ترجمہ :احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو (یہ یقین دل میں رہے کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اللہ کی عبادت ہے۔ لوگوں میں اللہ کی عبادت کا تصور مختلف انداز سے پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ صرف فرائض کی ادائیگی ہی کو عبادت خیال کرتے ہیں تو بعض کے نزدیک اس میں خشوع و خضوع کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ عبادت تو منافقین بھی کرتے تھے جن کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ وہ عبادت محض لوگوں کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔ اسی لئے جناب نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو جس نے نماز کی ادائیگی میں جلدبازی سے کام لیا تھا، حکم دیا کہ نماز ادا کرو تم نے نماز ادا نہیں کی۔

اوپر جس خشوع خضوع کا ذکر کیا گیا ہے اسے بالفاظ دیگر احسان سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی تصوف ہے۔ گویا انسانی زندگی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ تا مقدور درجہ احسان تک پہنچے۔

شاہ ولی اللہ نے بھی اسی منزل کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے درجہ احسان تک پہنچنے کا ایک آسان طریقہ اپنے پیروکاروں کو بتایا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دیگر محققین حضرات

مروجہ سلاسل کی غیر اسلامی تعلیمات کو الگ کر کے شاہ ولی اللہ کے طریقہ کے مطابق پیش کریں تاکہ ایک عام آدمی بھی اس سے مستفید ہو سکے اور غیر فطری ذکر و اذکار وغیرہ کی مشقتوں سے خوف زدہ ہو کر درجہ احسان سے دور نہ ہو جائے۔

مختصراہم ان کے اہم کارناموں کو اس طرح بیان کر سکتے ہیں۔

۱۔ انہوں نے پوری محنت، توجہ اور کوشش سے زندگی کے مختلف شعبوں میں پیدا ہو جانے والے بگاڑ کو واضح کیا، اس کے استیصال کی تدابیر بتائیں۔

۲۔ دین اسلام کے عقائد و عبادات کی اہمیت کو منطقی طور پر اجاگر کرنے کے لئے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فلسفہ و منطق کی رو سے ان کے جواز و اہمیت کو ثابت کیا۔

۳۔ برصغیر کے مسلمانوں کی علمی جہالت ختم کرنے کے لئے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

۴۔ تصوف میں پیدا ہو جانے والی خرابیوں کی اصلاح کی اور ان اصلاحات پر مبنی اپنا سلسلہ تصوف پیش کیا۔

۵۔ شاہ ولی اللہ دنیا میں پائے جانے والے تمام صحیح سلسلوں سے بیعت تھے اور اپنے سلسلے میں ان تمام سلسلوں کی صحیح تعلیمات کا نچوڑ پیش کرتے ہیں۔

۶۔ اگرچہ شاہ ولی اللہ نے ہر شعبہ زندگی میں در آنے والی خرابیوں کی نشان دہی کی تاہم انہوں نے کسی گروہ اور فرقے کو کافر قرار نہیں دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صلح کل کے قائل تھے۔

و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

مقدمه

مقدمہ

الحمدُ لله ربّ العالمین ۔ الرحمٰن الرحیم ۔ مالک یوم الدین ۔ والصلوٰۃ و السلام علی محمد خاتم النبیین و علیٰ اصحابہ اجمعین ۔

اللہ تعالیٰ کے بنی آدم پر احسانات اتنے ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا ۔ اس کو احسن تقویم میں پیدا کیا ۔ (۱) اس کی نیکی اور بدی اس پر الہام کی (۲) لیکن اس کے باوجود کمال ربوبیت سے راہ بھٹکی اولاد آدمؑ کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً اپنے برگزیدہ بندوں کو مبعوث فرمایا ۔ انبیاء کرام کی بعثت کا یہ سلسلة الذھب حضرت محمد ﷺ پر ختم ہوگیا اور نوع انسانی پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت تمام کردی ، دین مکمل ہوگیا اور اس کا نام اسلام مقرر کیا گیا (۳) اور قیامت تک دین اسلام کی تعلیمات کی حفاظت کا وعدہ بھی کیا ۔

بعثت نبوی ﷺ کے جو مقاصد ہمہ قرآن حکیم نے بتائے ہیں ، وہ دو ہیں ۔

۱ ۔ تعلیم کتاب و حکمت

۲ ۔ تزکیہ

"لقد منّ اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ و یزکّیھم و یعلّمھم الکتاب و الحکمة و اِن کانوا من قبل لفی ضَلٰل مبین ۔" (۴)

ترجمہ ۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے (بڑا) احسان مومنوں پر کیا جب کہ انہی میں سے ایک پیغمبر ان میں بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے

اور انہیں پاک صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے -

مندرجہ بالا آیت کی روشنی میں فرائض نبوت کی ادائیگی کے لئے جو نظام تعلیم و تربیت نبی کریم ﷺ نے قائم فرمایا تھا اس میں یہ دونوں خصائص موجود تھے اور اس کے قیام نے بعثت نبوی ﷺ کے مقاصد ہمہ کی تکمیل کا سارا سر و سامان فراہم کردیا تھا - آپ ﷺ کے زمانے ہی میں کتاب و حکمت کی تعلیم و تدریس کے حلقے بن گئے تھے اور عمل بالقرآن اور اتباع نبوی ﷺ کے ذوق کی آبیاری بھی شروع ہوگئی تھی کہ ذوق عمل کے بغیر تعلیم و تدریس کے تمام اعمال حقہ ایک جسد بے روح کی حیثیت رکھتے تھے اور قرآن کی تعلیم و تدریس کے بغیر نہ تو ذوق عمل سے قلوب آشنا ہوسکتے تھے نہ تفقہ فی الدین کا کمال پیدا ہوسکتا تھا - شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے لکھا ہے -

"جب آنحضرت ﷺ کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ سے حفاظت دین کا جو وعدہ کیا گیا تھا ، اس وعدہ حفاظت کی دو شکلیں پیدا ہوئیں - وہ بزرگ جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریعت کی حفاظت کی استعداد ملی تھی وہ تو دین کی ظاہری حیثیت کے محافظ بنے - یہ فقہاء ، محدثین ، غازیوں اور قاریوں کی جماعت ہے چناں چہ ہر زمانے میں اہل ہمت کی یہ جماعت مصروف عمل نظر آتی ہے - دین کی تحریف کی اگر کہیں سے کوشش ہو تو یہ لوگ اس کی تردید میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں - تعلیم و ترغیب کے ذریعے یہ بزرگ مسلمانوں کو علوم دین کی تحصیل کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور ان ہی میں سے ہر سو سال کے بعد ایک مجدد پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے دین کی تجدید ہوتی ہے -

دین کے محافظین کا دوسرا گروہ وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے باطن دین کی (جس کا دوسرا نام احسان ہے) حفاظت کی استعداد فرمائی - ہر زمانے میں اس گروہ کے بزرگ عوام الناس کے مرجع رہے - طاعت و نیکو کاری کے اعمال سے باطن نفس میں جو اچھے اثرات مترتب ہوتے ہیں اور ان سے دلوں کو جو لذت ملتی ہے یہ بزرگ لوگوں کو ان امور کی دعوت دیتے ہیں نیز یہ انہیں نیک اخلاق اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں - عام طور پر یہ ہوتا آیا ہے کہ ہر زمانے میں اولیاء اللہ میں سے کوئی نہ کوئی ایسا بزرگ ضرور پیدا ہوتا ہے جس کو عنایت الٰہی سے اس امر کی استعداد ملتی ہے کہ وہ باطن دین کے قیام اور اس کی اشاعت کی کوشش کرے - باطن دین کا مغز اور نچوڑ احسان ہے یعنی اللہ کی عبادت اس یقین کے ساتھ کرنا کہ گویا عبادت کرنے والا خدا کی ذات کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے اور اگر اتنا نہ ہو تو یہ یقین کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے - یہ بزرگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس صفت احسان کا مظہر بنتا ہے اور باطن دین کی اشاعت اور اس کی حفاظت کا کام اس طرح اس بزرگ کے ہاتھ سے سرانجام پاتا ہے -" (۵)

شاہ صاحب کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عہد رسالت ہی میں مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا جو نظام قائم ہوگیا تھا اس میں خلافت ظاہری اور خلافت باطنی اپنے تمام خصائص و کمالات کے ساتھ قائم تھی اور ایک ہی وجود مقدس و قدسی صفات اور جامع الکمالات اور مجموعہ محاسن تھا جو رسالت کے مقاصد عظیم کو انجام دے رہا تھا - وہ ایک ہی پیغمبرانہ شخصیت تھی جس میں معلّم و مربّی کتاب و حکمت اور مزکّی قلب و نفس کی

کئی شخصیتیں جمع تھیں ۔ آنحضرت ﷺ کے فرائض نبوت ' تعلیم دے دینے ہی پر ختم نہ ہوجاتے تھے بلکہ اس سے آگے تزکیہ قلب و نفس بھی فرماتے تھے اور دعوت عمل کے ساتھ ذوق عمل سے بھی قلب کو آشنا فرما دیتے تھے ۔

دنیا میں بہت سی دعوات حق موجود رہی ہیں لیکن کبھی کسی دعوت کا حسن "حروف و سواد" میں تلاش نہیں کیا گیا اور نہ کیا جانا چاہیے حالاں کہ کسی دعوت کی یہ بہت بڑی خوبی تسلیم کی جائے گی کہ وہ "حق" تھی ۔ دعوت کی آزمائش کا اصل میدان ہمیشہ "عمل" رہا ہے اور تزکیہ و تربیت کے حسن کو ہمیشہ "ذوق عمل" میں ڈھونڈھا گیا ہے ۔ کسی خاص تعلیم پر عمل یا کسی خاص عمل سے باز رہنا کسی ضابطے کے دباؤ یا اس کی خلاف ورزی اور پاداش کے خوف سے بھی ہوسکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اسے تربیت اور تزکیہ کی خوبی قرار نہیں دیا جاسکتا ۔ تعلیم و تربیت اور تزکیہ نبوی ﷺ کی خوبی ہی یہ تھی کہ اعضاء و جوارح کسی خاص عمل کے عادی نہ ہوگئے تھے اور انسان نے اپنے معمولات صبح و مساء میں تبدیلی نہ کرلی تھی بلکہ ان کے قلوب ایسے ذوق آشنا ہوگئے تھے کہ ان کے ذہن و جسم کو راحت عمل میں ملتی تھی ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے ۔

"انّما یومن بآیاتنا الّذین اذا ذکّروا بھا خرّوا سجّداً و سبّحوا
بحمد ربّھم و ھم لا یستکبرون ۔ تتجافیٰ جنوبھم عن المضاجع
یدعون ربّھم خوفاً و طمعاً وّ ممّا رزقنٰھم ینفقون ۔ (٦)

(ترجمہ) ہماری آیتوں پر ایمان تو بس وہی لوگ لاتے ہیں کہ جن کو جب وہ یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے ۔ ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں ۔ اپنے پروردگار کو وہ پکارتے رہتے ہیں خوف سے اور امید سے

اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں -

ذوق عمل کی اسی کیفیت کو ایک حدیث میں مقام احسان سے تعبیر کیا گیا ہے - غرضیکہ عہد نبوت میں ایک ہی پیغمبرانہ شخصیت تھی جو کتاب و حکمت کی داعی و معلم اور تزکیہ نفس و قلب کی مربی تھی - آپ ﷺ کے جانشین بھی کہ آپ ﷺ کے فیض تعلیم و تربیت اور تزکیہ و تہذیب کے حسین پیکر تھے اور گو کہ وہ قرآن ناطق نہ تھے لیکن ان کا کوئی قول و فعل ایسا نہ تھا جس سے کتاب و حکمت اور تزکیہ کی شان کا اظہار نہ ہوتا ہو - آپ ﷺ کی شان جامعیت سے انہوں نے وافر حصہ پایا تھا - کتاب و حکمت کی تعلیم اور نفس و قلب کے تزکیہ کے ویسے ہی معلم و مربی تھے - بلا شبہ بعض صحابہ کرام اپنے بعض خصائص اور ذوق و کمال میں ایک دوسرے سے امتیاز رکھتے تھے لیکن اس وقت دوئی کا تصور مفقود تھا اور خصائص و کمالات کی تفریق و تقسیم کا عہد شروع نہیں ہوا تھا -

قرن اولیٰ کے بعد جوں جوں عہد نبوی سے دوری اور تعلیم و تربیت نبوی سے دوری ہوتی گئی ، جامعیت کمالات و خصائص کا رنگ پھیکا پڑتا گیا - اس رنگ کے پھیکے پڑ جانے کے ظاہری اسباب میں اگرچہ سب سے بڑا سبب خیر القرون سے دوری اور تعلیم و تربیت نبوی سے مہجوری ہی ہے لیکن اس میں اسلامی سیاست یا حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے الفاظ میں "خلافت ظاہری" کی فتوحات کی وسعت اور اقوام عالم کا اسلام میں وہ داخلہ بھی تھا جس کی بشارت بحکم "یدخلون فی دین اللہ افواجاً" (۷) پہلے ہی سنا دی گئی تھی لیکن جس تیزی کے ساتھ اسلام کی قوت قاہرہ اقوام عالم کو مغلوب اور سطح ارضی کو فتح کررہی تھی ، تعلیم و تربیت کا شجر طیبہ اس تیزی کے ساتھ اور ضرورت کے مطابق پھل لانے سے قاصر تھا جو شفاء لّما فی صدور کا نسخہ کیمیا

اثر ثابت ہوتا ۔ اس لئے ان کے اسلام کے دائرے میں داخل ہوجانے کے باوجود روح اسلام سے ان کے قلوب ناآشنا رہے ۔ بلاشبہ انہوں نے اسلام سے رشتہ جوڑ لیا تھا اور یہ ان کے فخر و مباہات کے لئے بہت بڑا تعلق تھا ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے اپنے سابقہ ادیان باطلہ سے رشتہ توڑ لیا تھا لیکن صدیوں سے ان کے قلوب و اذہان میں جو باطل عقائد اور غلط افکار جمے ہوئے تھے، انہوں نے جگہ نہ چھوڑی تھی اور یہی وجہ تھی کہ تعلیم اسلامی کی روح سے ان کے ذوق اور عمل آشنا نہ ہوسکے تھے ۔ علامہ اقبال نے اس کیفیت کی کیا خوب عکاسی کی ہے ۔

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج ، دل پریشان ، سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

(۸)

ایک دوسرے انداز میں پھر اس حقیقت کی ترجمانی کی ہے ۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل ، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہے ، تو باقی نہیں ہے

(۹)

حدیث نبوی کے مطابق احسان کا افضل ترین مقام یہ ہے کہ بندہ یہ سمجھے کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے لیکن جو باوجود سعی و کوشش کے یہ مقام حاصل نہ کرسکے اس کے لئے یہ بھی گوارا تھا کہ وہ یہ سمجھتا رہے کہ خدا اسے دیکھ رہا

ہے لیکن اس دور کا ماتم یہ تھا کہ اب نہ وہ جنوں باقی تھا نہ جذب اندروں باقی رہا تھا اور اگرچہ نماز ، روزہ ، حج ، قربانی ، تمام اعمال حقہ اپنی ظاہری صورتوں میں انجام دیے جا رہے تھے لیکن اب ان کے عاملین و قائمین کے سامنے عبادت کا وہ مطلوب اور مقصود باقی نہ رہا تھا جسے علامہ اقبال نے "تو" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے ۔

تاریخ اسلام پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ اسلامی نظام تعلیم و تربیت کی جوئے بہار آفرین جوں جوں آگے بڑھتی گئی اور اپنے منبع و مخرج سے دور ہوتی گئی نہ صرف یہ کہ اس کی روانی اور تیز بہاؤ میں کمی آتی گئی بلکہ اس کا صاف و شفاف پانی افکار باطلہ کی گرد و غبار سے گدلا ہوتا گیا اور بلاشبہ کہ تاریخی طور پر اس کا تعلق اپنے منبع و مخرج سے منقطع نہ ہوا تھا لیکن دیکھئے تو احساس ہوتا ہے کہ فکر و عمل کے اس گندے پانی کا بھلا اسلام کے آب زلال و شیریں سے کیا تعلق ہوسکتا ہے ۔

اسلام کے قرن اولیٰ اور عہد صحابہ کے بعد اسلام کی خلافت ظاہری کی فتوحات کے ساتھ علوم و فنون کی ترقی اور افکار کے شیوع نے جو ایک نئی صورت حال پیدا کردی تھی ، وہ یہ تھی کہ اب وہ علوم کتاب و حکمت اور اعمال تزکیہ و تصفیہ کی جامع شخصیتیں ختم ہوتی جا رہی تھیں ۔ اصحاب کمال اور اہل علم سے کوئی عہد خالی نہ تھا لیکن اب ذوق و رجحان انہیں خاص خاص علوم و فنون میں مقام تخصیص حاصل کرنے کی طرف تھا لیکن شاذ کے درجے ہی میں سہی ، جامع کمالات شخصیات کے وجود سے کوئی عہد خالی بھی نہیں رہا تھا لیکن مسلمانوں میں ذوق عمل کا جو زوال شروع ہوا تھا ، اس پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک بے پناہ سیلاب ہے جو امنڈتا چلا آرہا ہے اور یہ اپنے ساتھ اسلامی دعوت و تعلیم اور تربیت کے نظام اور اس کے قائم

کئے ہوئے تمام اجلے نقوش و آثار کو بہا لے جائے گا یہ محض ایک وہم اور خطرہ موہوم ہی نہ تھا بلکہ یہ حقیقت ہمارے سامنے ہے کہ اسلامی نظام تعلیم و تربیت کے بہت سے نقوش مٹ گئے اور آثار دھندلے پڑگئے ۔ سب سے بڑا جو نقصان پہنچا وہ یہ تھا کہ اب تعلیم و تربیت ایک تجارت اور تزکیہ و تصفیہ کے تمام اعمال مقدسہ ذریعہ معاش بن گئے ۔ علماء پیشہ ور تھے اور صوفیہ تجار تھے ۔ علمائے سو اور دنیا پرست صوفیہ سے سطح ارضی بھر گئی تھی ، شعبدہ بازوں کا ایک گروہ تھا جنہوں نے مخلوق خدا پر حملہ کردیا تھا اور انکے دینی جذبات اور مذہبی عقیدتوں کا استحصال کررہا تھا ۔ اخلاص و تقویٰ کی متاع کا کوئی پوچھنے والا نہ تھا ۔ حقیقی زہد و ورع کی مانگ دنیا سے اٹھ گئی تھی سب سے بڑے صوفی کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ تقویٰ اور اخلاص کی بنا پر امتیاز رکھتا تھا بلکہ اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا تھا کہ وہ عوام کی کمزوریوں اور ان کی خوش عقیدگیوں سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والا اور اپنے عہد کا سب سے بڑا شاطر تھا ۔ حضرت ابوالحسن علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش اپنے عہد کے بارے میں اپنی شہرہ آفاق کتاب میں اپنے تاثرات اس طرح رقمطراز کرتے ہیں ۔

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا ہے کہ لوگوں نے اپنی خواہشات کا نام شریعت ، حب جاہ کا نام عزت ، تکبر کا نام علم اور ریا کاری کا نام تقویٰ رکھ لیا ہے اور دل میں کینہ چھپانے کا نام حلم ، مجادلہ کا نام مناظرہ ، محاربہ و بیوقوفی کا نام عظمت ، نفاق کا نام وفاق ، آرزو و تمنّا کا نام زھد ، ہذیان طبع کا نام معرفت ، نفسانیت کا نام محبت ، الحاد کا نام فقر ، انکار وجود کا نام صفوت ، بے دینی و زندقہ کا نام فنا اور نبی کریم ﷺ

کی شریعت کو ترک کرنے کا نام طریقت رکھ لیا ہے اور اہل دنیا کی آفتوں کو معاملہ کہنے لگے ہیں ۔" (۱۰)

ایک جگہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ انہیں ان کے زمانے کے رسمی پیر فقیروں کی صحبت سے بچائے ۔ وہ لوگ ایسے ہیں کہ ریا و معصیت میں اگر ان کی موافقت نہ کی جائے تو دشمن ہوجاتے ہیں ۔ (۱۱)

حقیقی صوفیہ اور اصحاب اخلاص و تقویٰ سے دنیا خالی نہ ہوگئی تھی لیکن انہوں نے گوشہ نشینی اور خلوت گزینی کو اپنا شعار بنا لیا تھا ۔ پہلی صدی ہجری ہی میں فتنوں کا وہ دروازہ کھل گیا جس کی پیش گوئی مخبر صادق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمائی تھی ۔ کذّاب مدعیان نبوت ، فتنہ ارتداد ، مسلمانوں کے باہم قتال اور گمراہ فرقوں کے وجود میں آجانے سے دین اسلام کا شیرازہ بکھرنے لگا اور قریب تھا کہ دین اسلام کا وجود ختم ہو کر رہ جاتا یا پھر تعلیمات اسلام کو اتنا مسخ کردیا جاتا کہ دین اسلام کا چہرہ ناقابل شناخت ہوجاتا لیکن حاملین دین اسلام نے اپنی پوری توانائیاں اس کے بقا اور اس کو خالص کرنے میں صرف کردیں ۔ چناں چہ جہاں دین اسلام کے کھلے دشمنوں سے جہاد کیا جا رہا تھا وہاں اندرونی محاذ پر دشمنان اسلام کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے مفسرین ، محدثین ، فقہا ظاہر دین کی حفاظت کے لئے علمی و قلمی جہاد میں مصروف تھے ۔ اسی طرح صوفیاء کرام باطن دین کی حفاظت کے لئے کمر بستہ ہوئے اور اس چشمہ صاف کو پاکیزہ رکھنے کے لئے بہت سی بلند پایہ علمی کتب تحریر ہوئیں ۔ اگرچہ بعض صوفیاء کرام حکومتی کارندوں کے مظالم اور فتنوں میں مبتلا ہوجانے کے خوف سے گوشہ نشین ہوگئے تھے اور خود اس سلسلے میں ہادی برحق ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا ۔ ان فتنوں کے زمانہ میں بیٹھنے والا بہتر ہوگا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا

بہتر ہوگا چلنے والے سے اور چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے ـ جو شخص ان فتنوں کی طرف جھانکے گا فتنہ اس کو اپنی طرف کھینچ لے گا ـ پس جو شخص پناہ کی کوئی جگہ پائے وہ وہاں جا کر پناہ حاصل کرلے ـ (۱۲) اس گوشہ نشینی میں بھی انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی انجام دہی کو فراموش نہیں کیا ـ چناں چہ انہی نفوس قدسیہ کے اخلاق و کردار اور سیرت کی اعلیٰ پائے کی خوبیوں کو اجاگر کرتے ہوئے چوتھی صدی کے معروف بزرگ حضرت ابوبکر الکلاباذی ، حضرت ذوالنون مصری کی معاصر ایک خاتون کے اشعار نقل فرماتے ہیں ـ

قومٌ هموم بالله قد علقت
فما لهم همٌ تسموا لی احد
فمطلب القوم مولاهم و سیدهم
یاحسن مطلبهم للواحد الصمد
ما ان تنازعهم دنیاً و لا شرفٌ
من المطاعم و اللذات و الولد
و لا للبس ثیاب فائق انق
و لا لروح سرور حل فی بلد
الا مسارعة فی اثر منزلة
قد قارب الخطو فیها باعد الامد
فهم رهائن غدران و ادیة
و فی الشوامخ تلقاهم مع العدد

(ترجمہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کے ارادے اللہ سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ان کے ارادے کسی اور کی طرف بلند نہیں ہوتے ـ اس قوم کا مطلوب ان کا مولیٰ اور

آقا ہے ۔ جس کا مطلوب خدائے واحد و بے نیاز ہو اس کی خوبی کا کیا کہنا ۔ نہ دنیا انہیں اپنی طرف مائل کرسکتی ہے نہ کسی قسم کا شرف ۔ خواہ کھانے کی صورت میں ہو یا لذت اور اولاد کی صورت میں اور نہ ہی وہ فاخرہ اور خوبصورت لباس پہننے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور نہ ہی سرور حاصل کرنے کے لئے کسی جگہ اترتے ہیں ۔ البتہ وہ ایسی منزل کے پیچھے تیزی سے جاتے ہیں جہاں دور دراز کی مسافت کو ان کے قدم قریب تر کردیتے ہیں ۔ یہ وہی لوگ ہیں جو غاروں اور وادیوں میں پڑے رہتے ہیں اور تو انہیں بلند پہاڑوں پر دیکھے گا کہ یہ معدودے چند لوگوں کے ساتھ ہیں ۔ (۱۳)

ان اشعار میں بیان کردہ خصائص ہی درحقیقت صوفیاء کا مطلوب ہیں ۔ ان نفوس قدسیہ کے زہد و تقویٰ ، اخلاص ، طاعات و عبادات پر مداومت اور ریاکاری و معصیت سے احتراز کو دیکھ کر عوام الناس کے دلوں میں ان حضرات سے عقیدت پیدا ہوئی ۔ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں ۔

> "اولیاء اللہ میں جو بزرگ اس صفت احسان کا مظہر بنتا ہے اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کے اندر اس کی رفعت شان کا عام چرچا ہوجاتا ہے ۔ خلقت اس کی طرف کھنچی چلی آتی ہے ۔ ہر شخص اس بزرگ کی تعریف کرتا ہے ۔" (۱۴)

بدقسمتی سے بعض مذاہب باطلہ کے پیروکاروں اور حب جاہ و مال رکھنے والے دنیاداروں نے صوفیاء کرام کے سیدھے سادھے سادہ لوح عقیدت مندوں کی عقیدت سے فائدہ اٹھانے کے لئے صوفیاء کرام کے بھیس میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ۔ حضرت ابوالحسن علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش نے ایسے جعل سازوں کو مستصوفین کے نام سے یاد کیا ہے ۔ (۱۵) ان مستصوفین کے دجل و فریب اور ان کی دسیسہ کاریوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے امام ابن جوزی نے چند اشعار نقل

کئے ہیں -

رایتُ قوماً علیهم سمة الخیر
بحمل الرکاء مبتهلة
اعتزلو الناس فی جوامعهم
سالتُ عنهم فقیل متکلة
صوفیة للقضاء صابرة
ساکنة تحت حکمہ نزلة
فقلتُ اذ ذاک هٰؤلاءِ هم
الناس و من دون هٰؤلاءِ رذلة
فلم ازل خادماً لهم زمناً
حتی تبینت انهم سفلة
ان اکلوا کان اکلهم سرفاً
او لبسوا کان شهرة مثلہ
سل شیخهم و الکبیر مختبر
عن فرضہ لا تخالہ عقلہ
و اسلہ عن وصف شادن غنجٍ
مدلل لا تراہ قد جهلہ
علمهم بینهم اذا جلسوا
کعلم راعی الرعاع و الرذلہ
الوقت و الحال و الحقیقة و
البرهان و العکس عن هم مثلہ
قد لبسو الصوف کی یروا صلحا

وهم شرار الذیاب و الحفلہ
و جانبو الکسب و المعاش لکی
یستاصلوا الناس شرھا اکلہ
و لیس من عفۃ و لا دعۃ
لکن لتعجیل راحۃ العطلۃ
فقل لمن مال باختداعھم
الیھم تب فانھم بطلہ
و استغفر اللہ من کلامھم
و لا تعاود لعشرۃ الجھلہ

(ترجمہ) میں نے ایک قوم کو دیکھا جو بظاہر اچھے لوگ ہیں ۔ مشکیزہ یا لوٹا لئے پھرتے ہیں ۔ لوگوں سے کنارہ کش ہوکر ایک جگہ بیٹھ رہے ۔ میں نے لوگوں سے ان کا حال پوچھا تو جواب ملا کہ اہل توکل ہیں ، صوفیہ ہیں اور قضائے الٰہی پر صابر ہیں ۔ جو اس کا حکم نازل ہو اس پر ٹھہرے ہوئے ہیں ۔ میں نے یہ سن کر کہا کہ دراصل یہی لوگ ہیں جو انسان ہیں اور ان کے سوا سب رذیل ہیں ۔ لہٰذا ایک زمانہ تک ان کی خدمت کرتا رہا یہانتک کہ بعد میں ثابت ہوا کہ یہ لوگ کمینے ہیں ۔ اگر کھانے پر آمادہ ہوں تو ان کا کھانا اسراف ہے اور اگر پہنتے ہیں تو شہرت اور نمائش کے لئے ہوتا ہے ۔ ان کے پیر اور ان کے بڑے سے امتحان کے طور پر اس کا فرض دریافت کروتو ضرور غافل پاؤگے اور کسی ناز و کرشمہ والے معشوق کی تعریف پوچھو تو ہرگز ناواقف نہ دیکھو گے ۔ جب وہ باہم جمع ہوکر بیٹھتے ہیں تو ان کا علم وہی ہے جو چرواہوں اور کمینوں اور رذیلوں کا علم ہے ۔ وقت اور حال اور حقیقت اور برہان اور عکس ان کے نزدیک سب برابر ہیں ۔ انہوں نے صوف کا لباس اس لئے پہنا ہے کہ نیک

معلوم ہوں حالاں کہ وہ شریر بھیڑیے اور حیلہ ساز ہیں ۔ کسب و معاش سے اس لئے الگ ہوگئے ہیں کہ لوگوں کی بیخ کنی کریں ان کا مالج۲۳رارت سے کھا جائیں ۔ کسب کا چھوڑ دینا کچھ عفت اور پرہیز گاری کی خاطر نہیں بلکہ بیکاری کی راحت حاصل کرنے کی غرض سے ہے ۔ جو شخص ان کے مکر کی وجہ سے ان کی طرف مائل ہو اس سے کہہ دو کہ ان سے دور رہو کیوں کہ وہ اہل بطالت ہیں اور ان کے ساتھ گفتگو سے خدا کی پناہ مانگو اور پھر کبھی ان جاہلوں کی صحبت میں نہ جاؤ ۔ (١٦)

اهل التصوف قد مضوا

صار التصوف مخرقة

صار التصوف صيحة

و تواجدا و مطبقة

تجری علیک صروفه

و هموم سرک مطرقه

کذبتک نفسک لیس ذا

سنن الطریق الملحظه

(ترجمہ) جو اہل تصوف تھے وہ گذر گئے اب تو تصوف دروغ گوئی ہوگیا ہے ۔ چیخنا ، وجد کرنا اور تالیاں بجانا تصوف رہ گیا ہےج۲۴" تو زمانے کی گردشیں اٹھا رہا ہے اور تیرے دل کی خواہشات رکی ہوئی ہیں ۔ تیرا نفس تجھ سے جھوٹ بولتا ہے ۔ خبردار ! یہ طریق راست نہیں ہے ۔ (١٧)

ہر دور میں حق و باطل کی آویزش ہمیشہ سے رہی ہے اور جب بھی ذریت ابلیس نے صوفیاء کرام کے مقدس گروہ میں گھسنے کی کوشش کی ، اہل حق صوفیاء نے ان کی تلبیسات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ۔ برصغیر پاک و ہند میں اکبر

اعظم کی الحاد پرستی اور جہانگیر کی اباحیت نے جو بیج بوئے ان کے ثمرات سے بیشتر علماء بھی اپنے دامن نہ بچا سکے لیکن مردان حق نے اس پر آشوب دور میں بھی فرمان نبوی ﷺ کے مطابق کہ "بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے " کلمہ حق کہنے کے فرض سے کوتاہی نہیں کی اور نتیجتاً قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں ۔ ان مغل بادشاہوں کی اسلام دشمن روش سے پاک و ہند کے مسلمانوں کے اخلاق عمومی طور پر متاثر ہوئے اور اس کے بعد جو دن بھی گذرا وہ پہلے سے بدتر تھا ۔ اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت میں اگرچہ اسلام دشمن طاقتیں وقتی طور پر دب گئیں لیکن عالمگیر کے انتقال کے فوری بعد یہ قوتیں پوری شدت سے ابھریں اور یہی وہ دور تھا جب حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی پیدا ہوئے ۔

میں نے اپنے اس مقالے میں شاہ صاحب کی تصوف پر مبنی اصلاحات کو اجاگر کرنے کے لئے اس دور کے عام حالات کی منظر کشی کی ہے تاکہ یہ اندازہ کیا جاسکے کہ کن مشکل حالات کا شاہ صاحب نے سامنا کیا ہے ۔ پہلے باب کی پہلی فصل اس دور کے معاشرتی حالات پر مبنی ہے معاشرتی حالات کا براہ راست اثر زندگی کے تمام معاملات پر پڑتا ہے ۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد برصغیر ہندو پاک میں جو سیاسی انتشار اور ابتری پھیلی اس کا تذکرہ دوسری فصل میں کیا گیا ہے جو سیاسی حالات پر مشتمل ہے ۔ پہلے باب کی تیسری فصل معاشی حالات پر مشتمل ہے ۔

دوسرے باب میں شاہ صاحب کے مختصر سوانح بیان کئے گئے ہیں ۔ پہلی فصل میں ان کے آباء و اجداد کا تذکرہ کیا گیا ہے دوسری فصل شاہ صاحب کے سوانح پر مبنی ہے ۔ شاہ صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن تھے ۔ ان کی جامعیت اس بات کی مقتضی ہے کہ ان کی شان میں علماء اور اہل علم نے جو

خراج عقیدت پیش کیا ہے ہم اس کا بھی تذکرہ کریں چناں چہ دوسرے باب کی تیسری فصل میں ان معروف شخصیات کا خراج عقیدت قلم بند کیا گیا ہے ۔ چوتھی فصل میں شاہ صاحب کے صاحبزادوں کے مختصر حالات زندگی تحریر کئے گئے ہیں ۔

سیاسی ، معاشی اور معاشرتی خرابیوں کا اثر معاشرے کے ہر طبقے پر ہوتا ہے ۔ علمائے سوء کی بہتات نے عوام الناس کی مذہبی رسوم و عقائد کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا ۔ دنیا پرست لوگوں نے مذہب کی آڑ میں اپنی جیبیں بھرنا شروع کیں لیکن جہاں اتنی خرابیاں جڑ پکڑ چکی تھی وہیں اہل حق کا ایک گروہ تھا جو مسلسل حالات کے سدھارنے کے لئے کوشاں تھا ۔ ان سب حالات کی تفصیل تیسرے باب میں پیش کی گئی ہے ۔ اس باب کی پہلی فصل شاہ صاحب کے عہد کے مذہبی حالات پر مبنی ہے دوسرے میں شاہ صاحب کے معاصر دہلی کے چند صوفیا کا تذکرہ کیا گیا ہے اور تیسری فصل ان مستصوفین پر مشتمل ہے جنہوں نے تصوف اور مذہب کی آڑ میں ایک طویل عرصے تک خلق خدا کو گمراہ کیا اور شاہی قوت بھی ان کا خاتمہ نہ کرسکی ۔

تصوف میں شاہ صاحب کی اصلاحات کا ذکر کرنے سے پہلے ضروری تھا کہ تصوف کے بارے میں صوفیاء کرام کا نقطہ نظر پیش کیا جائے ۔ چناں چہ چوتھے باب میں تصوف کی مختلف تعریفیں جو اکابر صوفیا سے مروی ہیں وہ پیش کی گئی ہیں اور دلائل و براہین کی روشنی میں جو تعریف سب سے زیادہ موزوں اور بہتر ہوسکتی تھی اسے بیان کیا گیا ہے ۔ تصوف کا مادہ کیا ہے ، صوفی کو صوفی۲۸"جہ'وں کہتے ہیں اس بارے میں اکابر صوفیا کے نظریات کو پیش کرنے کے ساتھ تحقیق کی روشنی میں اپنی رائے بھی پیش کی ہے ۔ شاہ صاحب کا تصوف میں تعلق کن کن مشہور صوفی سلسلوں سے تھا ان کو بیان کرنے کے ساتھ

ساتھ کچھ سلاسل کی تعلیمات اور خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے

پانچویں باب میں شاہ صاحب کے اس طریقے کو پیش کیا گیا ہے جس کے بارے میں شاہ صاحب صاحب خود فرماتے ہیں

"حمد و صلوٰۃ کے بعد خدا کا یہ ضعیف ترین بندہ ولی اللہ بن عبد الرحیم یوں عرض کرتا ہے کہ اس سرگشتہ حقیقت کے دل پر بارگاہ عالی سے الہام کے جو قطرات ٹپکے ان میں سے یہ چند کلمات ہیں جو میں یہاں سپرد قلم کرتا ہوں تاکہ صراط مستقیم پر چلنے کے لئے یہ کلمات خود میرے لئے نیز میرے تابعین کے لئے دستور کا کام دیں خدا تعالیٰ نے میرے دل میں طریقت و معرفت کی جو نسبت القا فرمائی ہے یہ کلمات اس نسبت کے لئے نمونہ بنیں اور ان کے ذریعے میرے اس مسلک طریقت کی تشریح ہوجائے جس کی مجھے ہدایت فرمائی گئی ہے " (١٧)

آخر میں مختلف ضمیمہ جات دیے گئے ہیں جن سے شاہ صاحب کے مختلف شجرہ ہائے طریقت و نسب اور مختلف وظائف و کتب کی اسناد کی وضاحت ہوتی ہے

میں اپنی مشفق استاد محترمہ پروفیسر ڈاکٹر ممتاز بھٹو صاحبہ ڈین کلّیہ اسلامک اسٹڈیز ، سندھ یونیورسٹی جامشورو کا شکریہ ادا کرنا واجب تصور کرتا ہوں جن کی پر خلوص اور مشفقانہ راہنمائی کے باعث میں اس قابل ہوا کہ اپنے اس مقالے کو تکمیل کے مرحلے تک پہنچا سکوں

وَ آخِرُ دَعوانا اَنِ الْحَمْدُ لله رَبُّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلامُ عَلیٰ سَيِّدِ الْمُرسَلِيْن وَ عَلیٰ آلِهِ وَ صَحْبِهِ وَ سَائِرِ النَّبِيِّيْن

حواشی

۱ ۔ القرآن الحکیم سورہ التین آیت : ۵

۲ ۔ ایضاً سورہ الشمس آیت : ۸

۳ ۔ ایضاً سورہ المائدہ آیت : ۳

۴ ۔ ایضاً سورہ آل عمران آیت : ۱۶۴

۵ ۔ ولی اللہ دہلوی ، شاہ ، "ہمعات" حیدرآباد ، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، اول ، ۱۹۶۴ ء ۔ ص - ۱۱ ، ۱۲

۶ ۔ القرآن الحکیم سورہ السجدہ آیت : ۱۵ ، ۱۶

۷ ۔ القرآن الحکیم سورہ نصر آیت : ۲

۸ ۔ اقبال ، علامہ ڈاکٹر محمد ، "بال جبریل" لاہور، پاکستان ٹائمز پریس ، طبع یازدہم ، دسمبر ۱۹۵۹ ء ، ص - ۱۲۰

۹ ۔ ایضاً ص - ۱۳۹

۱۰ ۔ والنتین ژوکوفسکی (مرتب) "کشف المحجوب" از ہجویری ، ابی الحسن علی بن عثمان ، لینن گراڈ ، مطبعہ دارالعلوم اتحاد جماہیر شوروی سوسیالیتی ، ۱۳۴۴ھ ،

۱۱ ۔ ایضاً

۱۲ ۔ "مشکوٰۃ المصابیح " کراچی ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب ، ۱۳۶۸ھ

۱۳ ۔ ابوبکر بن ابو اسحاق الکلاباذی ، "التعرف لمذہب اہل التصوف" لاہور، گنج بخش روڈ ، اول ۱۳۹۱ ھ ، ص - ۳۵ ، ۳۶

۱۴ ۔ "ہمعات" محولہ بالا ، ص - ۱۲

۱۵ ـ "کشف المحجوب" ، محولہ بالا ،

۱٦ ـ ابو محمد عبدالحق ، اعظم گڈھی ، علامہ (مترجم) "تلبیس ابلیس " از ابن الجوزی ، جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن ، کراچی ، نور محمد اصح المطابع ، ص - ۳۳۹ - ۳۱

۱۷ ـ "ہمعات" محولہ بالا ، ص - ۱۰

باب اول

فصل اول:

معاشرتی حالات

فصل دوم:

سیاسی حالات

فصل سوم:

معاشی حالات

معاشرتی حالات

اورنگ زیب عالمگیر کے بعد اس کا بیٹا شاہ عالم ، بہادر شاہ اول تخت نشین ہوا ۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر چونسٹھ برس تھی ۔ (۱) عالمگیر کے بعد اس سے بھی زیادہ پر رعب ، سنجیدہ ، اولوالعزم ، عاقل اور مدبر سلطان کی ضرورت تھی ۔ مگر بد قسمتی سے اس کے بیٹے بہادر شاہ میں عالمگیر کی عقل و رائے اور زبردست طبیعت کا ایک سوواں حصہ بھی نہ تھا ۔ نیا حکمران اس قدر ضعیف تھا کہ وہ وسیع مملکت کے نظم و نسق اور افواج کی تنظیم نو کے بار گراں کا متحمل نہ ہوسکا اور اس نے اپنی زندگی کو آسائش اور تعیشات کے سانچے میں ڈھال لیا ۔ بہادر شاہ نہایت نیک مزاج بادشاہ تھا لیکن مروت کمزوری کے اور سادہ دلی ، نادانی کے درجے تک بڑھی ہوئی تھی وہ امور سلطنت میں ملک کی خبر گیری اور بندو بست سے اس قدر لاپروا اور بے خبر رہتا تھا کہ شوخ طبع اشخاص نے اس کے جلوس کی تاریخ ہی "شہ بے خبر" سے نکال لی تھی ۔ (۲)

بہادر شاہ اپنے باپ کی مانند پارسا تو تھا لیکن اتنا مضبوط اور مستعد نہ تھا اور ایسے مزاج کا حامل تھا جو بابر کے اخلاف اور اتنی وسیع سلطنت کے حکمران کے شایان شان نہ تھا ۔ ایک دفعہ جب کہ بد امنی روز مرہ کا معمول بن چکی تھی ، اس نے ایک دشمن کے خلاف اس طرح لشکر کشی کی گویا وہ کسی شکار کی مہم پر جا رہا ہے ۔ کسی مہم سے ناکام یا شکست خوردہ لوٹنے پر اسے کبھی خجالت محسوس نہیں ہوئی ۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ وہ اکثر ایسے کسی باغی کے خلاف لشکر کشی سے انکار کردیتا تھا جسے وہ اپنے مرتبے سے کم تر

سمجھتا - (۳)

ایک دفعہ اس نے لاہور کے تمام کتوں کو ہلاک کردینے کا حکم دیا کیوں کہ وہ شہر پر فرشتوں کے نزول میں مانع تھے - (۴) اپنے لاہور کے قیام کے دوران اس نے حکم دیا کہ خطبہ پڑھتے ہوئے خلفائے راشدین کے ذکر میں حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ "وصی" کا لفظ بھی پڑھا جائے لیکن لاہور کے علماء نے اس فرمان پر عمل نہ ہونے دیا - (۵)

بہادر شاہ کے بعد جہاندار شاہ تخت نشین ہوا - اس نے ایک سال سے بھی کم عرصہ تک حکومت کی لیکن اتنے قلیل عرصہ کے باوجود اس نے مغلیہ سلطنت کے تین سو سالہ وقار کو ایک طوائف لعل کنور (٦) پر قربان کردیا - اس نے امور سلطنت کو پس پشت ڈال کر اپنی داشتہ کے ساتھ رنگ رلیوں میں دن گذارے (۷) جسے اس نے امتیاز محل بیگم کا خطاب دیا (۸) اور اس کے بھائیوں کو سات ہزاری ، سات ہزار سوار اور پانچ ہزاری ، پانچ ہزار سوار کے مناصب دیے - (۹)

جہاندار شاہ کا زمانہ ظلم و ستم ، فسق و فجور کا زمانہ تھا - گانے بجانے کی محفلیں عام جمنے لگیں - قوال ، کلاونت اور ڈوم دھاڑی گھروں سے نکل آئے اور وہ وقت قریب آگیا تھا کہ قاضی صراحی اٹھا لیتا اور مفتی پیالہ تھام لیتا - (۱۰) خافی خان نے اس دور کی بہت عمدہ تصویر کشی کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لعل کنور کس حد تک بادشاہ کے مزاج اور امور شاہی میں دخیل تھی -

"بادشاہ کی محبوبہ لعل کنور کے کیا کہنے ! بادشاہت تو اسی کی تھی - اس کے بھائیوں اور دور و نزدیک کے رشتہ داروں کو چار ہزاری ، پنج ہزاری منصب ملے - ہاتھی ، نقارہ ، قیمتی جواہر اور اعزاز عطا ہوئے اور وہ اپنی قوم میں اتراتے پھرتے تھے کہ ہم بھی بادشاہ کے رشتہ دار ہیں - مراثیوں اور ڈوم دھاڑیوں کی اس ریل

پیل میں قدیم خانہ زاد امیروں ، باکمال اشخاص اور علمائے دین کو
کون پوچھتا ۔ان کا اعتبار سرکار دربار میں باقی نہ رہا ۔" (۱۱)

بادشاہ نے لعل کنور کے بھائی خوشحال خان کے نام اکبرآباد کی صوبہ داری لکھ دی اور پانچ ہزاری تین ہزار سوار کا منصب عطا کیا مگر بخشی الممالک ذوالفقار خان نے فرمان اور اسناد تیار کرانے میں عمداً تاخیر کردی ۔ لعل کنور نے بخشی الممالک کی شکایت بادشاہ سے کردی ۔ جہاندار شاہ نے ذوالفقار خان سے اس تاخیر کا سبب دریافت کیا ۔ ذوالفقار خان ، جہاندار شاہ کے سامنے کھری کھری کہہ دیا کرتا تھا ۔ اس نے بڑے ادب سے عرض کیا کہ ہم خانہ زادوں کو اصل میں رشوت لینے کی لت پڑگئی ہے اور بغیر رشوت ملے کسی کا کام نہیں نکال پاتے ۔ جہاندار شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا کہ لعل کنور سے کیا رشوت لینا چاہتے ہو ۔ ذوالفقار خان نے دست بستہ عرض کیا : حضور ایک ہزار عمدہ قسم کے نقشین طنبوروں کی خواہش ہے ۔ بادشاہ نے حیرت سے کہا "ہزار طنبورے ! ان کا کیا کروگے ۔ ذوالفقار خان نے کہا جب ہم خانہ زادوں کے کام حضور اس قوم (میراثی) کے سپرد کردیں گے تو پھر ہمارے لئے بجز اس کے کیا رہ جاتا ہے کہ ہم اس معزز قوم کا پیشہ اختیار کرلیں ۔ جہاندار شاہ اس بات پر ہنس دیا اور صوبہ داری کی تجویز واپس لے لی ۔" (۱۲)

جہاندار شاہ ، لعل کنور کے عشق میں اس قدر دیوانہ ہوگیا کہ شاہی وقار کا خیال نہ کرتے ہوئے سرعام بازاروں میں شراب نوشی کرتا اور ہوش و حواس سے بیگانہ ہوجاتا ۔ خافی خان نے ایک واقعہ تحریر کیا ہے ۔

"جہاندار شاہ اکثر رات کو اپنی معشوقہ کو رتھ پر ساتھ بٹھا کر چند مقربوں اور مصاحبوں کے ہمراہ بازاروں کی سیر کے لئے نکل جاتا تھا اور شراب خانوں میں جا کر بیٹھ جاتا تھا ۔ ایک رات

اسی طرح وہ لعل کنور کو ساتھ لے کر رتھ پر سوار ایک شراب خانہ میں پہنچ گیا اور وہاں دونوں نے جی بھر کر شراب پی ۔ جب لوٹنے لگے تو بالکل مست اور مدہوش تھے ، محل واپس آئے تو رتھ سے اترتے ہوئے لعل کنور کو اتنا ہوش نہیں رہا تھا کہ بادشاہ کو اتار لیتی ۔ گرتے پڑتے وہ اپنے بستر پر جا کر پڑ گئی اور اسی حالت میں اس کی آنکھ لگ گئی ۔ ادھر بادشاہ سلامت دنیا جہاں سے بے خبر رتھ میں مدہوش پڑے رہے ۔ رتھ بان نے رتھ اصبل میں لے جا کر ٹکا دی ۔ کچھ دیر بعد جب محل کی عورتوں نے لعل کنور کے ساتھ بادشاہ کو نہیں پایا تو دھوم مچا دی ۔ لعل کنور کو بھی اٹھایا ۔ بڑی مشکل سے وہ کچھ ہوش میں آئی تو بادشاہ کو اپنے پاس نہ پاکر بے قرار ہوکر اٹھی اور روتی ہوئی اِدھر اُدھر سراسیمہ وار دوڑنے لگی ۔ اب ہر طرف بادشاہ کی تلاش ہونے لگی ۔ آخر لوگوں نے اصبل میں رتھ کے اندر بادشاہ سلامت کو محو استراحت پایا ۔ اس واقعہ سے ہر طرف یہ افواہ اڑ گئی کہ لعل کنور کے بھائی نے بادشاہ کو مستی کے عالم میں قتل کردیا ۔" (۱۳)

لعل کنور کے عشق میں کوئی ایسا اخلاقی ، سماجی اور انسانیت کا گناہ نہ تھا جو جہاں دار شاہ نے نہ کیا ہو ۔ ایک دن لعل کنور نے اس سے کہا کہ میں نے ڈوبتی ہوئی کشتی میں آدمیوں کی جو حالت ہوتی ہے وہ نہیں دیکھی ۔ شاہی فرمان صادر ہوا کہ یہ خواہش پوری کرکے دکھا دی جائے ۔ (۱۴)

بالاخر فرخ سیر کی فتح سے ظلم و بربریت کا یہ دور ختم ہوا ۔ جب فرخ سیر کی فتح کی خبر پھیلی تو تمام ستم رسیدہ مظلوم لوگوں نے خوشی کا اظہار کرنے کے لئے چراغ جلائے اور اللہ کا شکر ادا کیا ۔ مگر اس خبر سے ارباب

طرب کے گھروں میں ماتم برپا ہوگیا ۔ گویّے نالہ و زاری کرنے لگے ، رقاص پیر توڑ کر بیٹھ گئے ۔ طوائفوں نے ماتمی لباس پہن لیا ۔ ستار کے تار ٹوٹے اور نَے لبوں سے چھوٹ کر زمین پر گری جسے اٹھانے والا کوئی نہ تھا ۔ (۱۵)

جہاندار شاہ کے بعد فرخ سیر تخت نشین ہوا ۔ بقول ارون اس کی سب سے بڑی برائی اس کی کمزوری تھی - (١٦) اس کے عہد میں مستصوفین نے زور پکڑا ۔ عبدالغفور ٹھٹوی بالائی نے اسی کے زمانے میں عروج حاصل کیا ۔ محمد حسین نمود انمود کی اسی کے زمانے میں یہ جرات ہوئی کہ وہ کھلم کھلا اپنے خود ساختہ عقائد کو ترویج دے سکے ۔ فرخ سیر خود محمد حسین سے ملاقات کے لئے جاتا تھا اور انکسار اور فروتنی سے اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا ۔ جب بادشاہ اس کا معتقد ہوگیا تو بقول طباطبائی اب اس نے اپنی عیدیں چوری چھپے منانے کے بجائے کھلے بندوں منانے کا اعلان کیا ۔ اب وہ جائے معبود میں بڑے اطمینان سے ڈھول بجا کر آمد و رفت کرتا اور اپنے کفر کا اعلان بھی نقارہ بجا بجا کر کرنے لگا ۔

محمد شاہ سید برادران کے طفیل مسند اقتدار پر آیا جو اس کے سب سے بڑے حریف بھی تھے چناں چہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد وہ عیش و مستی کی زندگی گذارنے لگا ۔ محمد شاہ نے اپنا قلمدان ایک لڑکی "کوکی" کے سپرد کردیا جو محل کے اندر حاجت مندوں کی درخواستوں پر دستخط کرتی تھی اور اس طرح اس نے خوب مال و زر پیدا کیا ۔ طباطبائی لکھتا ہے ۔

"بادشاہ چوں کہ جوان اور کم حوصلہ تھا اس لئے اس کا زیادہ تر وقت عیش و انبساط اور رقص و سرود میں گذرتا تھا ۔ لہٰذا جب کوئی اہم کام سامنے آتا تو اس طرف توجہ دینے کے بجائے

وہ یا تو عمدۃ الملک امیر خان وغیرہ امراء زادوں کی صحبتوں سے لطف اندوز ہوتا یا پھر خوش طبعی و خوش کلامی میں تضیع اوقات کرتا تھا ۔ اس نے کبھی سلطنت کے امور میں دلچسپی نہ لی اور نہ ان کو وہ اہمیت دی جس کے وہ حامل تھے نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے نام سے عوام میں جو ہیبت طاری ہوسکتی تھی وہ ختم ہوگئی ۔" (۱۷)

محمد شاہ افیم کا شوقین تھا اور عیش و عشرت کا دلدادہ تھا ، دن رات حرم میں پڑا رہتا تھا ۔ اٹھائیس سالہ دور حکومت میں اگر کبھی وہ محل سے نکلا ہے تو صرف لونی پارک میں گھومنے کے لئے یا گڈھ کا میلا دیکھنے کے لئے - (۱۸) اس کے دربار میں تین سو کسبیاں ہر وقت برہنہ ناچا کرتیں جب وہ تھک جاتیں تو اور تین سو ان کی جگہ لے لیتی تھیں ۔ شراب کا دور ہر وقت جاری رہتا تھا ۔ قلعہ میں عموماً نصف برہنہ عورتوں کا پہرہ رہا کرتا تھا یعنی ناف سے اوپر تک تو وہ زرق برق پوشاک میں آراستہ ہوتی تھیں ، پانچوں ہتھیار زیب تن رہتے اور ناف سے نیچے کا جسم بالکل برہنہ ہوتا تھا ۔ (۱۹) مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں ۔

"کچھ دن تو محمد شاہ واقعی حضرت آصف جاہ کو وزیر اعظم بنا کر محمد شاہ بنے رہے لیکن یاروں نے اس غریب کو بجائے تورانیوں کے پھر ایرانیوں کے زیر اثر ڈال دیا ۔ بادشاہ نے مذہب کو نہیں بدلا لیکن مشرب بدل دیا ۔ ابر سیاہ ان کا نقیب قرار پایا ۔ عام حکم تھا کہ ادھر ہمالیہ کے دامن سے گھٹا اٹھے ، بادل گرجے کہ میرا خیمہ ، خرگاہ صحرا روانہ ہو ۔ ہر طرف

می دید صبح کلمہ بستہ سحاب

الصبوح الصبوح یا اصحاب
ژالہ بارید بر رخ لالہ
المدام المدام یا احباب

کا شور تھا ۔ اسی لئے بیچارہ آخر میں رنگیلے کے نام سے بدنام ہوگیا ۔" (۲۰)

محمد شاہ کے بیٹے احمد شاہ کے عہد میں تو حکومت کا نقشہ اور بھی بدل گیا ۔ ایک میل تک اس کا زنانہ محل تھا ۔ ہفتوں تک کسی مرد کی شکل اس کے سامنے نہ پڑتی تھی ۔ اس کی ماں اودھم بائی ایک نومسلم طوائف تھی وہ اودھم بائی سے نواب قدسیہ صاحب زمانی حضرت قبلہ عالم ہوگئی اور پانچ لاکھ سوار کے منصب سے سرفراز کی گئی ۔ اس کی دیوڑھی میں دربار لگتا اور سلطنت کے تمام اہم کام انجام پاتے ۔ اس کا بھائی مان خان ادنیٰ درجے کا گویّا اور نچیّا تھا لیکن شش ہزاری منصب دار بنا کر معتقد الدولہ بہادر کے خطاب سے سرفراز کیا گیا پھر محل سرا کا ایک خواجہ سرا "جاوید خان" وزارت عظمیٰ پر فائز کیا گیا ۔ (۲۱)

شاہ ولی اللہ کی عمر کے آخری دور میں تخت دہلی پر علی گوہر، شاہ عالم ثانی تخت نشین ہوا جو انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا جس کی حکومت لال قلعہ سے آگے نہ تھی ، جس کے بارے میں لین پول کہتا ہے ۔ "یہ تھا شاہ عالم ، شہنشاہ جہاں لیکن مرہٹوں کا قیدی ۔ " (۲۲) روہیلوں نے جس کو نابینا کردیا تھا لیکن اپنے سکوں پر اس نے یہ عبارت کندہ کروائی ۔

حامئی دین محمد باشد از فضل الہٰ
بادشاہ ہفت کشور شاہ عالم بادشاہ

لیکن لوگ تمسخر سے کہتے تھے :

۳۰۹-الف

بادشاہی شاہ عالم

از دہلی تا پالم

شاہ ولی اللہ کی نظر سیاسی نظام کی اس خرابی پر بھی تھی اور حکمرانوں میں پیدا ہوجانے والی خرابیوں اور ان کے عواقب و نتائج پر بھی تھی ۔ انھوں نے جو اپنے آپ کو نئے دور کا آغاز کرنے والا ، پرانے اور بوسیدہ نظام کو توڑنے والا اور ایک نئے عمرانی نظام سے زمانے کو روشناس کرنے والا لکھا ہے تو یہ کچھ غلط نہیں ۔ ان کے فکر کی جامعیت انہی خطابات کی سزاوار ہے ۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے بادشاہوں اور حکمرانوں کو خطاب کرتے ہوئے ان کی فکر، سیرت اور نفس کی ایک ایک برائی کو کھول کر بتا دیا ہے ، ان کے نتائج کی نشاندہی کردی ہے اور پھر سیاسی زندگی کے لئے ایک لائحہ عمل بھی بتا دیا ہے ۔ بادشاہوں سے خطاب میں شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔

> "اے بادشاہو ! ملاء اعلیٰ کی مرضی اس زمانے میں اس امر پر مستقر ہوچکی ہے کہ تم تلوار کھینچ لو اور اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک مسلم ، مشرک سے بالکل جدا نہ ہوجائے اور اہل کفر و فسق کے سرکش لیڈر (سرکشی چھوڑ کر) کمزوروں کے گروہ میں شامل نہ ہوجائیں اور یہ کہ ان میں اتنی طاقت باقی نہ رہے کہ آئندہ کبھی سر اٹھا سکیں ۔ ان سے جنگ کرتے رہو تا آنکہ فتنہ فرو ہوجائے اور دین صرف اللہ کے لئے مخصوص ہوجائے (القرآن) ۔ پھر جب کفر و اسلام کے درمیان ایسا کھلا امتیاز پیدا ہوجائے تب تمہیں چاہیے کہ ہر تین دن یا چار دن کے سفر کی منزلوں پر اپنا ایک ایک حاکم مقرر کرو ۔ ایسا حاکم جو عدل و انصاف کا مجسمہ ہو ، قوی ہو ، جو ظالم سے مظلوم کاحق وصول کرسکتا

ہو اور خدا کے حدود کو قائم کرسکتا ہو اور اتنا مستعد اور ہوشیار ہو کہ لوگوں میں پھر سے بغاوت اور سرکشی کا مادّہ پیدا نہ ہونے دے ۔ وہ لوگوں کو جنگ پر آمادہ ہونے سے روکے ۔ وہ ایسا ہو کہ جس کی وجہ سے دین میں سے مرتد ہونے کی کسی میں جرات باقی نہ رہے ۔ نہ کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو ہمت ہو ۔ اسلام کا کھلے بندوں اعلان ہو اور اس کے شعائر کا علانیہ اظہار کیا جائے ۔ (حکومت سے وابستہ) ہر شخص اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے ۔ چاہیے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس اتنی قوت رکھے جس کے ذریعے سے اپنی زیرنگیں آبادی کی (حفاظت) اور اصلاح کرسکتا ہو مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کو اس کا موقع اور قوت نہیں ملنی چاہیے جس کے بل پر وہ خود اپنا ذاتی اقتدار قائم کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے اور حکومت کے مقابلے پر آمادہ ہوجائے ۔ چاہیے کہ اپنے ملک اور سلطنت میں شامل مقبوضات کے بڑے بڑے علاقوں پرایسے امیر مقرر کئے جائیں جو جنگی مہمات کا بھی اختیار رکھتے ہوں ۔ ایسے ہر ایک امیر کے ساتھ بارہ ہزار ایسے آدمیوں پر مشتمل جمیعت رکھی جائے جو اپنے دل میں جہاد کا شوق اور ولولہ رکھتی ہو اور خدا کی راہ میں کسی ملامت سے خوف نہ کھائے ۔ ہر شریر اور سرکش سے جنگ اور مقابلہ کی اس میں صلاحیت ہو ۔

اے بادشاہو ! جب تم یہ کرلوگے تو اس کے بعد ملاء اعلیٰ کی رضا مندی یہ چاہے گی کہ تم لوگوں کی منزلی اور عائلی زندگی کی طرف توجہ کرو ۔ ان کے باہمی معاملات کو سلجھاؤ اور ایسا انتظام کردو کہ پھر کوئی معاملہ ایسا نہ ہونے پائے جو

شرعی قوانین کے خلاف ہو ۔ ان تمام کاموں کے بخوبی ہونے سے ہی عوام الناس امن و امان کی مسرتوں سے ہمکنار ہوسکتے ہیں ۔" (۲۳)

سلاطین کی عادتوں اور دلچسپیوں کی نقل امراء کرتے ہیں ۔ اٹھارویں صدی کے امراء بھی اس کلّیے سے مستثنٰی نہ تھے ۔ ان کے گھر عیاشی کے اڈّے تھے ۔ مخرب الاخلاق عادتیں ان کا معمول تھیں اور ان کے ضمیرکی آواز اتنی دھیمی پڑ چکی تھی کہ کبھی بھول کر بھی انہیں یہ خیال نہ آتا تھا کہ ان کی حرکات اخلاق اور مذہب کی توہین ہیں ۔ خود اورنگ زیب عالمگیر جیسے پابند شرع بادشاہ کے امراء کا جو حال تھا اسے ڈاکٹر برنیئر نے اپنے سفر نامے میں اس طرح لکھا ہے ۔

"میں نے عالمگیری دربار کو جیسا پر شوکت پایا اسی قدر اس کے امراء کو مذہب اسلام کی طرف سے ضعیف دیکھا ۔ کوئی امیر ایسا نہیں ہے جس کے ہاں دس دس ، بارہ بارہ نجومی ملازم نہ ہوں ۔ جو کام وہ کرتا ہے جب تک نجومی نہیں بتا دیتا اسے کام کرنے کی جسارت نہیں ہوتی ۔ میرے آقا کے ہاں جس کے پاس میں ملازم ہوں ، ایک درجن جوتشی اور نجومی ملازم ہیں ۔" (۲۴)

محمد شاہ کے امراء میں کوئی امیرایسا نہ تھا جس کے گھر میں شراب کی کشید نہ ہوتی ہو اور صوفیوں کی کوئی مجلس ایسی نہ تھی کہ جہاں خم کے خم شراب کے نہ لنڈھتے ہوں ۔ ان امراء کی قابلیت اور ذہانت اس بات سے عیاں ہے کہ جب محمد شاہ کے دربار میں نادر شاہ کا ایلچی آیا اور اس نے نادر شاہ کا رقعہ دیا تو تین برس تک اس بات میں جھگڑا ہوتا رہا کہ نادر شاہ کو القاب کیا لکھا جائے ۔ ان امراء میں سے نظام الملک آصف جاہ نے اپنی انتہائی کوشش کی کہ بادشاہ عیش و عشرت کی زندگی کو ترک کردے لیکن اس دربار سے وابستہ دیگر امراء اس کی تضحیک کرتے اور کہتے : ذرا دکن کے اس بندر کو تو دیکھو ۔

شاہ صاحب نے امراء و حکام میں پیدا ہوجانے والی ان برائیوں پر بھی اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالی ہے اور انہیں فکر و سیرت کی انہی خوبیوں کو اپنانے کی دعوت دی ہے جو ایک اعلیٰ درجہ کی انتظامیہ میں ہونی چاہیں ۔ شاہ صاحب گورنروں ، حاکموں اور حکومت کے افسران سے خطاب میں فرماتے ہیں :

"اے امیرو ! حاکمو ! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے ۔ فانی دنیا کی لذتوں میں تم اس قدر غرق ہوگئے ہو کہ جن لوگوں کی نگرانی کا کام تمہارے سپرد تھا ، تم نے انہیں کھلا چھوڑ دیا ہے تاکہ ان میں سے بعض (جو طاقتور ہیں) ان کو (جو کمزور ہیں) کھاتے اور نگلتے رہیں ۔ کیا تم علانیہ شرابیں نہیں پیتے ؟ اور پھراپنے فعل (شراب نوشی) کو برا بھی نہیں سمجھتے ۔ تم یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل تعمیر کررکھے ہیں کہ ان کے اندر زناکاری کی جائے ، جوا کھیلا جائے ، شرابیں کشید کی جائیں لیکن تم یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اپنے اختیارات کو استعمال کرکے ان (برے) کاموں کو بند نہیں کرتے ۔ کیا خیال ہے ان بڑے بڑے شہروں کے بارے میں (جن کے تم حاکم یا افسر اعلیٰ ہو) لیکن جہاں کسی کو خلاف اسلام اعمال ، افعال کے کرنے پر چھ سو سال سے شرعی سزا نہیں دی گئی ۔ جب تمہیں کوئی بے کس و کمزور شخص مل جاتا ہے تو اسے تم سزا دے دیتے ہو لیکن طاقت ور کو (مجرم ہونے کے باوجود) چھوڑ دیتے ہو ۔

تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہورہی ہیں کہ لذیذ قسم کے عمدہ سے عمدہ کھانے پکواتے رہو ، نرم گداز جسم والی عورتوں سے لطف اندوز ہوتے رہو ۔ (ان عیاشیوں اور) اچھے ملبوسات اور عمدہ و عظیم الشان مکانات کے سوا تمہاری توجہ

کسی دوسری چیز کی طرف جاتی ہی نہیں ۔ کیا کبھی تم نے اپنے سر خدا کے سامنے بھی جھکائے ہیں ؟ خدا کا نام تو تمہارے پاس صرف اس لئے ہے کہ اپنے قصوں ، کہانیوں اور تذکروں میں اسے استعمال کرو اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے لفظ سے تمہاری مراد زمانے کا انقلاب ہے کیوں کہ تم اکثر بولتے ہو : خدا قادر ہے کہ ایسا کردے یعنی زمانے کے انقلاب کی یہ تعبیر ہے ۔" (۲۵)

اللہ تعالیٰ نے شاہ ولی اللہ کو اپنے خاص فضل سے نوازا تھا ۔ وہ ایک جامع الصفات شخصیت تھے ۔ وہ جزئیات سے کلیّات تک پہنچنے کی اعلیٰ دماغی صلاحیت رکھتے تھے اور کلیّات سے جزئیات کا اخذ کرلینا ان کے حکیمانہ فکر کا خاصہ تھا ۔ حالات کی نبضوں پر ان کی انگلیاں تھیں ۔ سیاست و اقتصاد کے تمام نشیب و فراز ان کی نظروں میں تھے ۔ انہیں علم تھا کہ بادشاہ ، ان کے امراء ، علماء کرام ، صوفیائے عظام جن برائیوں اور اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہوگئے ہیں ان سے عام سپاہی ، نیچے درجے کا ملازم پیشہ طبقہ ، اہل صنعت و حرفت ، تاجر اور عام مسلمان کیوں کر محفوظ رہ سکتے ہیں اور کب تک ؟ اور یہ بات تو صرف ان کے فکر سے ہی تعلق نہ رکھتی تھی بلکہ ان کے مشاہدے میں آچکی تھی ۔ وہ اپنے گرد و پیش کی زندگی میں اپنی آنکھوں سے روز مرہ دیکھتے تھے کہ بحکم الناس علیٰ دین ملوکہم ، معاشرے کے تمام طبقات اور عوام اسی زندگی میں مبتلا ہوتے اور اسی رنگ میں رنگتے چلے جا رہے تھے جو زندگی اور اس کا رنگ بادشاہوں اور امیروں میں پسندیدہ تھا ۔ اس لئے شاہ صاحب کی دعوت اصلاح و انقلاب کی جامعیت سے یہ چیز کیوں کر باہر رہ سکتی تھی کہ وہ معاشرے کے دوسرے طبقوں اور عوام کی اصلاح کی فکر نہ فرماتے ۔ حالاں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ صاحب نے عوام اور معاشرے کے دوسرے طبقوں کو بھی اصلاح حال کی دعوت دی ۔ عسکری زندگی رکھنے والوں اور فوجیوں سے

خطاب میں فرماتے ہیں :

"اے فوجیو اور عسکریو ! تمہیں خدا نے جہاد کے لئے پیدا فرمایا تھا مقصد یہ تھا کہ اللہ کی بات اونچی ہوگی اور خدا کا کلمہ بلند ہوگا اور شرک اور اس کی جڑوں کو تم دنیا سے نکال پھینکو گے ۔ لیکن جس کام کے لئے تم پیدا کئے گئے تھے اسے تم چھوڑ بیٹھے ۔ اب جو تم گھوڑے پالتے ہو ، ہتھیار جمع کرتے ہو اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا ہے کہ محض اپنی دولت میں اس سے اضافہ کرو ۔ اس سلسلہ میں جہاد کی نیت سے تم بالکل خالی الذہن رہتے ہو ۔ تم شراب پیتے ہو ، بھنگ کے پیالے چڑھاتے ہو ، داڑھیاں منڈواتے ہو ، عام لوگوں پر زیادتیاں اور ظلم کرتے ہو حالاں کہ جو کچھ ان کا لے کر کھاتے ہو اس کی قیمت ان تک نہیں پہنچتی ۔ خدا کی قسم ! تم عنقریب اللہ کی طرف واپس چلو گے پھر تمہیں وہ بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے ۔ تمہارے ساتھ خدا کی یہ مرضی ہے کہ اچھے ، پارسا ، صالحین ، نمازیوں کا لباس اور ان کی وضع اختیار کرو ۔ چاہیے کہ اپنی داڑھیاں بڑھاؤ ، مونچھیں کٹواؤ ، پنج وقتہ نماز ادا کیا کرو اور عام لوگوں کے مال سے بچتے رہو ۔ جنگ اور مقابلے کے میدان میں ڈٹے رہو ۔ تمہیں چاہیے کہ سفر اور جنگ وغیرہ کے موقع پر نماز میں جو آسانیاں اور رخصتیں رکھی گئیں ہیں انہیں سیکھ لو مثلاً قصر کرنا ، جمع کرنا ، تیمم کی اجازت سے مطلع ہونا ۔ پھراس کے بعد نماز کو خوب زور سے پکڑ لو اور اپنی نیتوں کو درست کرلو اور اللہ تمہارے جاہ و منصب میں برکت دے گا اور دشمنوں پر تمہیں فتح عطا فرمائے گا ۔" (٢٦)

اہل صنعت و حرفت سے خطاب میں فرماتے ہیں :

"میں صنعت و حرفت اور (مختلف) پیشوں سے وابستہ افراد سے کہتا ہوں کہ دیانت و امانت کا جذبہ تم میں سے رخصت ہوگیا ہے - تم اپنے اللہ کی عبادت سے غافل ہوچکے ہو اور تم نے اللہ کے ساتھ شرک کرنا شروع کردیا ہے - تم نے اپنی طرف سے کچھ معبود گھڑ لئے ہیں (حالاں کہ معبود صرف ایک اللہ ہے اور صرف اسی کی عبادت ہونی چاہیے) تم اپنے فرضی خداؤں (معبودوں) کو قربانیاں پیش کرتے ہو - تم مدار صاحب اور سالار صاحب کی قبروں پر اس اہتمام سے جاتے ہو گویا حج کرنے جارہے ہو - یہ تمہارے بدترین اعمال ہیں - تم میں سے بعض لوگوں نے تعویذ ، گنڈے اور ٹونے ٹوٹکے کا پیشہ اختیار کررکھا ہے - اسی کام سے وہ دولت کماتے ہیں اور اسی کام کو وہ اپنا ہنر سمجھتے ہیں بلکہ ان کے لئے یہی کام گویا ہنر ہے - یہ لوگ خاص قسم کا لباس پہنتے ہیں اور خاص قسم کے کھانے کھاتے ہیں - تم میں سے جو لوگ ذرا خوشحال ہوجاتے ہیں وہ اپنے لباس اور کھانے پر (اپنی خوشحالی سے) اتنا زیادہ خرچ کرنا شروع کردیتے ہیں کہ ان کی آمدنی ان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور وہ اپنے ٹھاٹھ کے لئے اہل و عیال کی حق تلفی کرنے لگتے ہیں - تم میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے شراب بنانے اور پلانے کو بطور پیشہ اپنایا ہوا ہے - تمہی میں سے کچھ لوگوں نے (دولت کے لالچ میں) عورتوں کو کرایہ پر چلانے کا قبیح کاروبار شروع کررکھا ہے - اس قسم کے کام کرنے والے کیسے بدبخت ہیں جو اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کررہے ہیں - جب کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف اور متعدد قسم کے جائز پیشے اور کمانے کھانے کے

ذرائع پیدا کر رکھے ہیں جو تمہارے اور تمہارے متعلقین کی ضرورتوں کے لئے کافی ہوسکتے ہیں بشرطیکہ تم خرچ کے معاملے میں اعتدال کی راہ اختیار کرو اور صرف اتنی آمدنی پر قناعت کرو جس سے فضولیات کو چھوڑ کر آسانی سے گذر بسر ہوسکے ۔ لیکن تم خدا کے ناشکرے ہو اور تم نے رزق کے حصول کے لئے غلط راستہ اختیار کر رکھا ہے ۔ جہنم کے عذاب سے ڈرو ! کہ وہ بڑی اذیت ناک جگہ ہے ۔ اپنی صبح و شام کو خدا کی یاد میں بسر کیا کرو اور دن کے بڑے حصے کو اپنے پیشے میں صرف کرو اور راتیں اپنے گھروں میں اپنی عورتوں کے ساتھ گذارو ۔ اپنے خرچ کو اپنی آمدنی سے ہمیشہ کم رکھا کرو اور پھر جو بچ جایا کرے اس سے مسافروں کی اور مسکینوں کی مدد کیا کرو اور کچھ ناگہانی مصائب اور ضرورتوں کے لئے بھی پس انداز کیا کرو ۔ تم نے اگر اس راہ کو اختیار نہ کیا تو غلط راہ پر جا رہے ہو اور تمہاری تدبیر درست نہیں ہے ۔" (۲۷)

اور سب سے آخر میں مسلمان عوام سے خطاب کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :

"میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوں اور کہتا ہوں : آدم کے بیٹو ! تمہارے اخلاق سوچکے ہیں ، تم پر بیجا حرص و آز کا بھوت سوار ہوچکا ہے ۔ تم پر شیطان نے قابو پالیا ہے ۔ عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئی ہیں اور مرد عورتوں کے حق برباد کررہے ہیں ۔ حرام کو تم نے اپنے لئے خوشگوار بنا لیا ہے اور حلال تمہارے لئے بدمزہ ہوچکا ہے ۔ پھر قسم ہے اللہ کی اللہ نے ہرگز کسی کو اس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے ۔ چاہیے

کہ تم اپنی شہوانی خواہشات کو نکاح کے ذریعے پوری کرو خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑیں اور اپنے مصارف اور وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو ۔ اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو ۔ یاد رکھو ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا اور اپنے اوپر خواہ مخواہ تنگی سے کام نہ لو اگر تم ایسا کروگے تو تمہارے نفوس بالاخر فسق کی حدود تک پہنچ جائیں گے ۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے اس کی آسانیوں سے نفع اٹھائیں ۔ جیسا کہ یہ بھی اس کو پسند ہے کہ جو چاہیں اعلیٰ مدارج پراحکام کی پابندی بھی کرسکتے ہیں ۔ اپنے شکم کی خواہشوں کی تکمیل چاہیے کہ کھانوں سے کرو اور اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تماری ضرورتیں پوری ہوں ۔ دوسروں کے سینے کے بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو کہ اس سے مانگ کر کھایا کرو ۔ تان سے مانگو اور وہ نہ دیں ۔ اسی طرح بیچارے بادشاہوں اور حکام کے اوپر بھی بوجھ نہ بن جاؤ ۔ تمہارے لئے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کما کر کھایا کرو ۔ اگر تم ایسا کروگے تو خدا تمہیں معاش کی بھی راہ سمجھائے گا جو تمہارے لئے کافی ہوگی ۔

اے آدم کے بیٹو ! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہو جس میں وہ آرام کرے ، اتنا پانی جس سے وہ سیراب ہو ، اتنا کھانا جس سے وہ سیر ہو جائے ، اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے ، ایسی بیوی جو اس کی شرم گاہ کی حفاظت کرسکتی ہو اور اس کے رہن سہن کی جد و جہد میں مدد دے سکتی ہو تو یاد رکھو کہ دنیا کامل طور سے اس شخص کو مل چکی ہے ۔ چاہیے کہ اس

پر خدا کا شکر ادا کرے ۔

بہر حال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ آدمی ضرور اختیار کرے اور اسی کے ساتھ قناعت کو اپنا دستور زندگی بنائے اور رہنے سہنے میں اعتدال کا جادہ اختیار کرے اور اللہ کی یاد کے لئے جو فرصت دستیاب ہو اسے غنیمت شمار کرے ۔ کم از کم تین وقتوں ، صبح ، شام اور پچھلی رات کے ذکر کا خاص خیال رکھے ۔ حق تعالیٰ کی یاد ، اس کی تسبیح و تہلیل قرآن کی تلاوت کے ذریعہ سے کیا کرے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے اور ذکر کے حلقوں میں حاضر ہوا کرے ۔

اے آدم کے بیٹو ! تم نے ایسے بگڑے ہوئے رسوم اختیار کر لئے ہیں جس سے دین کی اصلی صورت بگڑ گئی ہے ۔ تم عاشورہ کے دن جھوٹی باتوں پر اکٹھا ہوتے ہو ۔ ایک جماعت نے اس دن کو ماتم کا دن بنا رکھا ہے ۔ کیا تم نہیں جانتے کہ سب دن اللہ کے ہیں اور سارے حوادث اللہ کی مشیئت سے ہوتے ہیں اگر حضرت حسینؓ اس روز شہید کئے گئے تو اور کون سا دن ہے جس میں کسی محبوب خدا کی موت واقع نہ ہوئی ہو ؟ کچھ لوگوں نے اس دن کو کھیل تماشوں کا دن بنا رکھا ہے ۔ پھر تم شب برات میں جاہل قوموں کی طرح کھیل تماشے کرتے ہو اور تم میں سے ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس روز مرنے والوں کو کثرت سے کھانا بھیجنا چاہیے ۔ اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو ۔

اسی طرح اور بھی بری بری رسمیں تم میں جاری ہیں جنہوں نے تم پر تمہاری زندگی تنگ کردی ہے مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف برتنا شروع کردیا ہے ۔ اسی

طرح ایک بری رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہوجائےلیکن طلاق کو گویا تم نے ناجائز ٹھہرا لیا ہے ۔ اسی طرح بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے رہتے ہو ان رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو ، وقت برباد کرتے ہو اور جو صحت بخش روش تھی اسے چھوڑ بیٹھے ہو ۔ پھر تم نے موت اور غمی کو عید بنا رکھا ہے گویا تم پر کسی نے فرض کردیا ہے کہ جب کوئی مرے تو اس کے اقربا خوب کھانے کھلائیں ۔ تم نے اپنی نمازیں برباد کررکھی ہیں ۔ تم میں کچھ لوگ ہیں جو دنیا کمانے میں اور اپنے دھندوں میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نماز کا انہیں وقت ہی نہیں ملتا ۔ کچھ لوگ ہیں جو قصہ کہانی سننے میں وقت گنواتے ہیں ۔ خیر پھر بھی اگر ایسی مجلسیں لوگ ایسے مقامات پر قائم کیا کرتے جو مسجدوں سے قریب ہوں تو شائد ان کی نمازیں ضائع نہ ہوتیں ۔ تم نے زکوٰۃ کو بھی چھوڑ دیا ہے حالاں کہ کوئی ایسا دولت مند نہیں ہے جس کے اقربا ، اعزہ میں حاجت مند لوگ نہیں ہوتے ۔ اگر ان لوگوں کی وہ مدد کیا کریں ، ان کو کھلایا پلایا کریں اور زکوٰۃ کی نیت کرلیا کریں تو یہ بھی ان کے لئے کافی ہوسکتا ہے ۔ تم میں بعض نے روزے چھوڑ رکھے ہیں خصوصاً جو فوجی ملازم ہیں کہتے ہیں کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہیں یعنی جو محنت انہیں برداشت کرنا پڑتی ہے اس کے ساتھ روزے نہیں رکھ سکتے ۔

تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ تم نے راہ غلط کردی ہے اور تم حکومت کے سینے پر بوجھ بن گئے ہو ۔ بادشاہ جب اپنے خزانے میں اتنی گنجائش نہیں پاتا جس سے تمہاری تنخواہ ادا کرے تب رعایا پر زندگی کو دشوار کرتا ہے ۔ سپاہیو ! یہ تمہاری کیسی بری

عادت ہے - کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو روزے رکھتے ہیں لیکن سحری نہیں کرتے اور رمضان میں ان سخت کاموں کو نہیں چھوڑتے جن کی وجہ سے روزے ان پر گراں گذرتے ہیں -

ملاء اعلیٰ کی طرف سے اصلاحی مطالبات کا اس زمانے میں جن امور پر تقاضہ ہورہا ہے اس کا ایک طویل باب ہے - کھڑکی سے آدمی بڑی نیکیوں کو جھانک سکتا ہے اور ڈھیر کے لئے اس کا نمونہ کافی ہے -" (۲۸)

حواشی

١ . " A History of Freedom Movement," Vol - 1 , Pakistan
Historical Society , 1957 , p - 77

٢ ـ خافی خان ، نظام الملک ہاشم علی خان "منتخب اللباب" جلد چہارم ، اردو ترجمہ از محمود احمد فاروقی ، کراچی ، نفیس اکیڈیمی ، اول ١٩٦٣ ع ، ص - ٨١

٣ ـ جنوبی ہند میں پاپرا نامی ایک ہندو ڈاکو تھا جس نے بہت سے قلعوں پر قبضہ کرلیا تھا اور مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا ـ بادشاہ نے اس کے مقابلے پر یہ کہتے ہوئے جانے سے انکار کردیا : "ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ایک سیندھی فروش کے مقابلہ پر جائیں ـ"

"منتخب اللباب" جلد چہارم محولہ بالا ، ص - ١١٢

٤ . FAZLE MEHMUD DR. "Shah Wali Allah" , Lahore, Maktaba
Rashidia, p - 2

٥ ـ "منتخب اللباب" جلد چہارم ، محولہ بالا ، ص - ١١٢

٦ ـ لعل کنور ایک مغنیہ تھی جو مشہور گویّے تان سین کے اخلاف میں سے ایک کلاونت "خصوصیت خان" کی بیٹی تھی ـ

STASISH CHANDRA, DR. "Parties and Politics at the Moughal Court, 1707 - 1740" Aligarh, Muslim University , Department of History, First ed. 1959 , p - 70

٧ . IKRAM, S.M. "Muslim Rule in India and Pakistan" , Lahore,
Star Book Depot, Second ed. 1966, p - 374

۸ ـ طباطبائی ، غلام حسین "سیر المتاخرین" جلد دوم ، مطبع منشی نولکشور ، سن طباعت ندارد ، ص - ۳۸۵

۹ ـ لعل کنور کے ان بھائیوں کو درج ذیل مناصب سے نوازا گیا ـ

خصوص خان۷۰۰۰/۷۰۰۰

نامدار خان ۵۰۰۰/۵۰۰۰

خوشحال خان ۵۰۰۰/۵۰۰۰

نعمت خان ۵۰۰۰/۵۰۰۰

Parties and Politics at the Moughal Court, 1707 - 1740" op.cit. p "

- 72

۱۰ ـ یہ واقعات خافی کے چشم دید ہیں جو اس زمانے میں بذات خود دربار سے منسلک تھا ـ

۱۱ ـ ایضاً

۱۲ ـ ایضاً

۱۳ ـ ایضاً ص - ۱۴۰

IRVINE, WILLIAM, "Later Moughals" Vol - 1, Lahore, . ۱۴

Universal Books, p - 192

۱۵ ـ "منتخب اللباب" جلد چہارم ، محولہ بالا ، ص - ۱۵۵

Later Moughals" vol - 1 , op.cit. p - 396" . ۱۶

۱۷ ـ " سیر المتاخرین" جلد دوم ، محولہ بالا ، ص - ۴۵۸

Fall of the Moughal Empire" vol - 1, op.cit. p - 4" . ۱۸

۱۹ ـ حیرت دہلوی ، مرزا "حیات طیّبہ" لاہور، مکتبہ السلام ، سوم ۱۹۵۸ ع ، ص - ۷۱

٢٠ ـ گیلانی ، مناظر احسن ، مولانا "تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ" کراچی ، نفیس اکیڈیمی ، پنجم ، ١٩٦٨ ع ، ص - ١٥٩

٢١ ـ سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن "ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر" اعظم گڈھ ، معارف پریس ، ١٩٦۴ ع ، ص - ٨۴

٢٢. LANE-POOLE, STANLEY "Aurangzib" Delhi, S. Chand and Co., p - 206

٢٣ ـ ولی اللہ محدّث دہلوی ، شاہ "التفہیمات الالٰہیة" جلد اول ، حیدراباد ، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، ص - ٢٨۴

٢۴. BERNIER, FRANCOIS "Travels in the Mogul Empire" London, Oxford University Press, 1916, p - 161

٢۵ ـ "التفہیمات الالٰہیة" جلد اول ، محولہ بالا ، ص - ٢٨۵

٢٦ ـ ایضاً

٢٧ ـ ایضاً ، ص - ٢٨٦ - ٨٧

٢٨ ـ ایضاً ، ص - ٢٨٧ - ٢٨٨

سیاسی حالات

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اٹھارویں صدی کے آغاز (۱۷۰۳ ع) میں پیدا ہوئے ۔ یہ اورنگ زیب عالمگیر (ف ۱۷۰۷ ع) کا آخری عہد حکومت تھا اور اسلامی حکومت میں بہت بڑے پیمانے پر انتشار کا آغاز ہوچکا تھا ، اور آگے بڑھ کر ابھی اس صدی کا دو تہائی بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ مسلم معاشرے کی ابتری اپنی آخری حد کو پہنچ گئی ۔ ابتری کا یہ عہد صرف ہندوستان تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ترکی کی دولت عثمانیہ اور ایران کی دولت صفویہ تک اس کی لپیٹ میں آچکی تھیں ۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہی تھی اور اس کے برعکس صلیبی قوتیں ترقی و عروج کی منازل طے کر رہی تھیں اور یورپی طاقتیں نو آبادیوں کی تلاش میں دنیا کے اطراف و جوانب میں پھیل چکی تھیں ۔

اٹھارویں صدی کا آغاز ہوا تو قندھار سے آسام تک ، نیپال اور تبت سے مالابار تک پورے ملک کا سیاسی مرکز ایک تھا مگر ابھی پہلی دھائی ختم نہیں ہوئی تھی کہ مارچ ۱۷۰۷ ع میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد وہ قیامت برپا ہوئی کہ ملک کے شیرازے کا ایک ایک ورق جدا ہوگیا اور یورپ کی وہی سفید فام طاقتیں جن پر عالمگیر کے دادا، پردادا نے مہربانیوں اور شاہانہ عنایت کی بارش کی تھی ، جنہیں عالمگیر کے باپ نے شکنجہ تادیب میں کسا تھا اور جنہیں عالمگیر نے پہلے ملک بدر کیا پھر معاف کرکے تجارت کرنے کی اجازت دے دی تھی ، ابھی سو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ عالگمیر کی راجدھانی پر

ان کا تسلط قائم ہوگیا اور عالمگیر کے پوتے شاہ عالم کو ان کا وظیفہ خوار بننا پڑا -

مناسب ہوگا کہ اس صدی کے قیامت خیز ہنگاموں پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے -

الف - مرکزی حکومت کے ارکان میں ایرانی ' تورانی یا شیعہ سنّی اختلاف و کشمکش کا مرض جو عالمگیر کی زندگی تک دبا رہا تھا ' وفات کے بعد پوری شدت سے ابھرا اور وہ خانہ جنگی شروع ہوئی کہ جس سے سیاسی ابتری اس عالم کو پہنچ گئی کہ ۱۷۰۷ ع سے ۱۷٦۲ ع تک صرف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی زندگی میں تخت دہلی پر گیارہ تاجدار بٹھائے اور اتارے گئے - ان میں سے صرف چند اپنی موت مرے باقی کے سر قلم کئے گئے یا تخت سے اتار کر آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی -

ب - صوبوں کے گورنر خود مختار ہوگئے اور مغل شاہنشاہ ایک دعا گو مرشد بن کر رہ گیا -

ج - جنوبی ہند میں مرہٹوں کی طاقت ایک مستقل طاقت بن گئی -

د - دہلی کے شمال مشرق میں روہیلوں کی حکومت قائم ہوگئی اور اس کے مقابل اودھ کی وزارت نے شاہنشاہیت اختیار کرلی -

ہ - دہلی کے جنوب میں جاٹوں کی طاقت ابھری -

و - شمال مغرب میں خالصہ جو ایک مذہبی فرقہ تھا ' اب ایک مستقل سیاسی طاقت بن گیا -

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مندرجہ ذیل بادشاہوں کا زمانہ دیکھا -

۱ - اورنگ زیب عالمگیر ' محی الدین احمد ۱۷۰۷ - ۱٦۵۸ ع (۱۱۱۹ - ۱۰٦۸ ھ)

۲ ـ شاه عالم ، بهادر شاه اول ، قطب الدین محمد بن اورنگ زیب عالمگیر ۱۷۱۲ - ۱۷۰۷ ع (۱۱۲۴ - ۱۱۱۹ ﻫ)

۳ ـ جهاندار شاه ، معز الدین بن بهادر شاه اول ۱۷۱۳ - ۱۷۱۲ ع (۱۱۲۴ - ۱۱۲۴ ﻫ)

۴ ـ فرخ سیر ، معین الدین احمد بن عظیم الشان بن بهادر شاه اول ۱۷۱۹ - ۱۷۱۳ ع (۱۱۳۱ - ۱۱۲۴ ﻫ)

۵ ـ رفیع الدرجات ، شمس الدین محمد ، ابوالبرکات بن رفیع الشان بن بهادر شاه اول ۱۷۱۹ ع (۱۱۳۱ ﻫ)

۶ ـ رفیع الدوله ، شاه جهان ثانی بن رفیع الشان بن بهادر شاه اول ۱۷۱۹ ع (۱۱۳۱ ﻫ)

۷ ـ محمد شاه ، روشن اختر ، ناصر الدین بن جهان شاه بن بهادر شاه اول (۱۷۴۸ - ۱۷۱۹ ع (۱۱۶۱ - ۱۱۳۱ ﻫ)

۸ ـ ابو الفتح ظهیر الدین ، محمد ابراهیم شاه بن رفیع الشان بن بهادر شاه اول ۱۷۲۰ ع (۱۱۳۲ ﻫ)

۹ ـ احمد شاه بهادر ، مجاهد الدین بن محمد شاه ۱۷۵۴ - ۱۷۴۸ ع (۱۱۶۷ - ۱۱۶۱ ﻫ)

۱۰ ـ عالمگیر ثانی ، عزالدین محمد بن جهان دار شاه ۱۷۵۹ - ۱۷۵۴ ع (۱۱۷۳ - ۱۱۶۷ ﻫ)

۱۱ ـ شاه جهان ثالث محی الملة بن محی السنة بن کام بخش بن اورنگ زیب عالمگیر ۱۷۵۹ ع (۱۱۷۳ ﻫ)

۱۲ ـ شاه عالم ثانی ، علی گوہر جلال الدین محمد بن عالمگیر ثانی بن جهاندار شاه ۱۸۰۶ - ۱۷۵۹ ع (۱۲۲۱ - ۱۱۷۳ ﻫ) (۱)

اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۷۰۷ ع میں داعی اجل کو لبیک کہا ۔ وہ تقریباً نصف صدی تک ہندوستان کے سیاسی حالات کو درست کرنے کی کوشش میں مصروف رہا تھا اور بڑی حد تک اس میں کامیابی بھی حاصل کرلی تھی ۔ آخری وقت میں اس نے اپنے بیٹوں کو صلح اور خوشدلی کے ساتھ سلطنت تین حصوں میں تقسیم کرلینے کی وصیت کی ۔ یہ وصیت حالات کے گہرے مطالعے اور اپنے بیٹوں کی صلاحیتوں کے صحیح جائزے پر مبنی تھی ۔ عالمگیر کی دور بین نگاہوں نے ان طاقتوں کو ابھرتے ہوئے دیکھ لیا تھا جن کا استیصال ایک مرکز سے قطعاً ناممکن تھا ۔ لیکن اس کے تنگ نظر اور خود غرض جانشینوں نے اس وصیت کی طرف توجہ نہ کی ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاقت جو تین مرکزوں میں تقسیم ہوکر مخالف قوتوں کو دبانے میں صرف کی جاسکتی تھی ، آپس میں لڑ کر ختم ہوگئی ۔

اب ہم اٹھارویں صدی کی اہم سیاسی تحریکات کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں ۔

سکھ

نومبر ۱۴۶۹ ع میں تحصیل شرق پور میں دریائے راوی کے کنارے تلونڈی نامی قصبے میں مہتا کالو چند کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام نانک رکھا گیا ۔ (۲) نانک نے مسلمان صوفیوں اور بزرگوں کی صحبت سے کافی فیض حاصل کیا ۔ وہ بڑا وسیع المشرب انسان تھا اور وحدانیت ، اخلاقی زندگی اور سماجی مساوات پر یقین رکھتا تھا ۔ گورو نانک نے یہ محسوس کیا کہ جب تک ہندومت اور اسلام کا علیحدہ علیحدہ تشخص قائم رہے گا اس وقت تک مذہبی تعصب ختم نہیں ہوگا ۔ لہٰذا اس نے ان دونوں مذہبوں کا درمیانی راستہ اپنانے کی تحریک شروع کی ۔

ابتدا میں یہ ایک پرامن مذہبی تحریک تھی لیکن گورو نانک کے انتقال کے بعد امن و آشتی اور صلح کلی کی یہ تحریک وقت کے سیاسی حالات سے متاثر ہوئی ۔ گورو نانک کے ایک پیرو گورو ارجن نے جہانگیر کے مقابلے میں شہزادہ خسرو کا ساتھ دیا تو جہانگیر نے اس کو سزا دی (۳) اگرچہ اس سزا کا تعلق مذہبی تعصب اور تنگ نظری سے ہرگز نہ تھا لیکن اس کے جانشین اور پیروکاروں کا پیمانہ فکر اس سے بلند نہ ہوسکا اور وسعت نظر اس سے زیادہ نہ پھیل سکی ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے خلاف سکھوں کے دلوں میں مخاصمت اور تعصب نے جگہ پکڑ لی جو ایک تاریخی چیز بن گئی ۔

گورو ارجن کے بعد اس کا بیٹا گورو ہرگوبند اس کا جانشین بنا ۔ ہرگوبند شروع ہی سے مغلوں کے خلاف تھا ۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو ہمیشہ مسلح اور مستعد رہنے اور مغلوں کے خلاف لڑنے کی تلقین کی ۔ اس نے سچا بادشاہ کا لقب اختیار کیا اور شاہی عصا ، تلوار اور چھتری اپنے پاس رکھی اور سپاہیوں کا سا لباس زیب تن کیا ۔ اس کے پاس دو تلواریں تھیں ۔ ان میں سے ایک اس کے مذہبی پیشوا ہونے کا ثبوت اور دوسری اس کی بادشاہت کی نشانی تھی ۔ اپنے پیروکاروں سے اس نے مالی امداد کے بجائے گھوڑے اور ہتھیار لینا شروع کردیے ۔ اس نے لوہ گڑھ کے قلعہ کو مضبوط کیا ، اکال تخت بنوایا اور بہت سے مسلح رضاکار بھرتی کئے ۔ جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے ۔

"وہ اسے گورو پکارتے ہیں اور تمام اطراف سے بیوقوف اور نادان لوگ اس کے گرد جمع ہوجاتے ہیں اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں اور ارشادات پر عمل کرتے ہیں اور ان پر پورا یقین رکھتے ہیں ۔ تین یا چار روحانی جانشینوں کی پشتیں گذرنے کے باوجود ان کی تحریک پرجوش اور روز افزوں ترقی پر ہے ۔ کئی بار مجھے

یہ خیال آیا کہ میں اس بیکار قسم کے معاملہ کو ختم کردوں یا ان کو مشرف بہ اسلام کردوں ۔" (۴)

اورنگ زیب کے زمانے میں تیغ بہادر سکھوں کا گورو تھا ۔ اس نے اورنگ زیب کے مقابلے میں دارا شکوہ کا ساتھ دیا پھر اس نے کشمیر کے ہندوؤں میں بغاوت پھیلانا شروع کی تو اورنگ زیب نے اسے قتل کرادیا ۔ ۱٦٧٦ ع میں ایک مرتبہ اورنگ زیب عالمگیر جامع مسجد سے باہر نکل رہا تھا تو ایک سکھ نے بادشاہ پر اینٹیں پھینکیں ۔ (۵) یہ بھی اسی تعصب اور تنگ نظری کا نتیجہ تھا ۔

تیغ بہادر کے قتل کئے جانے کے بعد اس کے بیٹے گورو گوبند نے اپنے فرقے کے پراگندہ اور منتشر افراد کو آہستہ آہستہ اکٹھا کرنا شروع کیا اور ہتھیار ، گھوڑے اور دوسرا جنگی ساز و سامان فراہم کیا اور انہیں اپنے رفقاء پر تقسیم کیا ۔ یوں رفتہ رفتہ اس نے اپنے پاؤں نکالنا شروع کئے ۔ اس نے سکھوں کو منظم کیا اور ان کا خاص لباس مقرر کیا ۔ ۰۴ - ۱۷۰۳ ع میں انند پور کی دوسری جنگ میں گورو کے دو بیٹے گرفتار ہوئے جنہیں سہرند لا کر قتل کردیا گیا ۔ ۱۷۰٦ ع میں چمکادز کے مقام پر دوسری جنگ لڑی گئی جس میں گورو کے دو اور بیٹے مارے گئے ۔ ۱۷۰٦ ع میں مکتیشر کے مقام پر ایک اور جنگ ہوئی جس میں سکھوں کو شکست ہوئی اور ان کی طاقت کا شیرازہ بکھر گیا ۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد بہادر شاہ اول تخت نشین ہوا ۔ نئے بادشاہ سے گوبند کے تعلقات خوشگوار تھے ۔ اس نے بادشاہ کے ساتھ دکن جانے پر رضامندی ظاہر کی لیکن ۱۷۰۸ ع میں کسی پٹھان نے اسے چھرا گھونپ کر ہلاک کردیا ۔ اس کی ہلاکت پر سکھ تحریک کی مذہبی رہنمائی کا دور ختم ہوگیا ۔ ابھی تک اس تحریک کا رہنما سکھوں کا مذہبی پیشوا بھی ہوتا تھا ۔ گورو گوبند کے بعد اس کا جانشین صرف ایک سیاسی شخصیت تھا ۔

۱۷۰۸ ع میں گورو گوبند سنگھ کی لچھمن داس سے ملاقات ہوئی تھی جو ڈوگرا راجپوت تھا ، جسے اس نے اپنا بندہ یا غلام بنا لیا تھا ۔ گورو کے مرنے پر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ از روئے تناسخ گوبند مقتول کا اوتار بن کر آیا ہے ۔ وہ اپنے آپ کو سچا بادشاہ کہتا تھا ۔ جب بندہ پنجاب پہنچا تو تمام اطراف کے سکھ اس کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے ۔ ان کے علاوہ اور بہت سے دوسرے لوگ بھی مال غنیمت کے لالچ میں اس کے ہمراہ ہوگئے ۔ اس نے پنجاب اور سہرند کے نواح میں تاخت و تاراج شروع کردی اور دو تین ماہ کے عرصہ میں اس نے سات آٹھ ہزار پیادے جمع کرلئے اور روز بروز اس کا جتھا بڑھتا رہا یہاں تک کہ ان کی تعداد تیس چالیس ہزار ہوگئی ۔

۱۷۱۰ ع میں اس نے سہرند فتح کیا ۔ وحشی سکھوں نے جی بھر کر لوٹ مار کی ، لوگوں کو قتل کیا ، ان کے اہل و عیال کو اسیر بنا لیا ۔ تین چار روز تک وہ مظالم توڑے کہ پناہ بخدا ۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کئے اور بچوں کو کھینچ کر زمین پر پٹخ دیا ، عمارتوں کو آگ لگا دی ، امیر فقیر سب کو ایک ہی جیسا کردیا ۔ جہاں بھی مسجد مقبرہ اور بزرگوں کے مزار نظر آئے ان سب کو گرا دیا بلکہ مردوں کی ہڈیاں تک نکال پھینکیں ۔ تمام علاقوں میں انہوں نے باج وصول کرنے کے لئے اپنے کارندے مقرر کئے ۔ سہرند کی تسخیر کے بعد وہاں گورو کے نام کے سکے جاری کئے گئے اور زمیں داری نظام کو منسوخ کردیا گیا ۔

سہرند کے بعد سکھوں نے سہارنپور کو بری طرح لوٹ لیا ۔ بہت سی عورتوں نے اپنی آبرو بچانے کے لئے کنوؤں میں چھلانگ لگا دی ۔ سہارنپور سے بھی کافی مقدار میں سونا چاندی ، زیور اور قیمتی کپڑے لوٹ میں ملے ۔ انہوں نے سہارنپور کا بندوبست سنبھال لیا ۔ اس کے بعد سکھوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ انہوں نے بندہ بہادر سے ساز باز کرکے بھیٹ اور جلال آباد میں بھی

بغاوت کردی ۔ اس کے علاوہ دوابہ کے سکھوں نے بھی سرکشی کی ۔ جالندھر کے فوجدار نے اس کے استیصال کا عزم کیا لیکن وہ ان کی سرکشی کا مقابلہ نہ کرسکا ۔ سکھوں نے امرتسر ، قصور، بٹالہ ، کلانور اور پٹھان کوٹ پر بھی قبضہ کرلیا ۔

سکھوں کے ان باغیانہ اقدامات سے مجبور ہوکر بہادر شاہ نے ان کے خلاف کوئی منظم اور ٹھوس قدم اٹھانے کا عزم کیا ۔ تمام مسلمان فوجداروں اور ناظموں کو حکم دیا کہ وہ متحد ہوکر ان کا مقابلہ کریں ۔ ساٹھ ہزار سے زائد فوج امین خان کی سرکردگی میں بندہ کی سرکوبی کے لئے بھیجی گئی ۔ بندہ بہادر مقابلے کی تاب نہ لاکر لوہ گڑھ کے قلعہ میں محصور ہوگیا ۔ معمولی سی لڑائی کے بعد سکھ یہ قلعہ مغل فوج کے حوالے کرنے پر مجبور ہوگئے اور بندہ بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہوگیا ۔

فرخ سیر نے عبدالصمد کو بندہ کے تعاقب میں بھیجا تاکہ اس کی قوت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کیا جاسکے ۔ ۱۷۱٦ ع میں گرھوال ناھن کی جنگ لڑی گئی ۔ سکھوں نے شروع میں تو مقابلہ کیا لیکن جلد ہی ان کا جوش ختم ہوگیا اور انہوں نے مجبور ہوکر ہتھیار ڈال دئے ۔ بندہ کو گرفتار کرکے دہلی بھیج دیا گیا جہاں اسے اور اس کے ساتھیوں کو بازاروں میں گھمایا گیا اور جون ۱۷۱٦ ع میں ان سب کو قتل کردیا گیا ۔

بندہ بادشاہی فوج کا کھلے میدان میں مقابلہ نہیں کرتا تھا بلکہ زیادہ تر چھپ کر حملے کرتا تھا ۔ جہاں موقع مل جاتا قتل و قتال ، لوٹ مار اور مسجدوں کی بربادی و مسلمانوں کے مقابر اکھاڑنے میں کوئی کمی نہیں کرتا تھا (٦) ۔ شاہ قمیص قادری کا مزار خود ان کی اولاد سے کھدوایا ۔ (۷)

نادرشاہ کے حملے (۱۷۳۹ ع) سے مغل حکومت کا بھرم بالکل ختم ہوگیا ۔

رفتہ رفتہ سکھوں کی ہمت بہت بڑھ گئی اور طاقت میں بھی اضافہ ہوگیا یہاں تک کہ انہوں نے ۱۷۶۴ ع میں لاہور پر قبضہ کرلیا اور جہلم سے جمنا تک اپنا تسلط قائم کرلیا ۔ ۱۷۶۵ ع سے ۱۸۰۰ ع کے درمیان ان کا اقتدار اور بڑھا ۔ اٹک سے کرنال تک اور ملتان سے جموں تک کا علاقہ ان کے قبضے میں آگیا اور انہوں نے دوابہ اور روہیل کھنڈ پر بھی حملے کرنا شروع کردئے ۔ انیسویں صدی کے شروع میں رنجیت سنگھ نے پنجاب میں اپنا اقتدار قائم کیا اور سکھوں کی طاقت اپنے پورے عروج پر پہنچ گئی ۔

سکھوں کی مسلم دشمنی

وہ اہل اسلام کے گاؤں اور آبادیوں پر جہاں کہیں قابو پاتے تھے ، چڑھ دوڑتے تھے اور باشندوں میں جس کسی کو پاتے باقی نہیں چھوڑتے خواہ وہ چھوٹے کمسن بچے ہی کیوں نہ ہوں ۔ ایک ہندو مصنف نے جو پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھا ، اس طرح ان کے مظالم کی گواہی دی ہے ۔

> "مسلمانوں سے سکھوں کو بڑی دشمنی تھی ۔ اذان باآواز بلند نہیں ہونے دیتے تھے ۔ مسجدوں کو اپنے قبضے میں کرکے اس میں گرنتھ پڑھنا شروع کردیتے تھے اور اس کا نام مست گڑھ رکھتے تھے ۔ شکار (کے شوقین) اور شراب خور ہوتے تھے ۔ گھوڑے پر چڑھے ہوئے روٹی کھاتے جاتے تھے ۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ جہاں پہنچتے وہاں جو برتن مٹی کا استعمال شدہ کسی مذہب والے خصوصاً مسلمانوں کا پڑا ہوا ان کے ہاتھ آجاتا تھا ، پانچ جوتے مار کر اس میں کھانا پکا لیتے تھے ۔" (۸)

پنجاب میں ہولے کرکے کھائے جاتے ہیں وہاں ہولے سوکھے بوٹوں کو گھاس پھوس کی آگ میں مع شاخوں کے خستہ کرنے کو کہتے ہیں مگر سکھ انہیں ہولے

نہیں کہتے بلکہ وہ ایک بڑے فولادی پنجرے میں چیل کوے ، کبوتر، تیتر ، مینائیں ، طوطے غرض مختلف قسم کے جانور بند کرکے پنجرے کو کسی درخت پر لٹکا دیتے ہیں اور پھر نیچے آگ دے دیتے ہیں ۔ وہ زندہ پرندے پھڑ پھڑا کر بھن کر کوئلہ ہوجاتے ہیں پھر انہیں صاف کرکے یہ ظالم کھاتے ہیں ۔ اسی طرح بے گناہ مسلمانوں کے ہولے کئے جاتے تھے اور انہیں تڑپا تڑپا کر مارا جاتا تھا ۔ (۹)

شاہ عبدالعزیز کے تاثرات

شاہ عبدالعزیز سکھوں کے مظالم کے بارے میں اپنے چچا شاہ اہل اللہ کو لکھتے ہیں ۔ شاہ صاحب کے تاثرات عربی اشعار کی صورت میں ہیں ۔ انکا ترجمہ درج ذیل ہے ۔

"اللہ سکھ اور مرہٹہ قوم کو ہماری طرف سے بدلہ چکھائے ، بہت برا بدلہ اور جلد چکھائے ۔ ان دونوں نے بہت سی اللہ کی مخلوق کو قتل کیا اور بیچارے گڈریوں ، جاہلوں کو بھی انہوں نے دکھ پہنچایا ۔ ہماری بستیوں اور آبادیوں پر ہر سال لوٹ مار مچاتے ہیں اور ہمارے علاقوں میں یہ دن دھاڑے اور شام کو پہنچتے ہیں ۔ پھر کیا پناہ لینے والوں کے لئے یہاں کوئی جائے پناہ بھی ہے اور ہے کوئی ایسا فریاد رس جو اللہ سے ڈرتا ہو اور انصاف کرسکتا ہو ؟"

"سردیوں کا موسم آگیا ہے اور دل پریشان ہے سکھ قوم سے اور دل کا یہ اندیشہ معقول ہے ۔ خدا اس ملک سے ان کو ناپید فرمائے ۔ یہ بدترین دشمن ہیں اور خود یہ غول بیابانی ہیں ۔ میں اپنے اور لوگوں کے معاملہ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور اللہ سے امید ہے کہ وہ حفاظت فرمائے گا ۔"

"پھر (معلوم ہو) کہ ملک تباہ و برباد ہے ظالموں اور

بدمعاشوں کے ہاتھ سے ۔ آپ پر غالباً مخفی نہ ہوگا جو کچھ کیا سکھ قوم نے توشام علاقے میں ۔ ہر بستی کو انہوں نے پست کردیا اور گذر گئے ۔ قلعے اور گڑھیاں فتح کرتے پھرتے ہیں ۔ ایک گروہ کی جان انہوں نے ضائع کی اور ایک طبقہ کے اجسام کو انہوں نے قتل کیا ۔ مال اندوزی کے بھوکے ہیں اور ہمارے کتنے یتیموں کو انہوں نے قید و بند کیا ۔ اسی کو پلا دیتے ہیں موت کا پیالہ جو انسانوں کے گروہ میں سے ان کی راہ میں آڑے آئے ۔ (آج) ہر دودھ پلانے والی اس بچہ کو بھول چکی ہے جسے وہ دودھ پلاتی تھی اور ان کو بھی جو دودھ چھوڑ چکے ہیں ۔" (۱۰)

مرہٹے

یہ سیاسی تحریک جنوبی ہند سے اٹھی اس تحریک کی طاقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر جیسے بیدار مغز بادشاہ نے اپنی زندگی کے آخری چھبیس برس اس تحریک کو کچلنے میں صرف کئے لیکن مکمل کامیابی نہ ہوئی ۔ اورنگ زیب کے امراء کی سستی و کاہلی بلکہ خود اورنگ زیب کے بیٹوں کی بزدلی کی وجہ سے اس تحریک کا خاتمہ ممکن نہ ہوسکا ۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کے نالائق جانشینوں نے تخت نشینی کی جنگیں لڑ کر اور ایک دوسرے کا خ بہا کر اپنی قوت کو ختم اور دھاک کو مٹی میں ملا دیا ۔ وہ اس قابل نہ رہے کہ مرہٹوں کا استیصال کرسکیں ۔ مرکز کی کمزوری کی بنا پر مرہٹوں کی طاقت میں اضافہ ہوتا چلا گیا ۔ مرہٹوں کی پیش قدمی شمال کی سمت ہوتی تو ان کو کچھ دے دلا کر واپس کر دیا جاتا تاکہ وقتی طور پر ان سے نجات مل سکے ۔ سادات بارہہ اور فرخ سیر کی آپس

کی کشمکش میں سادات بارہہ نے فروری ۱۷۱۹ ع میں بادشاہ پر دباؤ ڈالنے کے لئے دہلی پر مرہٹوں کا حملہ کرادیا ۔ اس واقعہ سے سلطنت مغلیہ کا وقار اور آبرو بالکل خاک میں مل گئی ۔

محمد شاہ اپنی رنگ رلیوں کی بنا پر اس قابل نہ تھا کہ میدان رزم میں مرہٹوں کا مقابلہ کرتا ۔ مرہٹوں کے حملے کی خبر سن کر جے سنگھ کو لاکھوں روپے دے کر مرہٹوں سے صلح کرنے کے لئے بھیج دیتا تھا ۔ (۱۱) اس رشوت سے مرہٹوں کو مرکز کی کمزوری کا بخوبی اندازہ ہوگیا اور ان کی دست درازیاں بڑھنے لگیں ۔ ۱۷۳۷ ع میں مرہٹوں نے دہلی پر حملہ کیا تو بادشاہ نے دریا میں کشتیاں ڈلوادیں تاکہ فرار ہونے میں سہولت ہو ۔ (۱۲) ۱۷۵۷ ع میں مرہٹوں نے جاٹوں کی مدد سے دہلی پر قبضہ کیا ۔ ۹ ذی الحج ۱۱۷۳ ھ (۱۷۶۰ ع) کو مرہٹوں نے بھاؤ کی سرکردگی میں لال قلعہ پر قبضہ کرلیا اور سلطنت کے تمام کارخانے ان کے تصرف میں آگئے اور انہوں نے ایک بڑے ہجوم کے ساتھ باطمینان تمام دلی کو لوٹا اور بہت سی دولت جمع کی اور مینا بازار اور آبادیوں کی دوکانوں کو لوٹا اور آگ لگا کر خاک کردیا ۔ ں سے پلٹنے کے بعد مسلمانوں کی مشہور بستیوں قصبہ ریواڑھی اور پاٹوڈھی پہنچے اور دونوں قصبوں کو خوب جی بھر کر لوٹا اور ان آبادیوں کی بیخ و بنیاد اکھاڑ دی ۔ (۱۳)

مرہٹوں نے مسلمانوں پر خاص کر مظالم ڈھائے ۔ بنگال کے مشہور اہل قلم گنگا رام کے بقول "مرہٹوں نے دیہاتیوں کو لوٹنا شروع کردیا ۔ کچھ لوگوں کے انہوں نے ہاتھ ، ناک اور کان کاٹ لئے ۔ خوبصورت عورتوں کو وہ رسیوں میں باندھ کر لئے گئے جب ایک شخص ایک دفعہ زنا کرچکتا تھا تو دوسرا کرتا تھا ۔ عورتیں چیخیں مارتی تھیں ۔ انہوں نے گھروں کو آگ لگا دی اور ہر طرف لوٹ مار کرتے ہوئے گھومے ۔" (۱۴)

وینشور ودیا لنکر نے لکھا ہے کہ ساہو راجہ کی فوجیں حاملہ عورتوں ، بچوں ، برہمنوں اور غریبوں کو بڑی بیدردی کے ساتھ قتل کرتی تھیں اور جدھر سے گذر جاتے تھے ایک قیامت برپا ہوجاتی ۔ (۱۵)

مرہٹوں کے حالات شاہ صاحب کے قلم سے ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی نظر وقت کے اس فتنے پر بڑی گہری تھی وہ اگرچہ ایک فلسفی ، عالم اور مدرس تھے لیکن اس کے استیصال کی تدبیر سے غافل نہ تھے ۔ وہ اپنے وقت کے ملکی مسلمان بادشاہوں اور امراء کے حالات سے بھی بخوبی باخبر تھے جو چند بیدار مغز امراء تھے ان کی بے دست و پائی ڈھکی چھپی نہ تھی اس لئے ان سے کوئی توقع قائم کرنے کے بجائے بیرون ملک کی ایک مسلمان قوت "احمد شاہ ابدالی" کی طرف ان کی نظر گئی اور اسے انہوں نے اس فتنے کے استیصال کے لئے مرہٹوں اور ان کی دہشت انگیزیوں کے مفصل حالات لکھ بھیجے ۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں :

" غیر مسلموں کی ایک قوم مرہٹہ نامی ہے کہ ان کا ایک سردار ہے ۔ اس قوم نے اطراف دکن میں کچھ عرصہ سے سر اٹھایا ہے اور تمام ملک ہند پر اثر انداز ہے ۔ شاہان مغلیہ میں سے بعد کے بادشاہوں نے عدم دور اندیشی ، غفلت اور اختلاف فکر کی بنا پر ملک گجرات مرہٹوں کو دے دیا پھر اسی ناسمجھی اور غفلت کی وجہ سے ملک مالوہ بھی ان کے سپرد کردیا اور ان کو وہاں کا صوبہ دار بنا دیا ۔ رفتہ رفتہ قوم مرہٹہ قوی تر ہوتی گئی اور اکثر بلاد اسلام ان کے قبضہ میں آگئے ۔ مرہٹوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں سے باج لینا شروع کردیا اور اس کا نام چوتھ (آمدنی کا چوتھا حصہ) رکھا ۔ دہلی اور نواح دہلی میں مرہٹوں کا تسلط اس

وجہ سے نہ ہوسکا کہ دہلی کے رؤسا بادشاہان قدیم کی اور یہاں کے وزراء اور امراء ، امرائے قدیم کی اولاد ہیں ۔ ناچار مرہٹوں نے ان لوگوں سے ایک گونہ مروت کا معاملہ کرتے ہوئے عہد و پیمان کرلیا اور رواداری کا سلسلہ جاری کرکے طرح طرح کی چاپلوسی سے دہلی والوں کو اپنی طرف سے امن و امان دے کر چھوڑ دیا ۔ دکن پر بھی مرہٹوں کا قبضہ اس وجہ سے نہ ہوسکا کہ نظام الملک مرحوم کی اولاد نے بڑی بڑی تدبیریں کیں ۔ کبھی مرہٹوں کے درمیان پھوٹ ڈلوا دی ، کبھی انگریزوں کو اپنا رفیق بنا لیا اور برہان پور ، اورنگ آباد ، بیجاپور جیسے بڑے بڑے شہروں پر اولاد نظام الملک قابض رہی البتہ اطراف و نواح کو مرہٹوں کے لئے چھوڑ دیا ۔ مختصر یہ کہ دہلی اور دکن کے سوا سارے ملک پر مرہٹوں کا تسلط ہے ۔ قوم مرہٹہ کو شکست دینا آسان کام ہے بشرطیکہ غازیان اسلام کمر ہمت باندھ لیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ قوم مرہٹہ خود قلیل ہیں لیکن ایک کثیر گروہ ان کے ساتھ ہے ۔ اس گروہ کی ایک صف کو بھی اگر درہم برہم کردیا جائے تو یہ قوم منتشر ہوجائے گی اور یہ قوم ضعیف ہوجائے گی ۔ چوں کہ یہ قوم قوی نہیں ہے اس لئے اس کا طریقہ اتنی کثیر تعداد میں فوج جمع کرنا ہے جو چیونٹیوں اور ٹڈیوں سے بھی زیادہ ہو ، دلاوری اور سامان حرب کی بہتات اس کے یہاں نہیں ہے ۔

الغرض قوم‌مرہٹہ کا فتنہ ہندوستان کے اندر بہت بڑا فتنہ ہے ۔ حق تعالیٰ بھلا کرے اس شخص کا جو اس فتنہ کو دبائے ۔" (١٦)

ان حالات میں شاہ ولی اللہ ، نجیب الدولہ اور دیگر راجواڑوں نے احمد

شاہ ابدالی کی خدمت میں عریضے لکھے اور اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ وہ خود ہندوستان پہنچیں ۔ مرہٹوں کے مظالم کی نسبت احمد شاہ ابدالی سے پہنچنے والے نقصانات کو ہلکا تصور کیا گیا ۔ مرہٹوں نے جب شجاع الدولہ کو ابدالی کی رفاقت سے روکنے کے لئے اپنے سفراء بھیجے تو اس کے جواب میں شجاع الدولہ نے یہ کہا :

"لوگوں کا مرہٹوں کے ہاتھوں ناک میں دم آگیا ہے ۔ اپنی عزت و آبرو اور دنیا کی آسائشوں اور امن کے لئے ابدالی کو خوشامد درامد کرکے ولایت سے بلایا گیا ہے اور ابدالی سے جو نقصانات پہنچیں گے انہیں مرہٹوں کی مصیبت سے آسان خیال کرکے ایسا کیا گیا ہے ۔" (۱۷)

احمد شاہ ابدالی نے ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ ع میں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کی کمر توڑ دی اور تقریباً دو لاکھ مرہٹے اپنے قائدین بھاؤ اور بسواس راؤ کے ساتھ مارے گئے ۔ (۱۸) اور مہاراشٹر میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں صف ماتم نہ بچھ گئی ہو ۔

جاٹ

جاٹ دہلی اور آگرہ کے درمیان آباد تھے ۔ اورنگ زیب کے آخری دنوں میں ان کو عروج حاصل ہوا اور تمام علاقے میں انہوں نے لوٹ مار شروع کردی ۔ اکبر بادشاہ کی جس نے جاٹوں کے بہت سے مندر اپنے خرچ سے بنوا کر دیے تھے ، ہڈیاں اس کے مقبرے سے نکال کر جلا ڈالیں ۔ (۱۹)

جاٹوں کی گڑھیاں مرکز سے اتنی قریب تھیں کہ حکومت کو ان سے مستقل خطرہ رہتا تھا ۔ متھرا اور دہلی کی سڑک پر تو گویا ان کی عملداری تھی ، جب چاہتے سڑک کو ناقابل گذر بنا دیتے اور چوں کہ مغل فوجیوں کی آمد و

رفت بھی اکثر اسی علاقے سے ہوتی تھی اس لئے دہلی اور آگرہ کی سڑک پر ایسی رکاوٹ برداشت نہیں کی جاسکتی تھی ۔ (۲۰)

جاٹوں کا حال شاہ صاحب کے قلم سے

شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو جاٹوں کے حالات سے بھی مطلع کیا تھا ۔ آپ لکھتے ہیں :

"غیر مسلموں کی ایک قوم جاٹ ہے جس کی بود و باش دہلی اور آگرہ کے درمیان ہے ۔ یہ دونوں شہر بادشاہوں کے لئے دو حویلیوں کے مانند رہے ہیں ۔ مغل بادشاہ کبھی آگرہ میں رہتے تھے تاکہ ان کا رعب و دبدبہ راجپوتانہ تک پڑے اور کبھی دہلی میں فروکش ہوتے تھے تاکہ ان کی شوکت و ہیبت سرہند اور نواح سرہند تک اثر ڈالے ۔

دہلی اور آگرہ کے درمیان کے مواضعات میں قوم جاٹ کاشت کاری کرتی تھی ۔ زمانہ شاہجہاں میں اس قوم کو حکم تھا کہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں ، بندوق اپنے پاس نہ رکھیں اور اپنے لئے گڑھی نہ بنائیں ۔ بعد کے بادشاہوں نے ان کے حالات سے غفلت اختیار کرلی اور اس قوم نے فرصت کو غنیمت جان کر بہت سے قلعے تعمیر کرلئے اور اپنے پاس بندوقیں رکھ کر لوٹ مار کا آغاز کردیا ۔اورنگ زیب اس وقت دکن میں قلعہ بیجاپور اور حیدرآباد کے فتح کرنے میں مشغول تھا ۔ دکن ہی سے ایک فوج جاٹوں کی تادیب کے لئے اس نے روانہ کی اور اپنے پوتے (بیدار بخت) کو فوج کا سردار مقرر کیا رئیسان راجپوتانہ نے اس شہزادے سے مخالفت کرلی ، لشکر میں اختلاف واقع ہوا ، جاٹوں کی تھوڑی سی

عاجزی کو غنیمت جان کر شاہی فوج واپس ہوگئی ۔

محمد فرخ سیر کے زمانہ میں اس جماعت کی شورش پھر بڑھ گئی ۔ قطب الملک وزیر نے زبردست فوج ان کی طرف بھیجی ۔ چورامن جاٹ جو اس قوم کا سردار تھا ، بعد جنگ صلح پر راضی ہوگیا ۔ اس کو بادشاہ کے سامنے لائے اور تقصیرات کی معافی دلوائی ۔ یہ کام بھی خلاف مصلحت عمل میں آیا ۔

عہد محمد شاہ میں اس قوم کی سرکشی پھر حد سے تجاوز کرگئی اور چورامن کا چچا زاد بھائی سورج مل اس جماعت کا سردار ہوگیا اور فساد کا راستہ اختیار کیا ۔ شہر بیانہ پر دھاوا کیا جو اسلام کا قدیم شہر تھا اور جہاں پر علماء و مشائخ سات سو سال سے اقامت پذیر تھے ۔ اس شہر پر قہراً و جبراً قبضہ کرکے مسلمانوں کو ذلت و خواری کے ساتھ وہاں سے نکال دیا ۔ ان کی سرکشی برابر بڑھتی گئی ۔ بادشاہوں اور امیروں کے آپس کے اختلاف اور غفلت کی وجہ سے انہیں آزادی ملی اور امراء سے ساز باز کرنے لگے ۔ چناں چہ پسر محمد شاہ کے عہد میں صفدر جنگ ایرانی نے خروج کیا اور سورج مل سے سازش کرکے پرانی دہلی پر حملہ کردیا اور پرانے شہر کو لوٹ لیا ۔

پسر محمد شاہ نے شہر کے دروازوں کو بند کرکے توپ خانہ سے جنگ شروع کی ۔ خدا کے فضل سے صفدر جنگ اور سورج مل دو تین ماہ کے بعد ناکام واپس ہوئے اور صلح و موافقت کی داغ بیل ڈالی گئی ۔ چوں کہ بادشاہ کے آدمی جنگ سے تھک چکے تھے اس لئے انہوں نے صلح کو غنیمت سمجھا ۔ اس کے بعد سے

سورج مل کی دھاک جم گئی - دہلی سے دور دو کوس کے فاصلہ سے لے کر آگرہ کی سرحد تک طول میں اور میوات کی حدود سے فیروز آباد و شکوہ آباد تک عرض میں سورج مل قابض ہوگیا اور کسی کی طاقت نہ تھی کہ آذان و نماز جاری کرسکتا -

ایک سال کے عرصہ میں قلعہ الور جو علاقہ میوات کی خبر گیری کے لئے تعمیر کیا گیا تھا، سورج مل کے قبضہ میں در آیا - ارکان سلطنت میں سے کسی کو جرات نہ ہوئی کہ اسے روکتا -

ہندوستان کے محصولات کی تعداد سات آٹھ کروڑ سے کم نہیں - جس علاقہ پر جاٹ قابض ہیں وہ بھی ایک کروڑ روپے محصول کی ادائیگی کرسکتا ہے ، بشرطیکہ غلبہ و شوکت موجود ہو ورنہ ایک کوڑی بھی وصول نہیں کی جاسکتی جیسا کہ اس وقت دیکھا جارہا ہے -

جاٹوں کی قوت تدبیر سے بآسانی ختم کی جاسکتی ہے - جو علاقے ان کے قبضے میں ہیں وہ سب غصب کئے ہوئے ہیں - ان کے مالک ابھی تک زندہ اور موجود ہیں - اگر کوئی صاحب شوکت و عدل گستر بادشاہ اپنا ہاتھ ان مالکوں کے سرپر رکھے تو یہ سارے لوگ سورج مل کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں " (۲۱)

جاٹوں کے مظالم سے دہلی اور گرد و نواح کے باشندے سخت پریشان ہوگئے تھے - ایک مرتبہ جب جاٹوں نے لوٹ مار شروع کی تو دہلی کے باشندے گھبراہٹ اور پریشانی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور شہر شہر مارے پھرتے تھے بالکل اسی طرح جیسے کوئی ٹوٹا ہوا جہاز ظالم موجوں کے رحم و کرم پر ہو - پاگلوں کی طرح ہر شخص پریشان حال اور گھبرایا ہوا نظر آتا تھا - (۲۲)

عاجزی کو غنیمت جان کر شاہی فوج واپس ہوگئی ۔

شاہ صاحب اپنے ایک خط میں اپنے شاگرد حافظ جار اللہ کو لکھتے ہیں :

"دہلی میں ایک حادثہ عظیم واقع ہوا ۔ قوم جاٹ نے دہلی کے شہر کہنہ کو لوٹا اور حکومت اس فساد کو رفع کرنے سے عاجز رہی ۔ انہوں نے مال لوٹے ، عزت و ناموس برباد کئے اور مکانات کو آگ لگا دی ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بمع اہل و عیال و مکانات کے ان کے دست ستم سے محفوظ رکھا ۔ لوٹ مار کا یہ حادثہ اوائل رجب ۱۱۶۱ ھ میں ہوا اور آخر شعبان تک باقی رہا ۔ "(۲۳)

تورانی اور ایرانی امراء کی مخاصمت

برصغیر ہند و پاک میں غوری اور لودھی حکمران خانوادے عقیدے اور مسلک کے لحاظ سے سنّی مسلمان تھے ۔ مغل حکمرانوں میں ہمایوں جب شیر شاہ سے شکست کھا کر ایران بھاگا تو شاہ ایران نے اس کی مدد کی ۔ اس احسان کے بدلے ایرانیوں کو ہندوستان میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا ۔ جہانگیر کے عہد میں ملکہ نورجہاں کی سرپرستی میں ایرانی گروہ زیادہ با اقتدار ہوگیا ۔ اورنگ زیب تک امراء میں ایرانی اور تورانی کا تعصب کم تھا ۔ اورنگ زیب کے بعد بہادر شاہ اول شیعی عقائد سے متاثر ہوگیا اور اس نے اپنے آپ کو سیّد کہلوایا اور خطبے میں حضرت علی ؓ کے نام کے ساتھ "وصی" کا لفظ بھی پڑھنے کا حکم دیا ۔

فرخ سیر کے عہد میں سادات بارہہ (۲۴) نے عروج حاصل کیا ۔ اگرچہ وہ وطناً ایرانی نہ تھے لیکن عقائد کے اعتبار سے شیعہ تھے ۔ ان کی سرپرستی میں ایرانی گروہ اور طاقت ور ہوگیا ۔

اب ایرانی اور تورانی امراء کی مخاصمت نے ایسا رنگ اختیار کیا جس سے

ملکی مفادات کی وفاداری پر ضرب لگی ۔ شاہی دربار ان امراء کے دنگل کا اکھاڑا بن گیا ۔ جہاں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی تدبیریں ہونے لگیں ۔

فرخ سیر کے عہد میں سادات بارہہ کی بادشاہ سے ان بن ہوئی تو انہوں نے مرہٹوں سے دہلی پر حملہ کرادیا ۔ نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا تو نظام الملک نے مملکت کو تباہی سے بچانے کی خاطر نادر شاہ کو پچاس لاکھ روپے دے کر واپس چلے جانے پر راضی کرلیا لیکن شاہان اودھ کے جد امجد برہان الملک سعادت خان نے جو ایرانی گروہ سے متعلق تھا ، نادر شاہ کو دہلی پر حملہ کرنے پر اکسایا ۔

جب ایرانی گردی زیادہ ہوگئی تو تورانی امراء نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی ۔ احمد شاہ کے حملوں سے جہاں مرہٹوں کی طاقت ختم ہوئی وہاں بار بار کے حملوں اور لوٹ مار سے اہل ہند کے حوصلے پست ہوگئے اور انگریزوں کے لئے ہندوستان پر حکومت کرنے کی راہ ہموار ہوگئی ۔

اٹھارویں صدی میں شیعوں نے اپنے مذہب کی اشاعت میں بہت تشدد سے کام لیا ۔ مرزا مظہر جان جاناں کو شہید کیا گیا ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پہونچے اتروائے گئے ۔ مولانا مناظراحسن گیلانی قول فیصل کے طور پر یہ کہنے پر مجبور ہوئے :

> "سارے فتنوں کی بنیاد اگر سچ پوچھیے تو ہندوستان میں بھی وہی مسئلہ رہا جس سے ہر جگہ حتی کے پہلی صدی ہجری میں فتنوں کی ابتدا ہوئی یعنی وہی شعیعت اور سنّیت کا جھگڑا ۔" (۲۵)

سادات بارہہ

بہادر شاہ اول کے انتقال کے بعد جہاندار شاہ اور فرخ سیر میں جنگ ہوئی ۔ اس جنگ میں فرخ سیر کی مدد بارہہ کے سیّدوں میں سے دو بھائیوں حسین علی خان اور عبداللہ خان نے کی اور فرخ سیر کامیاب ہوا ۔ اسی بنا پر فرخ سیر

کے عہد میں حکومت پر ان دونوں بھائیوں کا اقتدار قائم ہوگیا اور ایسا اقتدار کہ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی بادشاہ بیچارہ شاہ شطرنج ہوکر رہ گیا (۲٦) ۔ رفتہ رفتہ یہ صورت حال فرخ سیر کے لئے ناقابل برداشت ہوتی چلی گئی اور بالاخر سیّد بھائیوں اور فرخ سیر میں ان بن ہوگئی ۔

انفاس العارفین میں شاہ ولی اللہ نے فرخ سیر اور سیّد بھائیوں کے اس تنازعے کا ذکر کیا ہے اور خاص بات یہ لکھی ہے کہ آپ کے والد شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں اس جھگڑے کے قصے جب پیش ہوئے تو انہوں نے فرمایا : "در واقعہ دیدم کہ گویا مسند فرخ سیر را مردم می خواہند کہ برہم زنند " (۲۷) (میں نے (کشفی) واقعہ میں دیکھا کہ فرخ سیر کی مسند کو لوگ الٹ دینا چاہتے ہیں) اس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرے والد نے ان لوگوں سے جو بادشاہ کی مسند الٹنا چاہتے تھے فرمایا : "میری خاطر اس بادشاہ کو اسی حال میں چھوڑ دو ۔"

جب تک شاہ صاحب کے والد زندہ رہے فرخ سیر پر آنچ نہ آنے پائی لیکن ادھر ان کا انتقال ہوا تو ان کی وفات کے صرف پچاس دن کے بعد فرخ سیر کو قید کردیا گیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ۔

سیّد بھائیوں کے ہاتھوں انتہائی بیدردی اور شقاوت قلبی سے فرخ سیر کی گردن کھینچ دیے جانے کے بعد آصف جاہ اول کے استاد مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی نے تاریخ لکھی ۔

دیدی کہ چہ بادشاہ گرامی کردند
صد جور و جفا از رہ خامی کردند
تاریخ چو از خرد نجستم فرمود
سادات بوئے نمک حرامی کردند

(۲۸)

خافی خان نے اس واقعہ پر عوام کے تاثرات اس طرح بیان کئے ہیں :

"واقعہ یہ ہے کہ دونوں برادران سادات نے جس طرح فرخ سیر شہید کو مجبور و بے بس کرکے قتل کرایا تھا اور خانوادہ تیموری کے ساتھ جیسی بد سلوکیاں روا رکھی تھیں - پھر ساری سلطنت ہندوستان کا نظم و نسق انہوں نے ایک بنیے (رتن چند) کے ہاتھ میں دے رکھا تھا - ان باتوں کا لوگوں کو بہت صدمہ اور رنج تھا یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو دونوں بھائیوں کے قدیم ملازم ، متصدی اور رفیق تھے اور انہوں نے جو کچھ عزت و آبرو اور زر و مال حاصل کیا تھا ، انہی دونوں بھائیوں کے طفیل میں ، وہ بھی ان سے بیزار ہوچکے تھے - اکثر یہ کہتے تھے کہ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ (سادات) بارہہ پر زوال آئے گا تو ان کے ساتھ ہم بھی مارے جائیں گے مگر اس کے باوجود ہماری یہی آرزو ہے کہ تخت بادشاہی کے بد خواہوں کی آنکھیں اندھی ہوجائیں اور تیموری خاندان دوبارہ رونق پا جائے بلکہ دونوں صاحب مدار بھائیوں کے بعض اقربا اور متصدی تک بارگاہ الٰہی میں یہ تمنا کرتے تھے کہ ان دونوں بھائیوں کی کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے ان کا تو چراغ جلانے والا بھی نہیں رہے گا مگر افسوس ہم تمام سادات بارہہ پر کہ ہم ان کے ساتھ مارے گئے - نہ معلوم اس کا وبال ہماری اولاد پر کس کس طرح پڑتا ہے -" (۲۹)

فرخ سیر کے بعد بادشاہ گر بھائیوں نے دو مدقوق شہزادوں کو یکے بعد دیگرے تخت شاہی پر بٹھایا جو چند ماہ کے اندر انتقال کرگئے پھر محمد شاہ کو تخت نشین کیا گیا - محمد شاہ نے ان کے تسلط سے نکلنے کے لئے جد وجہد کی -

اس دوران بادشاہ کی دارالحکومت سے عدم موجودگی میں انہوں نے ظہیر الدین محمد ابراہیم شاہ کو بادشاہ بنایا جس نے تقریباً ایک ماہ تک بادشاہت کا ڈھونگ رچایا ۔ بالآخر محمد شاہ کے ہاتھوں دونوں بھائی اپنے کیفر کردار کو پہنچے ۔

نادر شاہ

نادر شاہ مئی ۱۷۳۸ ع میں شمالی افغانستان میں داخل ہوا اور اسی مہینہ میں غزنی فتح کرلیا ۔ جنوری ۱۷۳۹ ع میں لاہور فتح کیا ۔ فروری ۱۷۳۹ ع میں مغل فوج اور نادر شاہ کے درمیان کرنال کے قریب جنگ لڑی گئی ۔ جس میں مؤخر الذکر کامیاب ہوا ۔ خان دوران جو امیر الامراء تھا ، لڑتے ہوئے مارا گیا ۔

نظام الملک نے نادر شاہ کو پچاس لاکھ روپے دے کر واپس چلے جانے پر راضی کرلیا لیکن برہان الملک سعادت خان نے جو نظام الملک کا دشمن تھا ، نادر شاہ کو اس بات پر اکسایا کہ وہ دہلی جا کر زیادہ مال غنیمت حاصل کرے ۔

نادر شاہ دہلی روانہ ہوا اور دارالسلطنت کی شاہی مسجد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھواتا رہا ۔ دہلی میں بدقسمتی سے یہ خبر گرم ہوگئی کہ نادر شاہ فوت ہوگیا ہے جس پر دہلی کے باشندوں نے نادر شاہ کی فوج پر حملہ کرکے چند سپاہیوں کو ہلاک کردیا ۔ گیارہ مارچ ۱۷۳۹ ع کو ایرانی بادشاہ کی جانب سے حکم جاری کیا گیا کہ دہلی کے باشندوں کا قتل عام کیا جائے ۔ چاندنی چوک ، فروٹ مارکیٹ اور جامع مسجد کے گرد و نواح کی عمارات کو آگ لگوا دی گئی ۔ تمام باشندوں کو قتل کردیا گیا ۔ نادر شاہ کے حملے میں مرنے والوں کی تعداد کا اندازہ آٹھ ہزار سے ڈیڑھ لاکھ تک لگایا گیا ہے ۔ (۳۰) اس قتل عام سے خوف و ہراس کی ایسی فضا قائم ہوئی کہ دہلی کے شرفا نے جوہر (۳۱) کا قطعی ارادہ کر لیا تھا ۔ اس موقع پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مسلمانوں کو واقعہ کربلا اور حضرت حسین ؓ کے مصائب یاد دلا کر اس ارادہ سے باز رکھا ۔ (۳۲)

تمام نادر جواہرات ،جائداد اور خزانے کی تمام اشیاء ایرانی فاتح نے اپنے

قبضے میں کرلیں ۔ اس طرح وہ ساٹھ لاکھ روپے کے خزانے کا مالک بن گیا ۔ اس کے علاوہ کئی ہزار اشرفیاں اور ایک کروڑ روپے کی طلائی پلیٹیں اور بہت سے ہیرے جو اپنی خوبصورتی کے لحاظ سے لاثانی اور قیمت میں پچاس کروڑ روپے کے لگ بھگ تھے ، نادر شاہ نے اپنے قبضے میں لے لئے ۔ تخت طاؤس جسے شاہ جہاں کے زمانے میں بڑی کاوش اور محنت سے تیار کیا گیا تھا اور جس کی تیاری پر ایک کروڑ روپے خرچ آیا تھا ، نادر شاہ نے اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا ۔ ہاتھی ، گھوڑے اور قیمتی اشیاء الغرض وہ تمام اشیاء جو فاتح کی نظر میں جچ گئیں اور جن کا شمار مشکل ہے ، وہ اس کا مال غنیمت بن گیا ۔ مختصر یہ کہ ساڑھے تین سو سال کی جمع شدہ دولت نے ایک لمحہ میں اپنا مالک بدل لیا ۔

نادر شاہی حالات شاہ صاحب کے قلم سے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے نادر شاہ کی لائی ہوئی تباہی پر ان الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے ۔

> "خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ نادر شاہ کی طرح عمل ہو کہ وہ مسلمانوں کو زیر و زبر کرگیا اور مرہٹہ اور جٹ کو سالم و غانم چھوڑ کر چلتا بنا ۔ نادر شاہ کے بعد سے مخالفین قوت پکڑگئے ہیں اور لشکر اسلام کا شیرازہ بکھر گیا اور سلطنت دہلی بچوں کا کھیل بن گئی ۔ پناہ بخدا ! اگر قوم کفار اسی حال پر رہے اور مسلمان ضعیف ہوجائیں تو اسلام کا نام بھی کہیں باقی نہ رہے گا ۔" (۳۳)

روہیلے

نادر شاہی حملوں کی وجہ سے سرحدی و افغان قبائل بری طرح سے متاثر

ہوئے اور ان کی آزادی و سلامتی ختم ہوگئی تو وہ پناہ لینے کی خاطر ہندوستان آئے ۔ یہاں ان کو اعتماد الدولہ محمد امین خان کی نظر کرم سے معاشی فراغت حاصل ہوئی ۔

ان افغان پناہ گزینوں میں سے محمد خان روہیلہ صاحب جرات و ہمت تھا ۔ اس نے قندھار اور اس کے گرد نواح کے روہیلوں کو اپنے ساتھ ملالیا ۔ اس طرح روہیلہ نام کی شہرت ہوئی اور اس جتھا بندی سے محمد خان کو اچھی خاصی قوت حاصل ہوئی اور ملک کا ایک بڑا علاقہ مثلاً آنولہ ، سنبھل ، مراد آباد ، بدایوں ، بریلی وغیرہ اس کے تصرف میں آگیا ۔ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں ۔

"اٹھارویں صدی کے ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی طبقہ اگر عیش و عشرت کی زندگی سے محفوظ تھا تو صرف روہیلے تھے ۔ ان میں عسکری صلاحیت اور سیاسی بصیرت ، کسی چیز کی کمی نہ تھی ۔ وہ مہلک امراض جنھوں نے سلطنت مغلیہ کے جسم کو کھوکھلا کردیا تھا ، ان کو چھو کر بھی نہ گذرے تھے ۔" (۳۴)

شاہ ولی اللہ اور روہیلہ سردار نجیب الدولہ کے تعلقات بہت مستحکم تھے ۔ شاہ صاحب اس کو رئیس الغزاۃ اور راس المجاہدین کے لقب سے پکارتے تھے ۔ (۳۵)

روہیلے بہت علم دوست تھے ۔ ان کی علم دوستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نجیب الدولہ کے پاس نو سو عالم تھے جن کو پانچ روپے سے لے کر پانچ سو روپے تک روزینہ ملتا تھا ۔ (۳٦)

احمد شاہ ابدالی ۔

احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۴۷ ع سے ۱۷٦۹ تک بائیس سال کے عرصے میں ہندوستان پر نو بار حملہ کیا ۔ اس کا چھٹا حملہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک

خاص اہمیت کا حامل ہے - ۱۷۶۰ ع میں اہالیان ہند مرہٹوں کے ظلم و ستم سے تنگ آچکے تھے - لہٰذا انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی - شاہ ولی اللہ نے بھی احمد شاہ ابدالی کو خطوط لکھے - (۳۷)

احمد شاہ ابدالی کی فوجوں نے بھی دہلی میں لوگوں کو بلا امتیاز مذہب خوب لوٹا - شاہ ولی اللہ اس کا تذکرہ یوں کرتے ہیں -

"الحمد للہ کہ اس حادثہ عامہ میں عافیت نصیب ہوئی - اس محلہ کو معلوم نہیں ہوا کہ مخالف کی فوج آئی تھی یا نہیں - نہ تو لوٹنے والوں کی لوٹ سے کوئی اذیت پہنچی اور نہ اس تاوان یا جرمانہ سے جو حویلیوں پر عائد کیا گیا تھا ، کوئی زیر بار ہوا - سابق میں عالمگیر نے جو کچھ کہہ دیا تھا کہ اس فتنہ میں تمہاری سلامتی باقی رہے گی وہ سچ ثابت ہوا - اکثر کی جائدادوں کی سندیں ضبط ہوگئیں - میری سند دستخط کے بعد مجھکو واپس کردی گئی -اہل شہر اپنے قتل ہونے سے تو محفوظ رہے لیکن دولت کا مادہ فاسد جن لوگوں کے مزاجوں میں تھا - اس کا تنقیہ پورے طور پر ہوگیا - چناں چہ عبرت کی جا ہے کہ جو لوگ جاہ و حشمت میں جس قدر زیادہ تھے - قید و ضرب و سزا بھگتنے میں اس قدر آگے رہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنا چاہا و محفوظ رہا -" (۳۸)

انگریزوں کی عمل داری

انگریز ہندوستان میں اکبر کے دور (۱۵۵۶ ع تا ۱۶۰۵ ع) میں آگئے تھے لیکن انہوں نے اپنی قوت شاہ جہاں (۱۶۲۸ ع تا ۱۶۵۸ ع) اور عالمگیر (۱۶۵۸ ع تا ۱۷۰۷ ع) کے دور میں مجتمع کی اور تاجروں کے بھیس میں ہندوستان پر

حکومت کخواب دیکھنے لگے ۔ جن کی تعبیر عالمگیر کے نالائق جانشینوں کی بدولت پوری ہونے لگی ۔ ۱۷۵۷ ع میں پلاسی کے میدان میں میر جعفر کی وجہ سے سراج الدولہ کو شکست دے کر بنگال پر قبضہ کرلیا اور ٹھیک ایک سو سال بعد ۱۸۵۷ ع میں پورے ہندوستان پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہوگیا ۔ یہ ان کے اس خواب کی تعبیر تھی جو انہوں نے عہد شاہ جہانی و عالم گیری میں دیکھا تھا ۔

حواشی

RICHARD BURN, "The Cambridge History of India" Vol - 4, . ۱
Cambridge University Press, 1937, p - 614

۲ ـ تارا چند ، ڈاکٹر "تمدن ہند پر اسلامی اثرات" اردو ترجمہ از محمد مسعود احمد ، لاہور ، مجلس ترقی ادب ، اول ۱۹۶۴ ع ، ص - ۲۷۲

BENI PARSAD, "History of Jahangir" Allahabad, The Indian . ۳
Press Ltd., Third 1940 , p - 128,129

۴ ـ میرزا محمد ہادی (مرتب) "تزک جہانگیری" جلد اول از جہانگیر ، نورالدین محمد ، لکھنؤ ، منشی نولکشور ، ص - ۳۵

۵ ـ آغا احمد علی (مصحح) "مآثر عالمگیری" از محمد ساقی مستعد خان ، کلکتہ ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۷۱ع ، ص - ۱۵۴

٦ ـ گیلانی ، مناظر احسن علامہ "تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ" کراچی ، نفیس اکیڈیمی ، پنجم ۱۹٦۸ ، ص - ۵٦

IRVINE WILLIAM , "Later Mughals" Vol - 1, Lahore, . ۷
Universal Books, p -97

۸ ـ "تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ" محولہ بالا ، ص - ۱۳۱

۹ ـ ایضاً ، ص - ۱۳۰

۱۰ ـ ایضاً

Later Mughals" Vol - 2 op.cit P-278" . ۱۱

ibid , p - 291. ۱۲

۱۳. SARKAR , JADUNATH, "Fall of the Mughal Empire" Vol - 1, Calcutta, M.C. Sarkar & Sons, Second 1949 , p - 205

۱۴. ibid , p - 49.

۱۵. ibid , p - 50.

۱٦ ـ نظامی ، خلیق احمد "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" علی گڈھ ، ایم ، یو ، پریس ، ص - ۳٦ تا ۳۸

۱۷ ـ "تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ" محولہ بالا ، ص - ۷۹

۱۸ ـ فرید آبادی ، ہاشمی ، سیّد "تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت" جلد دوم ، کراچی ، انجمن ترقی اردو پاکستان ، اول ۱۹۵۳ ع ، ص - ۳۵

۱۹. SARKAR , JADUNATH , "History of Aurangzib" vol - 5, Calcutta, M.C. Sarkar & Sons, 1924, p - 299

۲۰. Fall of the Mughal Empire" vol - 1, op.cit, p - 208" .

۲۱ ـ "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" محولہ بالا ، ص - ۳۸ تا ۵۰

۲۲ ـ نظامی ، خلیق احمد "تاریخ مشائخ چشت" اسلام آباد ، دارالمؤلفین ، ص - ۳۲۴

۲۳ ـ "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوباتً محولہ بالا ، ص - ۸۹

۲۴ ـ بارہہ ضلع مظفر نگر (یوپی) میں ایک قصبہ ہے ـ مذکورہ سیّد برادران اسی قصبے کے باشندے تھے ـ

۲۵ ـ تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ" محولہ بالا ، ص - ۱۵۲

۲٦ ـ ایضاً ، ص - ۱۵۰

۲۷ ـ دہلوی ، ولی اللہ شاہ ، "انفاس العارفین" دہلی ، مطبع مجتبائی ، ۱۳۳۵ ھ ، ص - ٦۳

۲۸ ـ "تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ" محولہ بالا ، ص - ۱۵۵

۲۹ ۔ خافی خان ، نظام الملک ہاشم علی خان "منتخب اللباب" اردو ترجمہ از محمود احمد فاروقی ، کراچی ، نفیس اکیڈیمی ، اول ۱۹۶۳ ع ، ص - ۳۳۰

۳۰ ۔ محمد میاں ، مولانا سیّد "علمائے ہند کا شاندار ماضی" جلد دوم ، دہلی ، الجمیعة بک ڈپو ، ۱۹۵۷ ع ، ص - ۴۱

۳۱ ۔ یہ ہندوستان کی قدیم رسم تھی ۔ جب دشمن کا غلبہ اور تسلط اس حد کو پہنچ جاتا تھا کہ نجات و خلاصی کی تمام راہیں مسدود ہوجاتی تھیں تو عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر آگ کا الاؤ جوڑ کر عورتیں ، مرد اور بچے سب اس میں کود جاتے تھے ۔

۳۲ ۔ "تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ" ، محولہ بالا ، ص - ۱۷۱

۳۳ ۔ "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" محولہ بالا ، ص - ۵۲

۳۴ ۔ "تاریخ مشائخ چشت" محولہ بالا ، ص - ۳۲۵

۳۵ ۔ "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" محولہ بالا ، ص - ۵۹ تا ۶۱

۳۶ ۔ "ملفوظات شاہ عبدالعزیز" کراچی ، پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز ، ۱۹۶۰ ع ، ص - ۸۱

۳۷ ۔ "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" محولہ بالا ، ص - ۱۶

۳۸ ۔ ایضاً ، ص - ۷۰ ، ۷۱

معاشی حالات

اورنگ زیب عالمگیر نے تقریباً چھبیس برس مرہٹوں کی گوشمالی میں صرف کئے ۔ مسلسل جنگوں کی وجہ سے کروزوں روپے خرچ ہوئے لیکن اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے فہم و تدبر سے ملک کو دیوالیہ ہونے سے بچائے رکھا ۔ اس کی وفات کے وقت آگرہ کے قلعہ میں چوبیس کروز روپے محفوظ تھے (۱) اس کے بیٹوں نے جانشینی کی جنگوں میں اپنے اپنے حواریوں کو خوش کرنے کے لئے آنکھ بند کر کے روپیہ کو پانی کی طرح بہایا ۔ جس کا نتیجہ خزانے میں کمی کے سوا کچھ نہ تھا ۔ بہادر شاہ (۱۷۰۷ ع تا ۱۷۱۲ ع) حد سے زیادہ فضول خرچ تھا ۔ اس کی فضول خرچی کی وجہ سے خرچ اتنا زیادہ ہوگیا کہ آمدنی کفایت نہیں کرتی تھی ۔ نوبت یہاں تک آگئی کہ دربار کے تمام شعبوں ، خاص طور پر محلات میں خرچ کی تنگی رہتی تھی اور ہر روز شاہزادہ عظیم الشان کے خزانہ سے ادھار کے طور کچھ نہ کچھ رقم آتی رہتی تھی ۔ (۲)

بہادر شاہ کے بعد جہاندار شاہ (۱۷۱۲ ع تا ۱۷۱۳ ع) تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے آباء و اجداد کی عظیم الشان سلطنت کا وقار اپنی داشتہ لعل کنور پر قربان کردیا ۔ اس کی محبوبہ پر دو کروز روپے سالانہ خرچ ہوتا تھا ۔ (۳) دربار میں عیش و نشاط کی محفلیں جمنے لگیں اور کثرت سے چراغاں ہونے لگا جس کی وجہ سے تیل کی قیمتیں بڑھ گئیں اور گندم کا نرخ سات سیر فی روپیہ ہوگیا ۔ (۴)

فرخ سیر (۱۷۱۳ع تا ۱۷۱۹ ع) کے عہد میں حالات اور بگڑ گئے ۔ اس کو گھوڑوں کا شوق تھا اور ہزاروں کی تعداد میں گھوڑے اس کے اصطبل میں

بیکار بندھے رہتے تھے اور ہزارہا روپیہ ان کی دیکھ بھال پر خرچ ہوتا تھا ۔ (۵) دوسری طرف امراء کی عیاشیاں تھیں جو روز بروز بڑھتی چلی گئیں ۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں ۔

"قمرالدین خان کے گھر میں عورتیں آخری غسل گلاب سے کرتی تھیں اور ایک دوسرے نواب کے ہاں تین سو روپے روز کا صرف پھول پان عورتوں میں جاتا تھا ۔" (٦)

قطب الملک عبداللہ خان رقص و سرود اور عورتوں کا رسیا تھا ۔ اس نے سب اختیارات اپنے دیوان راجہ رتن چند کے ہاتھ میں دے دیے ۔ یہ شخص بنیا تھا لیکن اقتدار میں آکر اس کی دولت کی ہوس اور بڑھتی گئی ۔ (۷) اس زمانے کے حالات کی عکاسی کرتے ہوئے سیّد محمد میاں لکھتے ہیں :

"نئے نئے فیشن ، امیرانہ شان و شوکت اور شاہانہ تکلفات نبھانے کے لئے ہر ایک صاحب اقتدار اپنے ماتحت کو لوٹنے لگا ۔ زمیندار اور جاگیردار ، کاشت کاروں کا خون چوسنے لگے اور جو مزدوروں پر اختیار رکھتے تھے انہوں نے غریب مزدوروں کو نوچنا شروع کردیا ۔ اب اس با اقتدار طبقہ کی تمام عملی اور فکری طاقتیں ترقی ملک و دولت کے بجائے عیش و عشرت ، شاہانہ تکلفات ، نفع اندوزی اور استحصال بالجبر پر صرف ہونے لگیں اور ماتحت طبقہ اتنا گر گیا کہ اس کی زندگی کھیت جوتنے والے بیلوں اور بوجھ اٹھانے والے گدھوں کے مانند ہوگئی ۔" (۸)

محمد شاہ کے زمانے میں وزیر محمد امین خان کی وفات کے وقت خزانہ خالی تھا کیوں کہ لشکر کشی کے باعث بھاری رقم خرچ ہوگئی تھی اور جو کچھ خزانہ میں بچ رہا تھا وہ لوٹ مار میں ضائع ہوگیا حتی کہ دیوان خاص و عام

میں جو طلائی و نقرئی جھالریں بنی ہوئی تھیں وہ بھی ان آفتوں اور مصیبتوں کے وقت توڑ کر سکوں میں ڈھال دی گئیں ۔ (۹)

ملک میں انتشار و ابتری کے باعث خزانے میں کسی طرف سے رقوم نہیں آرہی تھیں ۔ مرہٹوں نے دہلی پر حملہ کیا تو دیوان خاص کی چھت جس کی مینا کاری چاندی سے کی گئی تھی اس کی سب چاندی کھرچ کر انہوں نے سکے بنا لئے اور طلائی آلات ، چاندی کے ظروف جو قدم رسول کی زیارت گاہ اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مقبرہ اور محمد شاہ کے مرقد میں تھے مثلاً عود سوز ، شمع دان ، قندیل وغیرہ کو سکہ بنا لیا ۔ (۱۰)

رہی سہی کسر نادر شاہ کے حملے نے پوری کردی ۔ بائیس کروڑ روپے نقد خزانہ شاہی سے اور تقریباً نوے کروڑ کے جواہرات اور تخت طاؤس وغیرہ قلعے سے لوٹے گئے اور جو دولت شہر سے لوٹی گئی اس کی مقدار بھی ستر کروڑ تک بتائی جاتی ہے ۔ (۱۱)

احمد شاہ ابدالی کے حملوں کی وجہ سے مزید لوٹ مار ہوئی اور اہل ہند کی معاشی حالت اور دگرگوں ہوگئی ۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ احمد شاہ (۱۷۴۸ ع تا ۱۷۵۴ ع) کے زمانے میں شاہی خزانے کی حالت یہ ہوگئی کہ دو دو ، ڈھائی ڈھائی سال محلات کے ملازمین کو تنخواہیں نہیں ملتی تھیں ۔ بادشاہ کی ساکھ اس قدر گر گئی تھی کہ مہاجن اور ساہوکار بھی قرض دینے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے ۔ اس زمانے میں شہزادوں کو تین تین دن فاقے کرنے پڑتے تھے ۔ (۱۲) اسی زمانے میں جب فوجیوں کو تین سال تک تنخواہیں ادا نہ کی گئیں تو مجبور ہو کر سپاہیوں نے شورش کی اور محلوں کے دروازوں کو روک کر کھڑے ہوگئے ۔ ایک امیر کا جنازہ چار دن تک پڑا رہا اور فوجیوں نے اس وجہ سے دفن نہ ہونے دیا کہ اس نے تنخواہیں ادا

نہیں کی تھیں ۔ محلات شاہی کے ساز و سامان کی فہرست بنا کر دکانداروں کو دی گئی تا کہ اسے فروخت کرکے سپاہیوں کی تنخواہیں ادا کردی جائیں ۔ (۱۳)

عالمگیر ثانی (۱۷۵۴ ع تا ۱۷۵۹ ع) کے عہد میں شاہی خزانے کی جو حالت ہوگئی تھی اس کی وضاحت کے لئے درج ذیل دو مثالیں کافی ہوں گی ۔

الف ۔ ایک دن شاہزادہ خان دیوان خیرات خانہ کا شوربہ بادشاہی معائنے کے لئے لے کر گیا تو اس سے کہا گیا کہ یہ محل کی بیگمات کو دے دو کیوں کہ حرم کے مطبخ میں تین دن سے چولہا نہیں جلا ۔ (۱۴)

ب ۔ اسی زمانے میں ایک دن قلعہ کی بیگمات نے بھوک سے بیتاب ہوکر محل سے نکل کر شہر میں جانا چاہا ، بھوک کی وجہ سے انہیں اپنی بے پردگی تک کا خیال بھی نہ رہا لیکن قلعہ کے دروازے بند ہونے کی وجہ سے مجبوراً وہیں بیٹھ رہیں اور بڑی مشکل سے انہیں محل میں واپس لایا گیا ۔ (۱۵)

ہندوستان کی اقتصادی شہہ رگ بنگال کا صوبہ تھا جو سارے ہندوستان کا معاشی بوجھ برداشت کئے ہوئے تھا ۔ جب ۱۷۵۷ ع میں اس پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا تو گویا یہ شہہ رگ بھی کٹ گئی اور معاشی بدحالی اور بڑھ گئی اور اس کے بعد بالاخر انگریزوں نے پورے ہندوستان پر قبضہ کرلیا تو ہندوستان کی دولت جو پہلے یہاں کے باشندوں کے درمیان گردش کرتی تھی ، اب اس کا رخ انگلستان کی طرف ہوگیا ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی معاشی بدحالی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :

”اس زمانے میں ملک کی تباہی اور ویرانی کے زیادہ تر دو سبب ہیں ۔ ایک بیت المال یعنی ملک کے خزانے پر تنگی ۔ وہ اس طرح کہ لوگوں کو یہ عادت پڑ گئی ہے کہ کسی محنت کے بغیر خزانہ سے روپیہ اس دعوے سے حاصل کریں کہ وہ سپاہی ہیں یا

عالم ہیں جن کا حق اس خزانے کی آمدنی میں ہے ، یا ان لوگوں میں سے ہیں سے جن کو بادشاہ خود انعام و اکرام دیا کرتے ہیں جیسے زہد پیشہ صوفی اور شاعر اور دوسرے گروہوں میں سے جو ملک و سلطنت کے کسی کام کے بغیر کسی نہ کسی ایسے طریقے سے روزی حاصل کرتے ہیں جو محنت کے بغیران کو ملتی ہے - یہ لوگ ان کے اور دوسروں کے ذرائع آمدنی کو کم کردیتے ہیں اور ملک پر بوجھ ہیں -

دوسرا سبب کاشت کاروں ، بیوپاریوں اور پیشہ وروں پر بھاری محصول لگانا اور ان پر سختی کرنا ہے - یہاں تک کہ جو بیچارے حکومت کے مطیع اور اس کے حکم کو مانتے ہیں وہ تباہ ہو رہے ہیں اور جو سرکش اور نادہند ہیں وہ اور سرکش ہو رہے ہیں اور حکومت کے محصولات ادا نہیں کرتے - حالاں کہ ملک اور سلطنت کی آبادی سستے محصول اور فوج اور عہدہ داروں کے بقدر ضرورت تقرر پر ہے - چاہیے کہ اس زمانے کے لوگ ہوشیار ہوکر سیاست کے اس راز کو سمجھیں -" (١٦)

شاہ ولی اللہ کی نظر معیشت کی تباہی کے اسباب تک ہی محدود نہیں رہی - وقت کے حالات پر بھی وہ گہری نظر رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ معاشرہ کس طرح تباہ ہورہا ہے - حالات کی ابتری کا انہوں نے اس طرح ماتم کیا ہے -

"رہا مسلمانوں کا حال ، وہ یہ ہے کہ بادشاہ کے نوکر تو ایک لاکھ سے زائد تھے ، ان میں پیادہ و سوار تھے - نقدی رکھنے والے اور جاگیردار بھی تھے - بادشاہوں کی غفلت سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ جاگیردار اپنی جاگیروں پر عمل دخل نہیں پاتے - کوئی

غور نہیں کرتے کہ اس کا باعث بے عملی ہے ۔ جب خزانہ بادشاہی نہیں رہا ، نقدی بھی موقوف ہوگئی ۔ آخرکار سب ملازمین تتر بتر ہوگئے اور کاسہ گدائی اپنے ہاتھ میں لے لیا ۔ سلطنت کا حال یہ ہے کہ بجز نام کے اور کچھ باقی نہیں رہا ۔ جب بادشاہ کے ملازمین کا یہ حال ہے تو دیگر اشخاص جو وظیفہ خوار ، سوداگر یا اہل صنعت ہیں ، ان کا کیا حال ہوگا ۔ طرح طرح کے ظلم اور بیروزگاری میں یہ لوگ گرفتار ہیں ۔ تنگی و مفلسی کے علاوہ جب سورج مل کی قوم اور صفدر جنگ نے مل کر دہلی کے پرانے شہر پر حملہ کیا تو یہ غریب سب کے سب بے خانماں برباد اور بے مایہ ہوگئے ۔ پھر متواتر آسمان سے قحط نازل ہوا ۔ غرض جماعت مسلمین قابل رحم ہے ۔ اس وقت جو عمل دخل سرکار بادشاہی میں باقی ہے وہ ہندوؤں کے ہاتھ ہے کیوں کہ متصدی اور کارکن ان کے سوائے اور کوئی نہیں ۔ ہر قسم کی دولت و ثروت ان کے گھروں میں جمع ہے ۔ افلاس و مصیبت صرف مسلمانوں کے لئے ہے ۔" (١٧)

"ایک بات اور کہنی ہے وہ یہ کہ جب افواج شاہی کا گذر دہلی میں واقع ہو تو اس وقت اہتمام کلی کرنا چاہیے کہ دہلی سابق کی طرح ظلم سے پامال نہ ہوجائے ۔ دہلی والے کئی مرتبہ اپنے مال و متاع کی لوٹ مار اور اپنی عزت کی توہین اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں ۔" (١٨)

"ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمانان ہندوستان خواہ وہ دہلی کے ہوں خواہ کسی اور جگہ کے ، کئی صدمات سے دوچار ہوچکے ہیں

اور چند بار لوٹ مار کا شکار ہوئے ہیں ۔ چاقو ہڈی تک پہنچ گیا ہے ۔ رحم کا مقام ہے ۔ خدا کا اور اس کے رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ کسی مسلمان کے مال کے درپے نہ ہوں ۔" (۱۹)

حالات کی ابتری کی یہ کوئی آخری حد نہ تھی ۔ اس کے بعد جو دن آیا وہ مسلم معاشرے کی تباہی اور معیشت کی تنگی کا آیا ۔ اس میں کسی بادشاہ کے عہد کی کوئی تخصیص نہ تھی ۔ زوال معیشت کا ایک مسلسل عمل تھا جو ظہور میں آرہا تھا اور ملک تباہ ہو رہا تھا ۔

سرسیّد احمد خان نے تو اکبر بادشاہ کے عہد کے بارے میں لکھا ہے لیکن اس آئینے میں ہم تمام بادشاہوں کے زمانوں کے حالات دیکھ سکتے ہیں ۔ سرسیّد احمد خان لکھتے ہیں :

"اکبر شاہ اگرچہ تخت نشین ہوئے مگر اخراجات کی تنگی کا وہی عالم تھا جو شاہ عالم کے وقت میں تھا ۔ شاہ عالم ہی کے وقت میں اخراجات کی نہایت تنگی تھی ، تمام کارخانے ابتر ہوگئے تھے ۔ شاہزادوں کو جو قلعے کے نو محلے میں رہتے تھے ، ماہواری روپیہ نہیں ملتا تھا اور چھتوں پر چڑھ کر چلاتے تھے کہ بھوکے مرتے ہیں ، بھوکے مرتے ہیں ۔" (۲۰)

حواشی

١ . IRVINE , WILLIAM " Later Moughals" vol - 1 , Lahore, Universal Books, p - 21

٢ ـ خافی خان ، نظام الملک ہاشم علی خان "منتخب اللباب" جلد چہارم ، کراچی نفیس اکیڈیمی ، اول ١٩٦٣ ع ، ص - ١٣٢

٣ . Later Moughals" vol - 1, op.cit. p - 194 "

۴ . ibid , p - 397

۵ . ibid .

٦ ـ گیلانی ، مناظر احسن ، "تذکرہ حضرت شاہ ولی اللّٰہ" کراچی ، نفیس اکیڈیمی ، پنجم ١٩٦٨ ع ، ص - ١٦٧

٧ ـ طباطبائی ، غلام حسین "سیر المتاخرین" جلد دوم ، نولکشور ، ص - ٣٩٦

٨ ـ محمد میاں ، مولانا سیّد ، "علمائے ہند کا شاندار ماضی" جلد دوم ، دہلی ، الجمیعۃ بک ڈپو ، ١٩٥٧ ع ، ص - ١٧

٩ ـ "سیر المتاخرین" جلد دوم ، محولہ بالا ، ص - ۴۴۴

١٠ ـ تذکرہ حضرت شاہ ولی اللّٰہ" محولہ بالا ، ص - ٧٣

١١ ـ "علمائے ہند کا شاندار ماضی" جلد چہارم محولہ بالا ، ص - ۴١

١٢ . SARKAR, JADUNATH, "Fall of the Moughal Empire" Vol - 2, Calcutta, M.C. Sarkar & Sons Ltd. Second , p - 26

١٣ ـ نظامی ، خلیق احمد "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" علی گڈھ ، ایم یو

پریس ، ص - ۱٦۲

Fall of the Moughal Empire" vol - 2, op.cit p-26 " . ۱۴

ibid . p - 27 . ۱۵

۱٦ ۔ ولی اللہ دہلوی ، شاہ "حجۃ اللہ البالغہ" جلد اول ، اردو ترجمہ از محمد عبدالحق حقانی ، کراچی ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب ، ص - ۹۲

۱۷ ۔ "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" محولہ بالا ، ص - ۵۱

۱۸ ۔ ایضاً ، ص - ٦۰

۱۹ ۔ ایضاً ، ص - ٦۲

۲۰ ۔ برکاتی محمود احمد (مرتب) "سیرت فریدیہ" از سرسیّد احمد خان ، کراچی ، پاک اکیڈیمی ۱۹٦۴ ع ، ص - ۲۳ ، ۲۴

باب دوم

فصل اول:

اسلاف

فصل دوم:

سوانح

فصل سوم:

اہل علم کی آراء

فصل چہارم:

اخلاف

اسلاف

شاہ صاحب کا سلسلہ نسب امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے - (۱) والدہ کی طرف سے شاہ کا سلسلہ نسب خلیفہ چہارم کے اخلاف میں موسیٰ کاظم سے ملتا ہے - شاہ صاحب کے اجداد میں ہمایوں ، ہامان اور شہریار جیسے ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے اجداد عرب سے نکل کر ایران میں متوطن ہوئے - اس کے بعد شیخ شمس الدین مفتی نے ہندوستان کی طرف ہجرت کی - ممکن ہے اس ہجرت کے اسباب میں منگولوں کی دہشت گردی شامل ہو جن کی وجہ سے پورا عالم اسلام پریشان تھا - ان دنوں صرف ہندوستان ہی ایسا خطہ تھا جو منگولوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ تھا - اس لئے اس دور میں ہر فن کے علماء و فقہاء نے ہندوستان کی طرف ہجرت کی اور ہندوستان علم و فن کا گہوارہ بن گیا -

شیخ شمس الدین

ڈاکٹر فضل محمود کے مطابق شیخ شمس الدین کی ہجرت غیاث الدین بلبن (۶۶۴ ھ تا ۶۸۵ ھ مطابق ۱۲۶۵ ع تا ۱۲۸۶ ع) کے زمانے میں ہوئی - (۲) انہوں نے دہلی سے تیس میل دور مغرب کی جانب واقع ایک قصبے روہتک میں سکونت اختیار کی -اس زمانے میں روہتک تجارت اور ثقافت کا ترقی یافتہ مرکز تھا - آپ تصوف اور مذہب کے مشہور عالم تھے - انہوں نے روہتک میں ایک مدرسہ قائم کیا - ان کے عجیب و غریب حالات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد ان کے جنازہ کو اس

مسجد میں رکھیں جو ان کی عبادت گاہ اور اعتکاف گاہ تھی ۔ تھوڑی دیر اسے خالی رکھیں ۔ اس کے بعد اگر وہاں جنازہ موجود پائیں تو دفن کردیں ورنہ واپس آجائیں ۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا ۔ ایک ساعت کے بعد جب تلاش کیا تو جنازہ کا کوئی نشان دکھائی نہیں دیا ۔ (۳)

شاہ صاحب لکھتے ہیں ۔

"اس زمانہ میں مسلمانوں میں سے ہر ذی وقار شخص جو اس قسم کے قصبات میں قیام کرتا تھا ، شہر کی سیاست از قسم قضا ، احتساب اور افتاء وغیرہ اس کے سپرد ہوتی تھی ۔ ان مناصب کے بغیر بھی اسے قاضی اور محتسب کے نام سے پکارتے تھے ۔" (۴)

شیخ شمس الدین نہ صرف قرآن و حدیث کے عالم تھے بلکہ اصطلاح تصوف کے مصداق حقیقی معنوں میں صوفی بھی تھے ۔ مذہب کے گہرے مطالعے اور مذہبی خدمات کے اعتراف کے طور پر ان کو روہتک کا مفتی بنا دیا گیا ۔ ساری عمر آپ اس اعزازی عہدے پر فائز رہے ۔ ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد میں نسلوں تک یہ عہدہ برقرار رہا ۔ ان کے اخلاف میں غالباً محمود نےاس اعزاز سے دستبرداری اختیار کی اور فوجی خدمات کی بجا آوری میں اپنی عمر چھاونیوں اور جنگ کے میدانوں میں گذاری ۔

شیخ معظم

شاہ صاحب کے اجداد میں شیخ منصور نے قضا و افتا کا پیشہ ترک کرکے پیشہ سپاہ گری اختیار کیا ان کے صاحبزادے شیخ معظم بچپن ہی سے بہت بہادر تھے ۔ ان کی ہمت و جرات کے واقعات شاہ صاحب اپنے والد کی زبانی درج کئے ہیں ۔

"شیخ منصور کو ایک راجہ سے جنگ کرنے کا اتفاق ہوا ۔

لشکر کا میمنہ شیخ معظم کے سپرد ہوا ۔ اس وقت آپ کی عمر بارہ برس تھی ۔ زبردست جنگ ہوئی اور دونوں طرف سے بہت سے لوگ قتل ہوئے ۔ اسی اثنا میں شیخ معظم سے کسی نے کہا کہ شیخ منصور شہید ہوگئے اور ان کا تمام لشکر شکست کھا گیا ۔ اس سے ان کی رگ حمیت پھڑکی ۔ انہوں نے کفار کے سردار کا رخ کیا ۔ اس اثنا میں جو بھی ان کے سامنے آیا قتل یا زخمی کرکے بیکار کردیا ۔ بڑی سعی و کاوش کے بعد راجہ کے ہاتھی کے پاس پہنچ گئے ۔ وہاں ایک کافر سردار نے مقابلہ کیا ۔ اسے تلوار کے ایک ہی وار سے دو ٹکڑے کردیا اور اسے گھوڑے کے نیچے ڈال دیا ۔ لوگوں نے اس پر ہجوم لرلیا ۔ اس راجہ نے تمام لوگوں کو منع کیا اور ڈانٹا اور کہا جو شخص اتنی کم عمری میں اس طرح کی جرات اور بہادری کرتا ہے ، عجائبات زمانہ سے ہے۔ اس کے بعد اس نے شیخ معظم کے دونوں ہاتھ چومے اور بہت عزت سے پیش آیا اور اس غصہ کا سبب پوچھا ۔ انہوں نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ میرے والد شہید ہوگئے ہیں ۔ میں نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹوں گا جب تک کہ کفار کے رئیس کو قتل نہیں کروں گا یا خود قتل نہیں ہوجاؤں گا ۔ راجہ نے کہا اس شخص نے جھوٹ کہا تمہارے والد زندہ ہیں اور ان کا جھنڈا فلاں جگہ دکھائی دے رہا ہے ۔ پھر شیخ منصور کے پاس راجہ نے آدمی بھیجا کہ ہم اس بچے کی وجہ سے صلح کرتے ہیں اور شیخ منصور کے تمام مطالبات تسلیم کرلئے اور واپس چلا گیا ۔" (۵)

اسی طرح آپ کی دلیری کاایک دوسرا واقعہ مذکور ہے ۔

"ایک مرتبہ تقریباً تیس ڈاکوؤں نے کسی بستی کے مویشی لوٹ لئے ۔ اس وقت شیخ معظم بھی اس بستی میں موجود تھے ۔ انہیں اس حادثہ کی لوگوں نےاطلاع دی ۔ ان کی اولاد ، بھائیوں اور چچیرے بھائیوں میں سے اس وقت کوئی بھی موجود نہیں تھا ۔ اس وقت دسترخوان بچھ چکا تھا اور کھانا رکھا جاچکا تھا ۔ آپ نے کسی عجلت اور بے چینی کا مظاہرہ نہیں کیا ۔ حسب معمول کھانے سے فارغ ہوئے ، ہاتھ دھوئے پھر فرمایا کہ میرے ہتھیار لاؤ اور گھوڑا تیار کرو ۔

جب سوار ہوگئے تو کسانوں کی ایک مسلح جماعت ہمراہ جانے کے لئے نکلی ۔ انہوں نے تمام لوگوں کو واپس کردیا اور فرمایا کہ ہم انتہائی تیزی سے جائیں گے اس لئے تم میرے گھوڑے کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکو گے صرف اس قصے کے راوی کو ساتھ لے لیا جو گھوڑے کے ساتھ بھاگ سکتا تھا تاکہ قوم کو اس مقابلے کی خبر دے سکے ، جو ان کے اور ڈاکوؤں کے درمیان ہو ۔ وہ دوڑے چلے جا رہے تھے یہاں تک کہ وہ ڈاکوؤں کے پاس پہنچ گئے ۔ اس وقت ڈاکو اپنے گھروں میں داخل ہورہے تھے ۔ غیرت انگیز کلمات سے اس جماعت کو میدان میں لائے ۔ پھر انہوں نے ایک تیر سے دو ، دو آدمیوں کو گرانا شروع کردیا ۔ جب دو تین تیر ایسے ڈاکوؤں نے مشاہدہ کئے تو ان کے دلوں پر زبردست رعب طاری ہوگیا اور زندگی سے مایوس ہوکر انہوں نے فریاد کی کہ ہم توبہ کرتے ہیں ، ہمیں معاف کیجئے ۔ شیخ معظم نے کہا تمہاری توبہ یہ ہے کہ اپنے ہتھیار ڈال دو ۔ ایک آدمی سب کے ہاتھ باندھ دے ، سواری ، ہتھیار

، اور گھوڑے لے کر اسی بستی میں پہنچو - انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے دین و مذہب کے مطابق مؤکد قسمیں کھائیں کہ دوبارہ وہ اس قصبہ کا رخ نہیں کریں گے اور شیخ معظم کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے -" (٦)

شیخ وجیہہ الدین

شاہ ولی اللہ کے دادا بھی اپنے باپ کے مانند شجاعت کے زیور سے پوری طرح آراستہ تھے - اس کے ساتھ ہی وہ ورع اور تقویٰ کا دامن نہیں چھوڑتے تھے - شب و روز میں دو پارے تلاوت کرتے تھے اور اس شغل کو سفر و حضر اور خوشی غمی میں کبھی ترک نہیں کرتے تھے - بڑھاپے میں بینائی کمزور ہوجانے کی وجہ سے جلی حروف کا قرآن مجید ساتھ رکھتے تھے - (۷)

شیخ وجیہہ الدین اس قدر متقی تھے کہ اثنائے سفر کبھی کسی کی کھیتی میں سے نہیں گذرے مبادا ان کا گھوڑا کچھ کھا لے حالاں کہ تمام لشکر اپنے جانوروں کو ان کھیتوں میں لے جاتے تھے اور اسی لئے موصوف کو بعض اوقات معروف رستے سے ہٹ کر چلنا پڑتا تھا - (۸)

ایک دفعہ لڑائی میں ان کا وہ اونٹ گم ہوگیا جس پر سامان خورد و نوش تھا اور کہیں سے کھانے پینے کا کچھ سامان مہیا نہ ہوسکا - حالاں کہ ان کے دوسرے ساتھی لوگوں کے مویشی زبردستی پکڑ کر کھاتے تھے لیکن موصوف اس سے کلی طور پر اجتناب برتتے تھے - اسی حالت میں دو تین فاقے ہوگئے جس سے قوت ختم ہونے لگی اور وہ فکر مندی سے بیٹھے اپنے چابک سے زمین کو کرید رہے تھے کہ وہاں سے ان کی خوراک کے مطابق چنے مل گئے جنہیں دھو کر پاک کیا اور بھگو کر تناول کیا - (۹)

شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ ان کے والد اپنے خدام ، ملازمین اور گھسیاروں

وغیرہ سے ایسی نرمی اور انصاف کرتے تھے کہ جو اس زمانے کے متقی لوگوں سے بھی کم ہی دیکھنے میں آتا تھا ۔ (۱۰)

شاہ ولی اللہ نے ان کی بہادری کے کئی ایک واقعات تحریر کئے ہیں ۔ ان میں سے ایک دل چسپ واقعہ یہ ہے کہ ایک جنگ میں شیخ وجیہہ الدین شریک تھے کہ مخالف لشکر میں سے ایک شخص نے مبارزت طلب کی ۔ شیخ صاحب نے اس کو قتل کردیا ۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے اسی کے دو اور ہم شکل آئے اور قتل ہوئے اور اسلامی لشکر فتح مند ہوا اور اپنی چھاؤنی میں واپس آگیا ۔ تین دن کے بعد ایک بڑھیا ان کا نام پوچھتے ہوئے ان کے خیمے میں آئی اور کہا کہ میں انہی تین مقتولوں کی ماں ہوں ۔ میں سمجھتی تھی کہ دنیا میں میرے بیٹوں سے زیادہ کوئی شخص بہادر اور طاقت ور نہیں ہے لیکن تجھ پر خدا کی رحمت ہو کہ تو ان سے زیادہ بہادر ہے ۔ اس لئے میں ان کی جگہ تجھے اپنا بیٹا بناتی ہوں ۔ اس کے بعد بڑھیا نے انہیں دعوت دی کہ وہ کچھ دن ان کی بستی میں جا کر رہیں تاکہ وہ آپ کو جی بھر کر دیکھ سکے اور اپنے مقتولوں کا غم بھلا سکے ۔ جب آپ کے ساتھیوں کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے آپ کو جانے سے منع کیا لیکن آپ چند روز کے بعد اس بڑھیا کے گھر گئے تو اس بڑھیا نے محبت ، اخلاص اور تعظیم کا اس قدر برتاؤ کیا کہ اس میں اور حقیقی والدہ میں کوئی فرق نہیں رہا ۔ شاہ عبدالرحیم کہتے ہیں کہ میں کئی مرتبہ اس عورت کے گھر گیا اور وہ ایسی شفقت سے پیش آتی تھی کہ میں اسے دادی کہتا تھا اور چوں کہ میں نے اپنی حقیقی دادی کو نہیں دیکھا تھا اس لئے مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس کے علاوہ بھی میری کوئی اور دادی تھی ۔ (۱۱)

ان کی جرات کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ جب اورنگ زیب عالمگیر کے بھائی شاہ شجاع نے بنگال کا رخ کیا تو عالمگیر نے اس کی طرف

توجہ کی ۔ آپ بھی اس وقت عالمگیر کے لشکر میں تھے ۔ زبردست جنگ ہوئی ' دونوں لشکر تھک گئے ۔ آخرکار دو تین مست ہاتھی شجاع کے لشکر سے حملہ آور ہوئے اور ہر ہاتھی کے پیچھے زرہ پوشوں کا دستہ تھا ۔ جب یہ صورت وقوع پذیر ہوئی تو عالمگیر کے لشکر میں افراتفری پھیل گئی اور ہر شخص بھاگ نکلا۔ عالمگیر کے ہاتھی کے گرد صرف چند آدمی باقی رہ گئے ۔ ایسے وقت میں شیخ وجیہہ الدین کو خیال آیا کہ ان مست ہاتھیوں میں سے کسی ایک پر حملہ کریں ۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا یہ حان دینے کا وقت ہے ایسی جگہ میں ہر شخص ثابت قدم نہیں رہ سکتا ۔ جو شخص علیحدگی چاہتا ہے میری طرف سے اسے اجازت ہے ۔ اس پر چار آدمیوں کے سوا سب نے پہلو تہی کی ۔ شیخ وجیہہ الدین نے ان کے ہم رکاب ہو کر بارہا یہ کہا کہ اگر ہمارے رفقا میں سے کوئی شخص ہماری محبت میں شریک ہوگا تو یہ چار اشخاص ہوں گے ۔ ان چاروں نے ان کے شکار بند کو مضبوطی سے پکڑا اور اقرار کیا کہ جہاں آپ ہوں گے ' ہم بھی ہوں گے ۔ اس کے بعد اس ہاتھی پر جو زیادہ فساد مچا رہا تھا ' حملہ کیا ۔ آپ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ہاتھی نے انہیں اٹھانے کے لئے اپنی سونڈ کو ان کی طرف بڑھایا اور چاہا کہ انہیں گھوڑے سے اٹھا لے یا گرا دے ۔ اس وقت آپ نے تلوار کے ایک بھرپور وار سے سونڈ کو نیچے سے کاٹ دیا ۔ ہاتھی ایک خوفناک چیخ مار کر پیچھے بھاگا اور اس کا ضرر اور نقصان اسی کے دستہ کو پہنچا ۔ یہ پہلی فتح تھی ۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنی آنکھوں سے اس معرکے کو دیکھا ۔ فتح کے بعد اورنگ زیب نے ان کے منصب کو زیادہ کرنا چاہا مگر انہوں نے استعفا دیا اور اس منصب کو قبول نہ کیا ۔ (۱۲)

آخر عمر میں شہادت کی تمنا میں گھوڑا خرید کر دکن کی طرف روانہ ہوئے حالانکہ اس سے پہلے نوکری کو خیر باد کہہ چکے تھے ۔ راستے میں ڈاکوؤں

سے مقابلہ ہوا ۔ اس جنگ میں آپ کو بائیس زخم آئے اور ایک زخم میں آپ کا سر جسم سے علیحدہ ہوگیا اس کے باوجود ایک تیر کی مار تک آپ نے ڈاکوؤں کا پیچھا کیا ، پھر گر پڑے اور وہیں دفن ہوئے ۔ (۱۳)

شاہ عبدالرحیم

آپ تخمیناً ۱۰۵۴ ھ میں پیدا ہوئے اگرچہ بالصراحت آپ کے سال پیدائش کا تذکرہ کسی مصنف نے نہیں کیا ہے تاہم آپ کی عمر ستتر برس ہوئی اور آپ نے ۱۱۳۱ ھ میں وفات پائی اس طرح آپ کا سال پیدائش ۱۰۵۴ ھ معلوم ہوتا ہے۔

مبشرات : جس طرح شاہ ولی اللہ کے ضمن میں ہم نے ان کی ولادت سے قبل کی پیش گوئیاں درج کی ہیں اور غالباً ہر صاحب شہرت شخص کے بارے میں اسی قبیل کے واقعات ملتے ہیں اسی طرح شاہ صاحب کے بارے میں ولادت سے قبل اور بچپن کے واقعات میں موجود چند مبشرات پیش کئے جاتے ہیں۔

۱ ۔ شاہ عبدالرحیم کے نانا شیخ رفیع الدین کا جب وقت آخر قریب ہوا تو انہوں نے اپنے گھر کا سب سامان ایک جگہ جمع کیا اور ورثاء میں بلحاظ شرعی تقسیم کردیا اور اپنی اولاد میں سے ہر ایک کو اس کے حسب حال حصہ دے دیا مگر اپنی چھوٹی صاحبزادی (شاہ عبدالرحیم کی ہونے والی والدہ) کو جن کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی ، فوائد طریقت کے چند جزو اور شجرہ طریقت عطا کیا ۔ اس پر شیخ رفیع الدین کی اہلیہ نے کہا کہ ابھی اس لڑکی کی شادی نہیں ہوئی ہے ، اس کی ضروریات کاغذ کے یہ چند اوراق نہیں ہیں بلکہ شادی کا سامان ہے ۔ اس پر شیخ محمد نے جواب دیا کہ کاغذ کے یہ چند اجزاء ہمارے گذشتہ اسلاف کی ایک محسوس یادگار اور میراث ہے جنہیں ہم دنیا کے تمام حشمت و شوکت سے افضل اور قیمتی سمجھتے ہیں ۔ اس لڑکی کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوگا جو بڑا ہو کر اہل اللہ کی جماعت کا سرتاج قرار دیا جائے

گا اور عالم کا مقتدا و پیشوا تسلیم ہوگا ۔ چوں کہ وہ ہماری اس معنوی میراث کا مستحق ہوگا لہٰذا یہ تمام اوراق اس کے حوالے کردینا ۔ رہا شادی کا سامان ، اس کے فکر کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے وہ خود یہ اسباب فراہم کردے گا ۔ چناں چہ جب شاہ صاحب پیدا ہوئے اور ابتدائی عمر کے مرحلے طے کرکے سن رشد کو پہنچے تو آپ کی نانی نے وہ اوراق آپ کے سپرد کردیے ۔

۲ ۔ شاہ صاحب نے اپنے ماموں شیخ عبدالحئی کا ایک واقعہ ان الفاظ میں قلمبند کیا ہے ۔

"میرے ماموں شیخ عبدالحئی ایک نہایت صالح اور خدا ترس آدمی تھے ۔اتقا و پرہیزگاری کے سوا دنیا اور اہل دنیا سے طبعی نفرت رکھتے اور بالکل اپنے اسلاف کے قدم بقدم چلتے تھے ۔ گو اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت میں بے انتہا کوشش کرتے تھے لیکن خدا کی شان کہ ان کی طبیعتیں متاثر نہ ہوتی تھیں اور لکھنے پڑھنے کی طرف ذرا متوجہ نہ تھے جس کی وجہ سے بزرگ شیخ اپنی فلاح اور معزز خاندان کے نام کو برقرار رکھنے سے بالکل مایوس و نا امید ہوگئے تھے ۔ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ ماں باپ دولت مند ہوں یا مفلس ان کی بوڑھی آرزوئیں اپنے ہونہار بچوں کی کوششوں سے وابستہ ہوتی ہیں لیکن جب وہ اپنی اولاد کے اطوار اس قسم کے دیکھتے ہیں جن سے کسی طرح کی امید نہیں بندھتی تو ان کی مایوسی و شکستہ دلی سخت خطرناک ہوتی ہے ۔ ایسی حرمانی اور مایوسی کے وقت اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ قبل از وقت جان دینے کو مصلحت و عزت سمجھتے ہیں اور بعض مرتے

نہیں تو مرنے سے بدتر ہوجاتے ہیں کیوں کہ ان کی زندگی نہایت دردناک طریقہ سے آخر ہوتی ہے ۔ بجنسہ یہی حالت شیخ عبدالحئی صاحب کی تھی ۔ آپ کو رہ رہ کر یہی خیال پیدا ہوتا تھا کہ افسوس جو علمی فضیلت ہمارے بزرگوں نے حاصل کی ہے ، میری اولاد کی بدلیاقتی اسے دنیا سے مٹا ڈالے گی ۔ یہی ایک خیال تھا جو شیخ کو ہمیشہ مغموم و رنجور رکھتا تھا ۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں بچپن کی حالت میں سر سے عمامہ اتار کر زانو پر رکھے ہوئے وضو کر رہا تھا اور جس قدر وضو میں سنن و آداب ہیں ، سب کی برابر رعایت کرتا جاتا تھا ۔ آپ نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر انتہا درجہ کا جوش مسرت ظاہر کیا اور نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا : خدا کا شکر ہے کہ میں اپنی اولاد کی ناقابلیت دیکھ دیکھ کر ہمیشہ ڈرتا تھا کہ ہمارے اسلاف کا سرِ ہماری اولاد سے منقطع ہوجائے گا لیکن اب مجھے قطعی طور پر معلوم ہوگیا کہ اس سرِ کا حامل ہمارے خاندان میں موجود ہے گو اپنی نسل میں نہ سہی ، بہن کی نسل میں موجود ہے ۔" (۱۲)

۳ ۔ شاہ عبدالرحیم نے ایک اور واقعہ تحریر کیا ہے جس سے آپ کی ذکاوت عیاں ہوتی ہے ۔

"ابھی میں خورد سال بچہ تھا کہ سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ خواجہ ہاشم بخارا سے آئے اور ہمارے محلہ میں سکونت اختیار کی ۔ جب مجھے دیکھتے تو محبت سے پیش آتے اور بہت ہی توجہ و التفات فرماتے ۔ ایک دفعہ فرمایا : مجھے ایک درود یاد ہے جس کا حامل ہمیشہ متمول و دولت مند رہتا ہے ۔ چوں کہ

میرا دل اس وقت دنیا کے تمام تعلقات سے منقطع تھا اس لئے ان کے جواب میں عرض کیا کہ جب خدا تعالیٰ مجھے بلاواسطہ قوت لا یموت پہنچاتا ہے اور میری ضروریات کا وہ خود متکفل ہوچکا ہے تو اب میں دوسرے سے کوئی حاجت نہیں رکھتا ۔ خواجہ ہاشم میرے اس برجستہ اور معقول جواب کو سن کر خاموش ہوگئے لیکن چند روز کے بعد فرمایا کہ ہمیں ایک ایسی مؤثر دعا سینہ بسینہ پہنچی ہے کہ اگر مجذوم پر پڑھ کر پھونکی جائے تو اس کا جذام فوراً جاتا رہے ۔ میں نے کہا : خدا کا شکر ہے کہ میں اس خبیث اور موذی مرض سے محفوظ ہوں ۔ ہاں اگر کوئی مبتلائے جذام میری نظر پڑے گا تو اسے خدمت مبارک میں لا کر حاضر کروں گا ۔ آخر کار چند روز کے بعد خواجہ ہاشم نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کے برخوردار من ! اس درود و دعا کے ذکر کرنے سے مجھے تمہارا شکار کرنا مقصود تھا کیوں کہ تم استعداد عالی رکھتے ہو ۔ اب امتحان سے معلوم ہوا کہ تم میرے خیال سے بھی بڑھ کر عالی ہمت ، حوصلہ مند ، بلند خیال اور دقیق النظر ہو ۔ میرا دلی مقصد یہ تھا کہ تم اشغال صوفیہ میں سے کوئی شغل اختیار کرو ۔ میں نے خواجہ کی یہ دل سوزی دیکھ کر کہا تو آپ ہی کوئی شغل بتائیے ۔ چناں چہ خواجہ نے مجھے اسم ذات کی تلقین کی اور فرمایا کہ ایک کاغذ کے تختہ پر ہمیشہ اسم ذات کو لکھتے رہو ۔ یہاں تک کہ تمہارے خیال میں بڑی مضبوطی اور استحکامی کے ساتھ بیٹھ جائے ۔ میں نے اس شغل کو اختیار کیا اور چند ہی روز میں اس کی کیفیت مجھ پر غالب ہوگئی ۔ اس زمانہ میں مَیں

شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھتا تھا اور حاشیہ ملا عبدالحکیم کے لکھنے کا ارادہ تھا ۔ جب میں نے لکھنا شروع کیا تو ایک جزو کے قریب اسم ذات لکھ گیا اور مجھے بالکل شعور نہ ہوا کہ کیا لکھ رہا ہوں ۔" (۱۵)

آپ کے بارے میں شاہ ولی اللہ کی رائے : شاہ ولی اللہ جیسے ہمہ جہت فاضل کی شاہ عبدالرحیم کے بارے میں درج ذیل رائے تھی ۔

"اس نیلگوں آسمان کے نیچے جناب شیخ عبدالرحیم صاحب سے زیادہ فنِ حدیث میں طاق اور جاننے والا اس عہد میں کوئی نہ تھا ۔ اگر میں انصاف سے آپ کی نسبت کوئی رائے ظاہر کروں تو بلا تامل اس امر کا اعتراف کروں گا کہ میں نے ان جیسا ایک شخص بھی نہیں دیکھا جو تمام علوم میں عموماً اور حدیث و فقہ میں خصوصاً تبحر رکھتا ہو ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بعد آپ جیسے محدث و مفسر فقیہ کو ہندوستان کی گود میں پرورش پانا بہت کم نصیب ہوا ہوگا ۔ آپ کو صحاح کی اکثر حدیثیں ازبر تھیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ تمام حدیثیں مع اسناد کے بلا توقف نقل کرنے میں ملکہ خاص حاصل تھا ۔" (۱۶)

شاہ ولی اللہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے :

"میں اپنے والد بزرگوار کے علم کے آگے دنیا بھر کے علماء کے علوم کو بالکل ایسا دیکھتا ہوں جیسے دریا کے مقابلہ میں قطرہ ۔" (۱۷)

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں حصہ

فتاویٰ عالمگیری اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں مدون ہوا تھا اور اسی کے زمانے میں اس پر نظر ثانی ہورہی تھی ، اس میں سے کچھ کام شیخ حامد کے

سپرد ہوا جو مرزا زاہد بیگ کے درس میں شاہ عبدالرحیم کے شریک سبق تھے ۔ وہ شاہ صاحب کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ وہ بھی ان کے ساتھ شریک ہوجائیں ۔ اس کے عوض ان کے نام روزینہ مقرر ہوجائے گا ۔ شاہ صاحب اسے قبول نہیں کرنا چاہتے تھے تاہم والدہ کے اصرار پر مجبوراً اسے قبول کرنا پڑا مگر خلیفہ ابو القاسم نے اس کام کو ترک کرنے پر اصرار کیا ۔ شاہ صاحب نے گذارش کی کہ ترک کرتا ہوں تو والدہ ناراض ہوتی ہیں ۔ چند دن کے بعد بادشاہ نے انہیں اس کام سے سبکدوش کردیا ۔

اولاد

آپ کے اولاد ذکور میں تین صاحبزادے ہیں جن کے اسمائے گرام اس طرح ہیں ۔ آپ کی پہلی بیوی سے شیخ صلاح الدین ۔ دوسری بیوی سے شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ ۔

انتقال

۱۲ صفر ۱۱۳۱ ھ کو تقریباً چھ ماہ مرض میں مبتلا رہنے کے بعد آپ کا انتقال ہوا ۔

حواشی

۱ ۔ شاہ ولی اللہ دہلوی ، امداد فی مآثر الاجداد مشمولہ انفاس العارفین ، دہلی مطبع مجتبائی ، ص – ۱۵۸

۲ ۔ Fazle Mahmud , Dr. "Life and Works of Shah Wali Allah , La-hore , Maktaba Rashidia , p

۳ ۔ امداد فی مآثر الاجداد محولہ بالا ، ص – ۱۵۸ ، ۱۵۹

٤ ۔ ایضاً ، ص – ۱۵۹

٥ ۔ ایضاً ، ص – ۱٦۱

٦ ۔ ایضاً ، ص – ۱٦۲

۷ ۔ ایضاً

۸ ۔ ایضاً

۹ ۔ ایضاً ، ص – ۱٦۲ ، ۱٦۳

۱۰ ۔ ایضاً ، ص – ۱٦۳

۱۱ ۔ ایضاً ، ص – ۱٦٤ ، ۱٦٥

۱۲ ۔ ایضاً ، ص – ۱٦٥

۱۳ ۔ ایضاً ، ص – ۱٦۷

۱٤ ۔ دہلوی ، مولانا رحیم بخش ، حیات ولی ، لاہور ، مکتبہ طیبہ ، ۱۹۷۲ء ، ص – ۱٦۷

۱٥ ۔ ایضاً ، ص = ۱٦۸

۱٦ ۔ ایضاً ، ص = ۱۷٥

۱۷ ۔ ایضاً

سوانح

ولادت

بارھویں صدی کے یہ مجدد جنہیں دنیا شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے نام سے جانتی ہے ، ۴ شوال ۱۱۱۴ ھ (۱) بمطابق ۲۱ فروری ۱۷۰۳ ع (۲) کو بدھ کے روز طلوع آفتاب کے وقت پیدا ہوئے - (۳) مولد و منشا طفولیت ضلع مظفر نگر کا ایک موضع پھلت تھا - (۴)

نام

شاہ صاحب کا بشارتی نام قطب الدین احمد (۵) اور تاریخی نام عظیم الدین تھا - (۶) والد کا رکھا ہوا نام ولی اللہ تھا - (۷) خود شاہ صاحب نے اپنا نام عبداللہ بھی لکھا ہے - (۸) شاہ صاحب کے بڑے بیٹے کے نام پر ان کی کنیت ابو محمد تھی - (۹) عالم بالا میں ان کی کنیت ابو الفیاض بیان کی گئی ہے - (۱۰) نیز زکی اور حکیم کے القاب خواب میں انہیں القا کئے گئے - (۱۱) اشعار میں آپ امین تخلّص کرتے ہیں - (۱۲) بلا شبہ شاہ صاحب اس کنیت اور القاب کے سزاوار بھی ہیں - شاہ صاحب کا فیضان صدیوں پر پھیلا ہوا ہے - ان کی ذکاوت اور ان کی حکمت دنیائے علم و تاریخ کے مسلمات میں سے ہیں -

قبل از ولادت مبشرات

شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم ایک دفعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر گئے - وہاں (خواب میں) خواجہ صاحب کی روح نے ظاہر ہوکر شاہ عبدالرحیم سے کہا کہ عنقریب تمھارے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا - اس کا نام

قطب الدین احمد رکھنا ۔ چوں کہ شاہ عبدالرحیم کی اہلیہ سن شباب کے تمام مرحلے طے کرکے زمانہ ایاس تک پہنچ چکی تھیں اور اس عمر میں عادتاً ولادت کا تحقق نہیں ہوتا اس لئے شاہ عبدالرحیم نے گمان کیا کہ شائد خواجہ صاحب کی مراد یہ ہے کہ ان کے ہاں پوتا پیدا ہوگا تو اس کا نام قطب الدین احمد رکھا جائے لیکن خواجہ صاحب نے اس اندیشے کو دور کردیا اور کہا کہ یہ لڑکا تمہارے ہی صلب سے پیدا ہوگا ۔ چناں چہ اس واقعے کے تھوڑے دنوں کے بعد شاہ عبدالرحیم نے نکاح ثانی کیا اور اس سے شاہ ولی اللہ پیدا ہوئے تو آپ کا نام قطب الدین احمد رکھا ۔ (۱۳)

شاہ عبدالرحیم اپنی زندگی کے ساٹھ سال پورے کرچکے تو انہیں منکشف ہوا کہ ان کے ہاں ایک صاحب کمال بیٹا پیدا ہوگا جس کا ستارہ اقبال شہرت کے عروج تک پہنچے گا ۔ اس سے شاہ عبدالرحیم کو دوسری شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا ۔ جب شیخ محمد نے یہ باتیں سنیں تو ان کی یہ خواہش ہوئی کہ وہ صاحب کمال ان کی بیٹی کے بطن سے ہو ۔ چناں چہ شیخ محمد نے اس امر کے باوجود کہ شاہ عبدالرحیم کی عمر کافی ہوگئی تھی اپنی بیٹی کا عقد شاہ عبدالرحیم سے کردیا ۔ شادی کے بعد بعض نکتہ چینوں نے اعتراض کیا اور طعنے دیے تو شاہ عبدالرحیم نے فرمایا کہ ابھی میری کافی عمر باقی ہے اور میرے ہاں اس کے علاوہ بھی فرزند پیدا ہوں گے ۔ اس کے بعد شاہ عبدالرحیم سترہ برس اور زندہ رہے اور ان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے ۔ (۱۴)

ایک رات شاہ صاحب کے والدین تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے ۔ نماز کے بعد شاہ عبدالرحیم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور شاہ صاحب کی والدہ آمین کہہ رہی تھیں کہ اچانک ان کے درمیان دو ہاتھ نمودار ہوئے ۔ شاہ عبدالرحیم نے کہا کہ یہ ہاتھ ان کے پیدا ہونے والے بچے کے ہیں ۔ جب شاہ ولی اللہ سات برس کے ہوئے

تو والدین کے ساتھ نماز تہجد میں شریک ہوئے اور اسی طرح ان کے درمیان ہاتھ اٹھائے تو شاہ عبدالرحیم نے بے اختیار کہا ۔ "ھٰذا تاویل رویای من قبل قد جعلہا ربی حقاً ۔" (۱۵)

ابھی شاہ ولی اللہ رحم مادر ہی میں تھے کہ شاہ عبدالرحیم نے ایک بھکارن کو فی سبیل اللہ نصف روٹی دی پھر اسے بلا کر دوسری نصف بھی دے دی اور کہا کہ یہ بچہ جو ابھی پیٹ میں ہے یہ کہہ رہا ہے کہ خدا کی راہ میں پوری روٹی دینا چاہیے ۔ (۱٦)

تعلیم و تربیت

شاہ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ۔ پانچ سال کی عمر میں پڑھنا شروع کیا ۔ سات سال کی عمر میں نماز کی پابندی شروع ہوئی ، اسی سال قرآن مجید ختم کیا اور دیگر علوم پڑھنا شروع کئے ۔ شاہ عبدالرحیم نے آپ کی تربیت اس انداز سے کی کہ آپ کا دل کھیل کود اور بچگانہ مشاغل سے اچاٹ ہوگیا ۔ شاہ صاحب ایک دفعہ اپنے ایام طفولیت میں اپنے احباب اور رشتے داروں کے ہمراہ باغ کی سیر کو گئے ، جب واپس لوٹے تو آپ کے والد نے استفسار کیا کہ اے فلاں ! اس دن رات میں تو نے کیا حاصل کیا جو تیرے لئے باقی رہے ۔ یہ دیکھو کہ ہم نے اس مدت میں اس قدر درود شریف پڑھ لیا ہے - (۱۷) یہ بات سننا تھی کہ آپ کے دل سے باغات کی سیر کا شوق جاتا رہا اور پھر کبھی ایسا خیال پیدا نہیں ہوا ۔ آپ نے اپنے والد سے درج ذیل علوم حاصل کئے ۔

الف ۔ تفسیر بیضاوی (کچھ حصہ) مدارک (کچھ حصہ)

ب ۔ حدیث مشکوٰۃ (کتاب البیوع سے کتاب الاداب کے علاوہ پوری کتاب)

صحیح بخاری (شروع سے کتاب الطہارت تک)

شمائل النبی (اول سے آخر تک)

ج ۔ اصول فقہ   حسامی ، توضیح و تلویح

د ۔ فقہ   شرح وقایہ ، ہدایہ کی دو جلدیں (صرف تھوڑا سا حصہ چھوڑ دیا گیا)

ہ ۔ منطق   شرح شمسیہ کامل اور بعض مختصرات

و ۔ کلام   شرح عقائد کامل ، شرح خیالی اور شرح مواقف کے کچھ حصے ۔

ز ۔ تصوف و سلوک   عوارف المعارف کا بڑا حصہ اور رسائل نقشبندیہ

ح ۔ علم الحقائق   شرح رباعیات ، لوائح ، مقدمہ شرح لمعات ، مقدمہ نقد النصوص

ط ۔ خواص اسماء حقائق   شاہ عبدالرحیم کا ترتیب دیا ہوا مجموعہ

ی ۔ علم طب   موجز القانون

ک ۔ علم حکمت   شرح ہدایۃ الحکمہ وغیرہ

ل ۔ علم النحو   کافیہ ، شرح ملا جامی

م ۔ علم المعانی   مطول کا بہت بڑا حصہ اور مختصر معانی (اس مقام تک جہاں تک ملا زادہ کا حاشیہ ہے)

ن ۔ علم ہندسہ و حساب   بعض مختصر رسائل

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ان کتابوں کے پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں اس قدر فراخی اور وسعت پیدا ہوگئی کہ ہر فن کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل ادنیٰ توجہ سے حل ہو جاتے تھے ۔

ان تمام علوم سے آپ پندرہ برس کی عمر میں فارغ ہوگئے تو آپ کے والد نے بہت سا کھانا تیار کرایا اور خاص و عام کی دعوت کی اور آپ کو درس دینے کی اجازت عطا کی ۔ (۱۸)

ازدواج میں عجلت

ابھی شاہ صاحب کی عمر چودہ برس کی تھی کہ آپ کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا گیا اور اس شادی میں بڑی عجلت سے کام لیا گیا ۔ جب شاہ صاحب کے سسرال والوں نے اسباب کے مہیا نہ ہونے کا عذر کیا تو شاہ عبدالرحیم نے انہیں لکھا کہ اس عجلت میں راز ہے ۔ اور یہ راز اس کے بعد اس وقت کھلا جب تھوڑے ہی عرصے میں شاہ صاحب کی ساس ، ان کی اہلیہ کے نانا ، شیخ ابو الرضا محمد کے صاحبزادے شیخ فخرالعالم ، شاہ صاحب کی سوتیلی والدہ (شیخ صلاح الدین کی والدہ) اور پھر آخر میں شاہ عبدالرحیم انتقال کرگئے ۔

اس کے بعد یہ حقیقت سب پر واضح ہوگئی کہ اگر اس وقت یہ شادی انجام نہ پاتی تو پھر برسوں تک اس شادی کا کوئی امکان پیدا نہ ہوتا ۔ (۱۹)

سفر حرمین

شاہ ولی اللہ ابھی صرف سترہ برس کے تھے کہ آپ کے والد گرامی شاہ عبدالرحیم انتقال کرگئے ۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے اپنے والد گرامی کی مسند ارشاد پر بیٹھ کر بارہ برس تک درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا ۔ اسی اثناء میں آپ پر حج کا شوق غلبہ پذیر ہوا ۔ شاہ صاحب مخدوم معین الدین سندھی کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں ۔

> "میں حج بیت اللہ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی زیارت کے قصد سے باز نہیں رہ سکتا کیوں کہ اگر کسی وجہ سے وطن سے نکلنے کا اتفاق ہوجائے تو پھر ان دونوں متبرک مقامات کے علاوہ اور کہیں کا قصد کرنا زیبا نہیں ہے ۔" (۲۰)

آپ ۱۱۴۳ ھ میں حج کے لئے روانہ ہوئے ۔ اسی سال کے آخر میں حج کی سعادت سے مشرف ہوئے ۔ پھر ۱۱۴۴ ھ میں دوبارہ حج کی سعادت حاصل کی

اور ۱۱۴۵ ھ کے آغاز میں عرب سے روانہ ہو کر ۱۴ رجب ۱۱۴۵ ھ کو وطن واپس پہنچے - (۲۱)

وفات

شاہ صاحب چند روز کی خفیف سی بیماری میں مبتلا رہ کر ۲۹ محرم ۱۱۷۶ ھ بمطابق ۲۰ اگست ۱۷۶۲ ع کو واصل الی الحق ہوئے - (۲۲) آپ کی عمر سن ہجری کے حساب سے اکسٹھ برس ، تین ماہ اور پچیس دن تھی اور سن عیسوی کے مطابق انسٹھ برس اور چھ ماہ تھی -

تدفین

شاہ صاحب کو مہندیوں کی مسجد کے بائیں طرف ان کے والد شاہ عبدالرحیم کے پہلو میں دفن کیا گیا - ان کی پائنتی شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے مزارات ہیں - شاہ عبدالعزیز کا مزار شاہ ولی اللہ کے مزار کے پاس مغرب کی جانب ہے - (۲۳)

قطعہ تاریخ وفات

آپ کی تاریخ وفات ان قطعات سے نکلتی ہے -

"او بود امام اعظم دین"

۱۱۷۶ ھ

ہائے دل روزگار رفت

بست نہم محرم وقت ظہر

(۲۴)

حواشی

۱ ۔ ولی اللہ دہلوی ، شاہ " الجز اللطیف فی ترجمة العبد الضعیف" مشمولہ انفاس العارفین ، دہلی ، مطبع مجتبائی ، ۱۳۳۵ ھ ، ص - ۲۰۲

بعض حضرات نے شاہ صاحب کی تاریخ پیدائش ۴ شوال کے بجائے ۱۴ شوال ۱۱۱۴ ھ بتائی ہے ۔ ملاحظہ کیجئے :

شریف عبدالحئی ، علامہ بن فخر الدین الحسینی ، "نزھة الخواطر و بھجة المسامع و النواظر" حیدرآباد دکن ، مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ ، اول ۱۹۵۷ ع جلد ششم ، ص - ۳۹۹

نظامی ، خلیق احمد "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" علی گڈھ ، ایم یو پریس ، ص - ۱۷۹

۲ ۔ محمد اکرام شیخ ، "رود کوثر" لاہور ، فیروز سنز ، ۱۹۵۸ ع ، ص - ۵۳۴

"اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ" کے مقالہ نگار نے شاہ صاحب کی تاریخ ولادت سن عیسوی میں ۱۰ فروری ۱۷۰۳ ع لکھی ہے ۔ ملاحظہ کیجئے " اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ" از ڈاکٹر محمد مظہر بقا ، اسلام آباد ، ادارہ تحقیقات اسلامی ، ۱۹۷۳ ع ، ص - ۵۵

علم التقویم کی رو سے مذکورہ تاریخ کو ہفتے کا دن اور رمضان المبارک کی ۲۳ تاریخ تھی ، ملاحظہ کیجئے "تقویم تاریخی" از عبدالقدوس ہاشمی ، کراچی ، مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی ، مئی ۱۹٦۵ ع ، ص - ۲۷۹

شاہ صاحب کے بعض مقالہ نگاروں نے شاہ صاحب کی پیدائش ۱۷۰۲ ع میں بتائی ہے ۔ ملاحظہ کیجئے : غلام حسین جلبانی "شاہ ولی اللہ کی تعلیم" حیدرآباد ،

شاہ ولی اللہ اکیڈمی ، ۱۹٦۳ ع ، ص - ۱

غلام حسین جلبانی ، "شاہ ولی اللہ جی زندگی" حیدرآباد ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی ، ص - ۱

ڈاکٹر صغیر حسین معصومی کا مقالہ مطبوعہ " سہ ماہی الحکمۃ" تیسرا شمارہ ، ص - ۱۵

۳ ـ بعض ستارہ شناسوں نے علم نجوم کے مطابق یہ کہا کہ شاہ صاحب کی پیدائش کے وقت حوت کا درجہ دوم طالع میں تھا اور شمس بھی اسی درجے میں تھا ـ زہرہ آٹھویں ، عطارد اکیسویں ، زحل دسویں اور حمل و مشتری پندرہویں درجے میں تھے اور سال علویین کے قران کا سال تھا ـ یہ قران درجہ اول میں تھا اور مریخ اس سے دوسرے درجے میں تھا اور راس سرطان تھا ـ ملاحظہ کیجئے : "الجز اللطیف" محولہ بالا ، ص - ۲۰۲

۴ ـ "اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ" محولہ بالا ، ص - ۵۵

۵ ـ ولی اللہ دہلوی شاہ "بوارق الولایۃ" مشمولہ انفاس العارفین محولہ بالا ، ص - ۴۵

ولی اللہ دہلوی ، شاہ " التفہیمات الالٰہیۃ" جلد دوم ، حیدرآباد ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی ، ۱۹٦۷ ع ، ص - ۱٦۸

٦ ـ "الجز اللطیف" محولہ بالا ، ص - ۲۰۲

اس نام سے ابجد کے حساب سے تاریخ ۱۱۱۵ ھ نکلتی ہے ـ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چوں کہ آپ کی پیدائش ۱۱۱۴ ھ میں ہوئی ہے اور نیا سال شروع ہونے میں صرف دو ماہ باقی تھے اس لئے تاریخ نکالنے والوں نے ان دو ماہ کو شمار نہیں کیا ـ

۷ ـ "بوارق الولایۃ" محولہ بالا ، ص - ۴۴۵ و دیگر تصانیف شاہ صاحب ـ

۸ ـ ولی اللہ دہلوی ، شاہ " مسلسلات" دہلی ، مطبع احمدی ص - ۴۳ (یہ

نام شاہ صاحب نے اپنے لئے خود تجویز کیا تھا)

۹ ـ برکاتی ، محمود احمد ، ”شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان“ لاہور مجلس اشاعت اسلام ، ۱۹۷٦ ع ، ص - ۱۴۷

۱۰ ـ بوارق الولایۃ“ محولا بالا، ص - ۴۵

۱۱ ـ ولی اللہ دہلوی ، شاہ ”الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ“ دہلی ، آرمی برقی پریس ، ۱۳۴۴ ھ ص - ۸

۱۲ ـ ”نزھۃ الخواطر“ محولہ بالا ، جلد ششم ، ص - ۳۹۸

شاہ صاحب کے اشعار ملاحظہ ہوں جن میں آپ امین تخلص کرتے ہیں ـ

امین رمزے دقیقے با تو گویم
بخود آغاز و نیز انجام کردند
حجاب وصل مطلوب ست دل بستن طلبہا
امین گر ترک مطلبہا نمی کردم چہ می کردم

افضل المطابع دہلوی ، ”حیات ولی“ دہلی ،

۱۳ ـ بوارق الولایۃ“ محولہ بالا ، ص - ۴۴ ، ۴۵

۱۴ ـ ایضاً ص - ٦۳

۱۵ ـ ایضاً ص - ٦۴

۱٦ ـ ایضاً

۱۷ ـ ایضاً

۱۸ ـ ”الجز اللطیف“ محولا بالا ـ ص - ۲۰۲ - ۲۰۳

۱۹ ـ ایضاً ص - ۲۰۳

۲۰ ـ حیات ولی “ محولہ بالا ، ص - ۵۳۵

۲۱ ـ ”الجز اللطیف“ محولہ بالا ، ص - ۲۰۴

۲۲ ـ "ملفوظات شاہ عبدالعزیز" کراچی ، پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز ، ۱۹٦۰ ع ، ص - ۹۵

محکمہ اوقاف پنجاب کی شائع کردہ شاہ صاحب کی "الانصاف" کے سرورق پر شاہ صاحب کا سن وفات ۱۷٦۴ ھ درج ہے -

ڈاکٹر بالیپوتہ نے شاہ صاحب کی تاریخ وفات ۱۹ محرم ۱۱۷٦ ھ بمطابق ۱۰ اگست ۱۷٦۲ ع لکھی ہے - ملاحظہ کیجئے : الحکمة کا پہلا شمارہ مطبوعہ دسمبر ۱۹٦۴ ع

۲۳ ـ عبدالحئی ، سیّد "دہلی اور اس کے اطراف" دہلی ، ۱۹۵۸ ع ، ص - ۳۵

۲۴ ـ "ملفوظات شاہ عبدالعزیز" محولہ بالا ، ص - ۹۵

اہل علم کی اراء

مرزا مظہر جان جاناں

حضرت شاہ ولی اللہ نے (تصوف کا) نیا طریقہ بیان کیا ہے اور وہ خدا شناسی کے راز کھولنے اور علوم کی باریکیاں بیان کرنے میں خاص طرز کے مالک ہیں ۔ علوم ظاہری میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ہی شاہ صاحب علمائے ربانی میں سے ہیں ۔ محقق صوفیوں میں جو ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر ہوں اور جنہوں نے علم کے راز بیان کرنے میں نئی ڈگر اختیار کی ہو ، ایسے چند ہی بزرگ گذرے ہیں ۔ (۱)

شاہ محمد عاشق پھلتی

راہ طریقت طے کرنے والوں اور طالبان حقیقت پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ خداوند تعالیٰ کسی کامل انسان کو اپنے علوم اسرار کے ظاہر کرنے کا ذریعہ بناتا ہے اور اسے بطور اپنے آلہ کار استعمال کرتا ہے اور اس کی زبان سے کلام کرتا ہے ۔ اس زمانے میں اس بلند مقام پر قطب الدین احمد ابو الفیاض ولی اللہ فائز ہیں جو محدثین میں سب سے بڑے محدث ، اپنے دور کے ولی و لسان اللہ ہیں ۔ (۲)

شاہ اسماعیل شہید

تحقیق کرنے والوں میں سب سے افضل ، نکتہ بینوں کے سرمایہ افتخار ، حکماء کے دستگیر ، عارفین کے امام اور سب سے بڑے خدا شناس شیخ ولی اللہ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی برکتوں سے بہرہ اندوز کرے ۔ (۳)

نواب صدیق حسن خان

اگر وجود او در صدر اول و در زمانہ ماضی می بود ، امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ می شد ۔ (۴)

مفتی عنایت احمد کاکوروی

شاہ ولی اللہ طوبیٰ کے ایک درخت تھے جس کی جڑیں ان کے گھر میں اور شاخیں امت محمدیہ کے ہر گھر میں تھیں ۔ (۵)

مولانا محمد قاسم نانوتوی

شاہ صاحب ان افراد امت میں سے ہیں کہ سر زمین ہند میں اگر صرف شاہ ولی اللہ ہی پیدا ہوتے تو ہندوستان کے لئے یہی فخر کافی تھا ۔ (٦)

مولانا شبلی نعمانی

ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شرو ع ہوا تھا ۔ اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوتا ۔ لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اخیر زمانے میں جب کہ اسلام کا نفس باز پسیں تھا ، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی ، رازی ، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑگئے ۔ (۷)

ابوالکلام آزاد

پھر بارہویں صدی کا ایک عظیم ترین ظہور علوم و معارف دیکھو ۔ زمین بنجر ہو چلی تھی پھر بھی کھیتوں کی سبزی ، چمنوں کی لالی سے کوئی گوشہ بالکل خالی نہ تھا ۔ تیرہویں صدی کے تمام کاروبار ، علم و طریقت کے اکابر و اساتذہ اسی صدی میں سربرآوردہ ہوئے ۔ بعض بڑے بڑے سلاسل درس و تدریس کی بنیادیں اس میں استوار ہوئیں ۔ بایں ہمہ معلوم ہے کہ وہ جو دور آخر کے فاتح اور سلطان عصر ہونے کا مقام اور قطبیت وقت کا وہ صرف حجة

الاسلام شاہ ولی اللہ ہی کے لئے تھا اور لوگ بھی بیکار نہ رہے ، کام کرتے رہے مگر جو کام یہاں انجام پایا وہ صرف یہیں کے لئے تھا ۔ (۸)

ابوالاعلیٰ مودودی

انہوں نے اسلام کے پورے فکری ، اخلاقی ، شرعی اور تمدنی نظام کو مرتب صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے ۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس میں وہ اپنے تمام پیش روؤں سے بازی لے گئے ہیں اگرچہ ابتدائی تین چار صدیوں میں بکثرت ایسے آئمہ گذرے ہیں جن کے کام کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذہن میں اسلام کے نظام حیات کا مکمل تصور رکھتے ہیں اور اسی طرح بعد کی صدیوں میں بھی ایسے محققین ملتے ہیں جن کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ و ہ اس تصور سے خالی ہوں گے لیکن ان میں سے کسی نے بھی جامعیت اور منطقی ترتیب کے ساتھ اسلامی نظام کو بحیثیت ایک نظام کے مرتب کرنے کی طرف توجہ نہیں کی یہ شرف شاہ ولی اللہ ہی کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ اس راہ میں پیش قدمی کریں ۔ (۹)

شیخ محمد اکرام

شاہ صاحب نہ صرف ہندوستانی علماء کے صدر نشین ہیں بلکہ اسلامی دنیا کی ممتاز ترین ہستیوں مثلاً امام غزالی یا امام ابن تیمیہ کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے کے مستحق ہیں اور کئی باتوں میں ان سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں ۔ (۱۰)

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں اللہ تعالیٰ دو شخصوں کو پیدا نہ کرتا اور ان سے اپنے دین کی دستگیری نہ فرماتا تو یوں تو اللہ تعالیٰ اپنے دین کا نگہبان ہے اور اس کی حفاظت دین کے ہزار طریقے ہیں لیکن بظاہر تیرہویں صدی تک یا تو اسلام ہندوستان سے بالکل فنا ہوجاتا یا اتنا بگڑ جاتا جتنا ہندو مذہب ۔ یہ دو

بزرگ ہندوستان کے مسلمانوں کے جلیل القدر محسن اور اسلام کے عظیم الشان پیشوا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں ۔ (۱۱)

حواشی

۱ ـ شریف عبدالئی ، علامہ بن فخر الدین الحسنی "نزہۃ الخواطر" جلد ششم ، حیدرآباد دکن ، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ ، اول ۱۹۵۷ ع ، ص - ۳۰۵

۲ ـ ولی اللہ دہلوی ، شاہ "فیوض الحرمین" اردو ترجمہ از عابد الرحمٰن صدیقی ، کاندھلوی ، مقدہ از خواجہ عبدالوحید ، کراچی، قرآن محل ، ص - ۸

۳ ـ شاہ اسماعیل شہید ، محمد ، دہلوی "عبقات"

۴ ـ "فیوض الحرمین" محولہ بالا ص - ۷

۵ ـ "نزہۃ الخواطر" جلد ششم ، محولہ بالا ، ص - ۳۰۶

٦ ـ ولی اللہ دہلوی ، شاہ "الخیر الکثیر" اردور ترجمہ از عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی ، کراچی ، قرآن محل ، ص - ۱۴

۷ ـ شبلی نعمانی ، علامہ "علم الکلام اور الکلام" کراچی ، مسعود پبلشنگ ہاؤس ، دوم ۱۹٦۷ ع ص - ۸۷

۸ ـ آزاد ، ابوالکلام ، "تذکرہ" کلکتہ ، البلاغ پریس ، اول ۱۹۱۹ ع ، ص - ۲۴۴

۹ ـ مودودی ، ابوالاعلیٰ مولانا سیّد ، "تجدید و احیائے دین" لاہور ، اسلامک پبلیکیشنز ، ہفتم ۱۹٦۱ ع ، ص - ۱۲۰ ، ۱۲۱

۱۰ ـ اکرام ، شیخ محمد "رود کوثر" لاہور، فیروز سنز ، ۱۹۵۸ ع ، ص - ۵٦۰

۱۱ ـ ندوی ، سیّد ابو الحسن علی "سیرت احمد شہید" جلد اول ، لاہور، خواجہ بک ڈپو ، ص - ۳٦

اخلاف

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی پہلی شادی اپنے ماموں شیخ عبیداللہ پھلتی کی صاحبزادی فاطمہ سے ۱۱۲۸ ھ میں ہوئی ۔ ان سے شاہ صاحب کے صاحبزادے شاہ محمد تولد ہوئے ۔ فاطمہ کےانتقال کے بعد شاہ صاحب نے ۱۱۵۷ ھ میں سونی پت کے سیّد ثناء اللہ کی صاحبزادی سیدہ ارادات سے نکاح کیا ۔ ان سے شاہ صاحب کے چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی ۔ بیٹوں کے نام ، شاہ عبدالعزیز ، شاہ رفیع الدین ، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی تھے صاحبزادی کا نام امۃ العزیز تھا ۔

شاہ محمد دہلوی

الیانع الجنی میں شاہ محمد کا تذکرہ اس انداز میں کیا گیا ہے ۔

"شاہ عبدالعزیز کے ایک بھائی تھے جو ان سے عمر میں بہت بڑے تھے ۔ ان کا نام محمد تھا وہ شاہ عبدالعزیز کے اخیافی بھائی تھے ۔ انہوں نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی تھی اور ان کی وفات بھی شاہ عبدالعزیز سے بہت پہلے ہوئی تھی ۔"(۱)

قیام زیادہ تر دہلی میں رہا ۔ شاہ ولی اللہ کے وصال کے وقت تک آپ دہلی میں تھے ۔ شاہ صاحب کے وصال کے بعد کچھ عرصہ آپ لکھنؤ بھی چلے گئے تھے ۔ اس کا تذکرہ شاہ عبدالعزیز نے اخون زادہ عبدالرحمٰن کے نام اپنے ایک مکتوب میں کیا ہے ۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں ۔

"بڑے بھائی شاہ محمد صاحب لکھنؤ میں نواب افضل خاں کی چھاؤنی میں رہتے ہیں ، بخیر ہیں ، اکثر ان کے خطوط آتے رہتے

ہیں ، مطمئن رہیں ۔" (۲)

انہی اخون زادہ کے نام ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں ۔

"بڑے بھائی حضرت شاہ محمد صاحب ابھی تک لکھنؤ میں قیام فرما ہیں ۔ ان کے خطوط اکثر آتے رہتے ہیں اور خیرو عافیت معلوم ہوتی رہتی ہے ۔ آج کل چند مہینے سے نواب افضل خان برادر نواب نجیب الدولہ مرحوم کے ساتھ رہتے ہیں اور نواب افضل خان خدمت بھی کرتے ہیں ۔" (۳)

آخر میں آپ بدھانہ اپنے نانہال میں منتقل ہوگئے تھے ۔ وہیں آپ کا انتقال ہوا ۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے جن کے حالات گوشہ گمنامی میں ہیں ۔

شاہ عبدالعزیز

شاہ محمد کی والدہ (شاہ ولی اللہ کی پہلی اہلیہ) کے انتقال کے بعد شاہ صاحب نے ۴۳ سال کی عمر میں سیدہ ارادت بنت سید ثناء اللہ سونی پت سے ۱۱۵۷ھ/۱۷۴۶ء میں دوسرا عقد کیا ۔ ان کے بطن سے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئی ۔

شاہ عبدالعزیز کی ولادت ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۸ء میں ہوئی جب کہ شاہ صاحب کی عمر ۴۵ برس ہوگئی تھی ۔ شاہ صاحب کی عرفیت مسیتا تھی ۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے ۔

"شاہ عبدالعزیز سے پہلے اور شاہ محمد کے بعد ان کے والدین کے بہت سے بچے اللہ کو پیارے ہوچکے تھے ۔ اس لئے والدین اور اعزہ کو اولاد کی بڑی آرزو تھی چناں چہ ان کی ولادت کے وقت بہت سے بزرگ اور اولیاء مسجد میں معتکف تھے جب آپ پیدا ہوئے تو غسل کے بعد انہیں مسجد میں ڈال دیا گیا گویا خدا کی

نذر کردیا گیا پھر ان معتکف بزرگوں نے انہیں محراب سے اٹھا کر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے والدین کو بخش دیا ۔" (۴)

آپ کی تعلیم و تربیت شاہ ولی اللہ کی نگرانی میں ہوئی ۔ شاہ صاحب ان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے ۔ ابھی تعلیم میں مصروف تھے کہ شاہ ولی اللہ کا انتقال ہوگیا چناں چہ تعلیم کی تکمیل خواجہ محمدامین ، شاہ محمد عاشق اور شیخ نوراللہ بڈھانوی سے کی ۔

حصول تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے والد کی مسند درس و ارشاد پر بیٹھ کر تقریباً ساٹھ برس تک تحریر و تقریر سے دین و طالبان علوم دین کی خدمت کی ۔

آپ کا نظام الاوقات یہ تھا کہ روزانہ صبح کو طلوع آفتاب کے وقت قاری شاہ محمد اسحاق سے ایک رکوع قرآن شریف سنا کرتے تھے ۔ جمعہ اور منگل کو بطور وعظ درس قرآن دیا کرتے تھے جس میں ہزاروں آدمی ہوتے تھے ۔

آپ نے اپنے اعزہ کو سلسلہ قادریہ میں ، امراء و سلاطین کو سلسلہ چشتیہ میں اور دوسروں کو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کیا ۔

ل ب۲ ب۱۳۷ خ"

۷ شوال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء آپ کا انتقال ہوا

شاہ رفیع الدین دہلوی

آپ شاہ عبدالعزیز سے چار برس چھوٹے تھے ۔ آپ کی پیدائش ۱۱۶۳ھ مطابق ۱۷۴۹ء میں ہوئی ۔ والد کی وفات کے وقت آپ کی عمر بارہ ، تیرہ برس تھی ۔ تحصیل علوم اپنے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز اور ماموں شاہ محمد عاشق سے کی ۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد علماء و فقراء کی ایک مجلس میں ان کے دستار تبرک باندھی گئی اور درس کی اجازت دی گئی ۔ جب شاہ عبدالعزیز

مختلف عوارض کا شکار ہوئے اور کمزوری میں بہت اضافہ ہوگیا تو آپ ہی پر ان کے اسباق کی ذمہ داری بھی آگئی اور اس طرح مدرسہ کی صدارت بھی آپ ہی کے سپرد ہوئی ۔ آپ کو اپنے بھائیوں میں یہ امتیاز حاصل تھا کہ مذہبی علوم کے ساتھ معقولات میں بھی کمال حاصل تھا ۔ شاہ عبدالعزیز نے ایک مرتبہ آپ کے بارے میں رائے دی کہ میرے ہزاروں شاگردوں میں سے مولوی رفیع الدین کو خاص مرتبہ حاصل ہے ۔ ریاضیات میں تو انہیں موجد کا مقام حاصل ہے ۔ ایک بار فرمایا : "فن ریاضی میں مولوی رفیع الدین کی مثال ہندو ولایت میں نہیں ملے گی ۔" (۵)

آپ نے تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کی طرف بھی مناسب توجہ کی ۔

وفات

۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء میں دہلی میں ہیضے کی وبا پھیلی ۔ اس سے شاہ رفیع الدین بھی متاثر ہوئے ۔ جب مرض نے شدت اختیار کرلی تو شاہ عبدالعزیز نے حفاظ کو سورہ تبارک و سورہ یٰس کی تلاوت کا حکم دیا ۔ ان کی وفات کے بعد عزیزوں کو تسلی دی ۔ شاہ عبدالعزیز ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ میرے ان سے چار رشتے تھے ۔ (۱) حقیقی بھائی تھے ۔ (۲) والد مرحوم نے فرمایا تھا کہ یہ تیرا بیٹا ہے ۔ (۳) میری دایہ کا انہوں نے بھی دودھ پیا تھا ۔ (۴) میرے شاگرد تھے ۔

آپ ہی کی وفات پر شاہ عبدالعزیز نے یہ بھی فرمایا کہ ہم چاروں حقیقی بھائیوں کی رحلت میں ترتیب منعکسہ واقع ہوئی ہے ۔ سب سے پہلے سب سے چھوٹے بھائی مولوی عبدالغنی گئے ، ان کے بعد ان سے بڑے مولوی عبدالقادر ، ان کے بعد ان سے بڑے مولوی رفیع الدین ۔ اب میری باری ہے میں جو ان میں سب سے بڑا تھا ۔

اخلاف

شاہ رفیع الدین کے چھ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں ۔ صاحبزادوں کے نام مولوی محمد عیسیٰ ، مولوی مصطفیٰ ، مولوی مخصوص اللہ ، مولوی محمد حسین ، مولوی محمد موسیٰ اور مولوی محمد حسن تھے ۔

شاہ عبدالقادر دہلوی

آپ ۱۱٦۷ھ مطابق ۱۷۵۳ء میں پیدا ہوئے ۔ والد کی وفات پر آپ کی عمر صرف نو برس تھی ۔ آپ نے تحصیل علوم اپنے ماموں شاہ محمد عاشق و دیگر علماء سے کی ۔ آپ شاہ عبدالعدل دہلوی سے بیعت تھے ۔

سادگی

۳۰ سال تک آپ اکبرآبادی مسجد کے ایک حجرے میں رہے ۔ ہفتہ میں ایک روز بدھ کے دن شاہ عبدالعزیز اور دوسرے اعزہ سے ملنے مسجد سے مکان میں آیا کرتے تھے ۔

علمی خدمات

آپ نے ۱۲۰۵ ھ میں قرآن مجید کا اردو ترجمہ مکمل کیا ۔ اس کا تاریخی نام موضح القرآن ہے ۔

وفات

آپ کا انتقال ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۴ء میں ہوا ۔ اولاد میں صرف ایک صاحبزادی تھیں ۔

شاہ عبدالغنی دہلوی

آپ کی ولادت ۱۱۷۱ھ مطابق ۱۷۵۸ء میں ہوئی ۔ والد کی وفات کے وقت عمر صرف چار پانچ برس تھی اور اس وقت آپ قرآن مجید حفظ کررہے تھے ۔ حفظ قرآن کے بعد مروجہ علوم کی تعلیم شروع کی ۔ آپ کے حالات زندگی پردہ

اخفا میں ہیں -

آپ کا انتقال ۱۲۰۳ ھ مطابق ۱۷۸۹ ء میں ہوا جب کہ آپ صرف تیس ، بتیس برس کے تھے - آپ کی اولاد میں ایک صاحبزادے شاہ اسماعیل اور دو صاحبزادیاں تھیں -

آپ بڑے صاحب کشف و کرامات ، عارف کامل ، زاہد و پرہیز گار ، یکتائے روزگار تھے -

حواشی

۱ ـ الترہتی ، محسن بن یحییٰ ، الیانع الجنی بحوالہ شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان از برکاتی ، محمود احمد ، حکیم ، لاہور مجلس اشاعت اسلام ، اول ۱۹۷۶ ء ، ص – ۱۴۴

۲ ـ برکاتی ، محمود احمد ، حکیم ، لاہور، مجلس اشاعت اسلام ، اول ۱۹۷۶ ء ، ص – ۱۴۸

۳ ـ ایضاً

۴ ـ دہلوی ، شاہ عبدالعزیز ، ملفوظات شاہ عبد العزیز، پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز ، ۱۹۶۰ء ، ص – ۱۰۹

۵ ـ ایضاً ، ص – ۴۰ و ۶۲

باب سوم

فصل اول:

مذہبی حالات

فصل دوم:

معاصر صوفیاء

فصل سوم:

مذہبی فتنے

مذہبی حالات

اٹھارویں صدی کے سیاسی ، معاشی اور معاشرتی حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے میں بگاڑ کا ناسور بری طرح پک چکا تھا ۔ صوفیاء اور علماء بھی اسی معاشرے کے افراد تھے ۔ اس بگاڑ اور افراتفری کا اثر ان پر پڑنا لازمی تھا اور پھر یوں تو ہر دور میں جہاں اہل اللہ غلغلہ اسلام بلند کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہاں ایک طبقہ ایسا بھی ہوتا ہے جو ان جیسی شکل و صورت بنا کر اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین و تکمیل کے لئے کسی زبوں حرکت کا ارتکاب کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا ۔ شاہ ولی اللہ کا دور بھی جاہل صوفیوں اور علماء سو کے وجود سے خالی نہ تھا ۔ سیاسی انتشار کا لازمی نتیجہ ذہنی پراگندگی ہوتا ہے ۔ خوشحال خان خٹک (متوفی ۲۸ ربیع الثانی ۱۱۰۰ ھ) جن کا انتقال شاہ صاحب کی پیدائش سے چند سال پیشتر ہوا تھا ، اپنے علاقے کے جاہل صوفیوں اور عالموں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں ۔

"جو کوئی کنز و قدوری پڑھ لیتا ہے وہ ملاّ بن بیٹھتا ہے پھر ہر حلال اور حرام کو اپنے لئے جائز قرار دے لیتا ہے حالاں کہ نہ تو وہ کنز کے دقائق سے واقف ہوتے ہیں نہ قدوری سے کچھ بصیرت رکھتے ہیں بس کتابیں سر پر لاد کر ملاّ بن جاتے ہیں اور گاؤں گاؤں ، محلے محلے چوری ٹھگی کرتے پھرتے ہیں ۔ رشوتیں لے کر شریعت کی جڑیں کاٹتے ہیں ۔ جھوٹی روایتوں کے بل پر اپنے آپ کو قاضی جتاتے ہیں ، مسجد میں آکر پانچ وقت آذان دیتے ہیں

لیکن اگر زکوٰۃ و فطرہ نہ ملے تو مسجد کو ڈھا بھی دیتے ہیں ۔

لکھنا پڑھنا نہیں آتا البتہ ٹھگی خوب جانتے ہیں ، تعویذ دیتے ہیں اور جھوٹ موٹ کچھ لکھ دیتے ہیں ۔" (۱)

جاہل صوفی جنکو دین کا علم مطلق نہ تھا ، اپنی جھوٹی شان و شوکت ، قبا اور جبے عمامے سے بناتے تھے اور یوں پیری مریدی کا کاروبار چلاتے تھے ۔ خوشحال خان خٹک مزید کہتے ہیں :

"صرف کلاہ ، پگڑی اور شجرہ دیکھ کر پیری مریدی کی جاتی ہے ۔ اگر پیری مریدی یہی ہے تو یہ تو اس کی بھد اڑانا ہے ۔" (۲)

شاہ صاحب نے ایسے جاہل صوفیوں کو راہ زن اور ڈاکو قرار دیا اور انہیں دجالوں کذابوں اور فتانوں میں سے گردانا (۳) اور ان سے بچنے کے لئے ایک ایسا قاعدہ کلّیہ بتایا جس کو اپنا کر جھوٹے اور سچے کی پہچان ہوسکتی ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے :

"خبردار ! خبردار ! ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا جو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنّت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور اپنی طرف بلاتا ہو ۔" (۴)

بیشتر صوفیاء عیش و عشرت کی زندگی گذارنے کے لئے اخلاق و کردار کی ہر خوبی سے عاری ہوچکے تھے ۔ "تاریخ مشائغ چشت" کے تعارف میں پروفیسر محمد حبیب لکھتے ہیں :

"اٹھارویں صدی میں بیشتر صوفیہ کی حالت زبوں تھی ۔ وہ مغل منصب داروں اور اودھ کے بدکار امراء سے بھی کہیں زیادہ پست ہوچکے تھے ۔" (۵)

شاہ صاحب نے ان صوفیاء اور علماء کو یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان

سے تشبیہہ دی اور کہا کہ اگر احبار یہود کی حالت دیکھنا چاہو تو آج کل کے علماء کو دیکھ لو اور اگر عیسائیوں کا نقشہ دیکھنا چاہتے ہو تو آج کل کے مشائخ کے سامنے بیٹھ کر کھینچ لو ۔ (٦) فقہاء کی حالت کے بارے میں شاہ صاحب کہتے ہیں :

"اس زمانے میں فقیہہ اس شخص کا نام ہے جو باتونی ہو ۔ زور زور سے ایک جبڑے کو دوسرے پر پٹکتا ہو ۔ جو فقہاء کے اقوال قوی ہوں یا ضعیف ، سب کو یاد کرکے بغیر اس امتیاز کے کہ ان میں سے کس میں (علمی) قوت ہے کس میں نہیں ہے ، وہ انہیں اپنے جبڑوں کے زور سے چلتا کرتا رہے ۔ (٧)

اس زمانے کے فقیہوں کا خیال یہ ہے کہ طویل و ضخیم شرحوں اور فتاوٰی کی کتابوں میں جو مسائل پائے جاتے ہیں ، یہ سارے کے سارے امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے ہیں ۔ (یہ فقیہہ) اس کی تمیز نہیں رکھتا کہ جو باتیں آئمہ کے اصول کی بنیاد پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں ان میں اور جو واقعی ان کے اقوال ہیں ، ان میں کیا فرق ہے ۔ وہ بیچارہ فقہ کی یہ اصطلاح بھی نہیں جانتا جو لکھتے ہیں کہ فلاں بات کرخی کی تخریج پر مبنی ہے یا طحاوی کی تخریج سے اس کا تعلق ہے ۔ اس طرح یہ قول کہ ابو حنیفہ کے قول پر مسئلہ کا جواب یہ ہے اور ابو حنیفہ کی اصل پر جواب یہ ہے ۔ ان دونوں قولوں میں سے ان کو کوئی تمیز نہیں ہوتی اور یہ بیچارے ان میں کوئی فرق نہیں سمجھتے ۔ (٨)

طلب علم کے لئے اس لئے آمادہ ہوئے تاکہ علم کو اپنی عزت اور جاہ کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنائیں ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ

فقہاء جو پہلے عوام کے مطلوب تھے اب یہی عوام کے طالب ہوگئے اور سلاطین اور بادشاہوں کے دربار سے الگ رہنے کی وجہ سے جو معزز شمار کئے جاتے تھے اب بادشاہوں کے آستانوں پر وہ جھک کر ذلیل و خوار ہو رہے ہیں ۔" (۹)

علماء اپنے فرائض سے مسلسل پہلو تہی کررہے تھے جس کی وجہ سے عوام الناس گمراہی اور ضلالت کی طرف تیزی سے پیش قدمی کررہے تھے اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ توہمات و رسومات کو عین مذہب قرار دے دیا اور اگر کوئی بندہ خدا شریعت کی پابندی کرتا تو لوگ اس کی دماغی صحت پر شک کرتے ۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کہتے ہیں :

"اس زمانہ میں ملامتی ہونے کے لئے منہیات کے ارتکاب کی ضرورت نہیں ہے ۔ کتاب (قرآن) ہاتھ میں رکھنا ہی ملامتی ہونے کے لئے کافی ہے ۔" (۱۰)

مولانا کرامت علی جونپوری (۱۲۱۵ ع تا ۱۲۹۰ ع) بنگال کے مسلمانوں کی مذہب سے عدم واقفیت کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں :

"تیرھویں صدی ہجری کے وسط میں بنگال مذہب سے ناآشنا ہوتا جا رہا تھا ۔ اخلاقی قدریں ڈھیلی پڑ چکی تھیں ۔ مسجدیں ویران ، قبر پرستی اور پیر پرستی شباب پر تھی ۔ لوگ ہندووانہ شکل و شباہت کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے ۔ دینی پستی اور اخلاقی ابتری عام تھی ۔ (۱۱)

جب اس خاکسار نے پانچ وقت کی اذان شروع کی تو بعض نادان مسلمان کہتے تھے کہ صبح و شام کی اذان سنی تھی ، دن کو اذان کبھی نہ سنی تھی یہ نئی بات نکلی ہے ۔" (۱۲)

یہ حالات تو شاہ ولی اللہ کے عہد کے بعد کے تھے - اب ہم پھر شاہ صاحب کے عہد کی طرف لوٹتے ہیں - شاہ صاحب نے اپنے مشہور خطابات میں جن طبقات کو سب سے زیادہ قابل اصلاح تصور کیا ہے وہ یہی غلط کار علماء و طلاّب ، نام نہاد زہّاد و بے علم واعظ اور مشائخ کی اولاد ہیں - ان خطابات کا مقصود اصلاح و تعلیم ہے لیکن ان میں انہوں نے ان طبقات کی تمام برائیوں اور غلط کاریوں کو ایک ایک کرکے بتا دیا ہے اور ان کے سامنے اسلامی تعلمات کا آئینہ رکھ دیا ہے تاکہ وہ اسلام کے اس صاف و شفاف آئینے میں اپنے اعمال قبیح کی بد صورت تصویر بھی دیکھ لیں - غلط کار عالموں اور طالب علموں سے خطاب کے عنوان سے شاہ صاحب فرماتے ہیں -

> "میں ان بے عقل لوگوں سے مخاطب ہوں جنھوں نے اپنا نام عالم رکھ چھوڑا ہے - تم لوگ یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو اور صَرف و نحو اور معانی میں اتنے مستغرق ہو کہ تمہارے نزدیک علم انہی چیزوں کا نام ہے - یاد رکھو ! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے یا ایسی سنّت کا جس کا تعلق جناب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اور جس پر امت کا بڑا حصہ عامل ہو - تمہیں چاہیے کہ قرآن سیکھو اس کے مشکل الفاظ کے معانی سمجھو - مختلف آیات یا سورتوں کے نازل ہونے کا سبب تحقیق کرو - اس طرح جس حدیث کا تعلق رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہوچکا ہے اسے محفوظ کرو - جیسے یہ کہ حضور ﷺ نماز کس طرح پڑھتے تھے - وضو کس طرح فرماتے تھے ، حج کس طرح کرتے تھے - آپ ﷺ کے اخلاق کے مظاہر کیا اور کیسے تھے - آپ ﷺ کا جہاد کرنے کا طریقہ کیا تھا - طرز گفتگو کیا تھا - اپنی زبان کی حفاظت

کس طرح فرماتے تھے ۔

چاہیے کہ حضور ﷺ کی پوری روش کی پیروی کرو اور آپ ﷺ کی سنّت پر عمل کرو ۔ مگر اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ جو سنّت ہے اسے سنتّ ہی سمجھو نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو ۔ اسی طرح چاہیے کہ جو تم پر فرائض ہیں انہیں سیکھو مثلاً وضو کے ارکان کیا ہیں ۔ نماز کے ارکان کیا ہیں ۔ زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے ۔ قدر واجب کیا ہے ، میّت کے حصوں کی مقدار کیا ہے ۔

پھر حضور ﷺ کی عام سیرت کا مطالعہ کرو جس سے آخرت کی رغبت پیدا ہو ۔ صحابہ اور تابعین کے حالات پڑھو ۔ یہ چیزیں فرائض سے فاضل اور زیادہ ہیں لیکن ان دنوں جن چیزوں میں تم الجھے ہوئے ہو اور جس میں سر کھپا رہے ہو اس کو آخرت کے علم سے کیا واسطہ ۔ یہ دنیا کے علوم ہیں ۔

جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع و آلات کی ہے (مثلاً صرف و نحو وغیرہ) تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو نہ کہ خود انہی کو مستقل علم بنا بیٹھو ۔ علم کا پڑھنا تو اسی لئے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو ۔ لیکن تم نے دینی شعار اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں اور لوگوں کو زائد از ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو ۔ تم نے اپنے حالات سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرادیا ہے کہ علماء کی بڑی کثرت ہوچکی ہے حالانکہ ابھی کتنے بڑے علاقے ہیں جو علماء سے خالی ہیں اور جہاں علماء پائے

بھی جاتے ہیں ' وہاں بھی دینی شعائر کو غلبہ حاصل نہیں ہے ۔" (۱۳)
اس کے بعد نام نہاد زاہدوں اور واعظوں کو ان الفاظ میں مخاطب کیا ہے :

"دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں اور واعظوں ' عابدوں اور ان کنج نشینوں سے سوال ہے جو خانقاہوں میں بیٹھتے ہیں کہ بہ جبر اپنے اوپر دین کو عائد کرنے والو ! تمہارا کیا حال ہے ۔ ہر بری بھلی بات ' ہر رطب و یابس تمہارا ایمان ہے ۔ لوگوں کو تم جعلی اور گھڑی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو ۔ اللہ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے ۔ حالاں کہ تم تو (اے امت محمدیہ) اس لئے پیدا ہوئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہنچاؤ گے نہ کہ ان کو دشواریوں میں مبتلا کروگے ۔ تم ایسے لوگوں کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہو جو بیچارے مغلوب الحال تھے اور عشق و محبت الٰہی میں عقل و حواس بھی کھو بیٹھے تھے ۔ حالاں کہ اہل عشق کی باتیں وہیں کی وہیں لپیٹ کر رکھ دی جاتی ہیں نہ کہ ان کا چرچا کیا جاتا ہے ۔ تم نے وسواس کو اپنے لئے گوارا کرلیا ہے اور اس کا نام احتیاط رکھ چھوڑا ہے حالانکہ تمہیں صرف یہ چاہیے تھا کہ اعتقاداً و عملاً احسان کے مقام کے لئے جن امور کی ضرورت ہے بس ان کو سیکھ لیتے لیکن جو بیچارے اپنے خاص حال میں مغلوب تھے خواہ مخواہ ان کی باتوں کو خالص امور میں گڈ مڈ کرنے کی حاجت نہ تھی اور نہ ارباب کشف کی چیزوں کو ان میں مخلوط کرنے کی ضرورت تھی ۔ چاہیے کہ مقام احسان کی طرف لوگوں کو بلاؤ ۔ پہلے اسے خود سیکھ لو پھر دوسروں کو دعوت دو ۔ کیا تم اتنا

بھی نہیں جانتے کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا کرم اللہ کا وہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے پہنچایا ہے ۔ وہی صرف ہدایت ہے جو آپ ﷺ کی ہدایت ہے ۔ پھرکیا تم بتا سکتے ہو کہ جن افعال کو تم کرتے ہو وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کیا کرتے تھے ۔" (۱۴)

شاہ صاحب نے مشائخ کی اولاد میں پیدا ہونے والی خرابیوں کی نشان دہی بھی کردی ہے اور انہیں اصلاح و احوال کی دعوت دی ہے ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں :

"اے وہ لوگو جو اپنے آباء کی رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو یعنی گذشتہ بزرگان دین کی اولاد میں ہو ، میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ ٹکڑیوں ٹکڑیوں ، ٹولیوں ٹولیوں میں بٹ گئے ہیں ۔ ہر ایک اپنے اپنے راگ اپنی اپنی منڈلی میں الاپ رہا ہے اور جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسول محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے نازل فرمایا تھا اور محض اپنے لطف و کرم سے جس راہ کی طرف رہنمائی فرمائی تھی اسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں سے ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے اور لوگوں کو اسی طرف بلا رہا ہے ۔ اپنی جگہ اپنے کو راہ یافتہ اور رہنما ٹھہرائے ہوئے ہے حالاں کہ وہ گم کردہ راہ اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے ۔ ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض لوگوں کو اس لئے مرید بناتے ہیں تاکہ اس سے ٹکے وصول کریں ۔ ایک علم شریف کو سیکھ کر دنیا بٹورتے ہیں کیوں کہ جب تک اہل دین کی شکل و شباہت اور طرز و انداز نہ اختیار کریں گے ، دنیا حاصل نہیں

ہوسکتی ۔

اور نہ میں ان لوگوں سے راضی ہوں جو سوائے اللہ و رسول کے خود اپنی طرف بلاتے ہیں اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں ۔ یہ لوگ بٹ مار اور رہزن ہیں ۔ ان کا شمار دجالوں ، کذابوں ، فتانوں اور ان لوگوں میں ہے جو خود فتنہ اور آزمائش کے شکار ہیں ۔

خبردار ! خبردار ! ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا جو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنّت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور اپنی طرف بلاتا ہو اور چاہیے کہ زبانی جمع خرچ صوفیہ کرام کے اشاروں کے متعلق عام مجلسوں میں نہ کیا جائے کیوں کہ مقصد تو (تصوف) سے صرف یہ ہے کہ آدمی کو احسان کا مقام حاصل ہوجائے ۔ لوگو ! دیکھو کیا تمہارے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد میں کوئی برت نہیں ہے ۔

انّ ھٰذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ و لا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ۔" (۱۵)

شاہ صاحب نے مسلمانوں کو ان جاہل صوفیوں سے بچنے کی بار بار تلقین کی ۔ وہ اپنے ایک خط میں اپنے بعض دوستوں کو پانچ طرح کے لوگوں سے بچنے کو کہتے ہیں جن میں سے ایک وہ بے حیا صوفی ہے جو رفع تکلیف کے لئے حیلہ کرتا ہے اور اپنے مجاری امور میں توقف نہیں کرتا ۔ (۱٦)

شاہ صاحب اپنی وصیت میں بھی اس بات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اس زمانے کے مشائخ کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیے اور نہ ان کا مرید ہونا چاہیے کیوں کہ وہ مختلف قسم کی بدعات میں مبتلا ہیں ۔ (۱۷) بدعات کے علاوہ اس

زمانے کے بیشتر صوفی گھناؤنی غیر اخلاقی حرکات کے مرتکب ہورہے تھے ۔ امرد پرستی اور ناپاک عشق کا صوفیوں کی مجلسوں میں عروج ہوا اور اس قبیح ترین رسم امرد پرستی نے یہاں تک زور پکڑا کہ علماء کو لغات کی کتابوں میں مشائخ کے حوالہ سے بعض نامناسب الفاظ شامل کرنا پڑے ۔ (۱۸)

شاہ صاحب اس بات کو سمجھتے تھے کہ اگر انہوں نے مروجہ بدعات کی مخالفت کی تو انہیں طرح طرح کے مصائب برداشت کرنا پڑیں گے ۔ لیکن انہوں نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر ان مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اپنے اس خدشے کا اظہار اس طرح کیا :

"صوفیائے کرام کی نسبتیں بہت غنیمت ہیں اور ان کے رسوم کی کوئی قیمت نہیں اور یہ بات بہت سے لوگوں کو ناگوار ہوگی مگر مجھے جو حکم ہے اس کے مطابق کہنا چاہیے اور زید و عمرو کے کہنے کے مطابق نہ چلنا چاہیے ۔ " (۱۹)

لوگ عام طور پر کسی شخص کے ارادت مندوں کی تعداد اور اس کی کرامات کو دیکھ کر دھوکے میں آجاتے ہیں اور ایسے شخص کو بہت پہنچا ہوا بزرگ تسلیم کرنے لگتے ہیں ۔ اگر کرامات کا تعلق کسی کے دل کے احوال سے باخبر ہونا ہے تو اس کے کئی طریقے ہیں جن کی وضاحت شاہ صاحب نے اس طرح کی ہے ۔

"باستثنائے چند اس زمانے میں سب کرامت فروشوں نے طلسمات اور شعبدہ بازی کو کرامات سمجھ لیا ہے ۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے بڑی کرامت دل کے حال پر مطلع ہونا ہے اور آئندہ کے واقعات کو بتانا ہے ۔ دل کے حال اور آئندہ کے واقعات معلوم کرنے کے بہت سے طریقے ہیں ۔

نجوم : ان طریقوں میں سے علم نجوم اور رمل کا باب ضمیر بھی ہے ۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ نجوم میں ستاروں کی خانہ کشی اور رمل میں زائچہ کا کھینچنا ضروری ہے ۔ اس کے بغیر کچھ معلوم نہیں ہوسکتا ۔ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ جب ماہر نجوم نے معلوم کرلیا کہ دن کے دقائق میں سے اس وقت کون سا دقیقہ ہے ، اس سے اس کا ذہن طالع کی طرف رجوع ہوتا ہے اور تمام خانے اور ستاروں کے مقامات اس کے ذہن کے سامنے آجاتے ہیں ۔ گویا ستاروں کے عروج کے درجات طالع اس کے سامنے موجود ہوتے ہیں ۔

رمل : اسی طرح رمل کا ماہر بعض وقت اپنے دل میں خیال کرتا ہے کہ میں نے فلاں انگلی کو لحیان اور فلاں انگلی کو فلاں شکل قرار دیا ہے اور وہ اپنے ذہن میں نقشہ جماتا ہے کہ ان شکلوں سے کیا شکلیں پیدا ہوتی ہیں ۔ یہاں تک کہ زائچہ گویا اس کے سامنے ہوتا ہے ۔

کہانت : اسی طرح کہانت اور اس کی قسمیں ہیں اور یہ فن بہت وقعت رکھتا ہے ۔ کبھی کبھی جنوں کو حاضر کرکے یہ عمل ہوتا ہے اور کبھی کبھی ان کی حاضری کے بغیر ۔

طلسم : منجملہ ان کے باب طلسم ہے کہ ستاروں کی قوتوں کو ایک صورت میں مقید کرلیتے ہیں اور اس سے دلوں کا حال معلوم کرتے ہیں ۔

اعمال جوگیہ : اسی طرح جوگیوں کے اعمال ہیں کہ جوگیوں کے بعض اعمال میں دلوں کے حال معلوم کرنے اور آئندہ کے

واقعات بتانے کی بہت خاصیت ہوتی ہے جو اس کی تحقیق کرنا چاہتا ہے وہ ان فنون کی کتابوں کی طرف رجوع کرے -

نیرنجات : کسی کام پر ہمت باندھنا ، خوفناک شکل بن جانا اور کسی کے دل پر دل رکھنا اور طالب کو قبضہ میں کرنا ، یہ سب چیزیں نیرنجات کے فنون ہیں - کئی اعمال ایسے ہیں جو ان کاموں تک پہنچا دیتے ہیں - صلاح و فجور ، سعادت و شقاوت اور مقبول و مردود ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے - اسی طرح وجد ، شوق اور اضطراب کی حالتوں کو حاضرین تک پہنچا دینا حیوانی قوت کی تیزی کے سبب سے ہوتا ہے - اسی لئے جس میں حیوانی قوت زیادہ ہوتی ہے اس کا وجد زیادہ ہوتا ہے -

ہاں ان اعمال و احوال پر بعض صالحین کو بھی عبور ہوتا ہے اور اس قسم کام ان لوگوں کی کرامات میں شمار نہیں ہوتا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے - اور ہم نے بہت سے بھولے بھالے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جب وہ یہ اعمال کسی شیخ سے حاصل کرتے ہیں تو وہ ان کو عین کرامات سمجھتے ہیں -" (۲۰)

حواشی

۱ ۔ قدوسی ، اعجاز الحق "تذکرہ صوفیائے سرحد" کراچی ، مرکزی اردو بورڈ ، اول ۱۹٦٦ ع ، ص - ۳٦۴

۲ ۔ تذکرہ صوفیائے سرحد" محولہ بالا ، ص - ۳٦۴

۳ ۔ ولی اللہ دہلوی ، شاہ "التفہیمات الالٰہیة" جلد اول ، حیدرآباد ، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، ۱۹۷۰ ع ، ص - ۲۸۲

۴ ۔ ایضاً

۵ ۔ نظامی خلیق احمد ، "تاریخ مشائخ چشت" اسلام آباد ، دارالمؤلفین ، ص - ۲٦

٦ ۔ ولی اللہ دہلوی ، شاہ "الفوز الکبیر مع فتح الخبیر فی اصول التفسیر" لاہور، مطبع علیمی ، ص - ۹ ، ۱۰

۷ ۔ ولی اللہ دہلوی ، شاہ "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" لاہور، ہیئة الاوقاف بحکومة البنجاب ، ۱۹۷۱ ع ، ص - ۲۹

۸ ۔ ایضاً ، ص - ۲۷

۹ ۔ ایضاً ، ص - ۲۵

۱۰ ۔ "ملفوظات شاہ عبدالعزیز" کراچی ، پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز ، ۱۹٦۰ ع ، ص - ۱۹۴

۱۱ ۔ قدوسی ، اعجاز الحق "تذکرہ صوفیائے بنگال" لاہور ، مرکزی اردو بورڈ ، اول ۱۹٦۵ ، ص - ۳۲۹

۱۲۔ ایضاً ، ص - ۳۳۲

۱۳ ـ "التفہیمات الالٰہیة" جلد اول ، محولہ بالا ، ص - ۲۸۲

۱۴ ـ ایضاً ، ص - ۲۸۴ج۲،۵۲

۱۵ ـ ایضاً ، ص - ۲۸۲

۱۶ ـ رحیم بخش مولوی "حیات ولی" دہلی ، افضل المطابع ، ص - ۲۸۹

۱۷ ـ ولی اللہ دہلوی ، شاہ "المقالة الوضیة فی النصیحة و الوصیة" حیدرآباد ، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، ۱۹۶۴ ع ، ص - ۴۴

۱۸ ـ حیرت دہلوی ، مرزا "حیات طیبہ" لاہور ، مکتبہ السلام ، سوم ۱۹۵۸ ع ، ص - ۱۹

۱۹ ـ "المقالة الوضیة فی النصیحة والوصیة" محولہ بالا ، ص - ۳۶

۲۰ ـ ایضاً ، ص - ۳۴ تا ۳۶

معاصر چند صوفیائے دہلی

اللہ تعالیٰ کی یہ سنّت جاریہ رہی ہے کہ جب بھی نوع انسانی ضلالت و گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں بھٹکی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا یہاں تک کہ بعثت انبیاء کا یہ سلسلہ حضرت محمد ﷺ پر پہنچ کر ختم ہوگیا ۔ چوں کہ آپ ﷺ کی ذات با برکات کے بعد انبیاء کی آمد کا سلسلہ منقطع ہوگیا لہٰذا امت محمدیہ کے بھٹک جانے کی صورت میں امت کا اصلاح کا ذمہ ان نفوس قدسیہ پر لازم ٹھہرا جو فرمان الٰہی کے بموجب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم دیتے ہیں اور امت کو خیر کی طرف بلاتے ہیں چناں چہ ہر دور میں ایسے علمائے حق اور اولیاء اللہ کا ایک گروہ موجود رہا ہے جس نے رشد و ہدایت اور اصلاح و تعلیم کی یہ شمع روشن رکھی ۔

جب ضلالت و گمراہی کی تاریکیاں بڑھتی ہیں ، جب بدی کی قوتیں میدان عمل میں سرگرم ہوجاتی ہیں اور بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ چراغ مصطفوی کو شرار بولہبی بجھایا ہی چاہتا ہے تو ان نفوس قدسیہ کی ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں ۔ ہندوستان کی تاریخ میں اٹھارویں صدی عیسیوی ہر لحاظ سے ایسی صدی ہے جس میں خیر و فلاح کی قوتیں روبہ زوال نظر آتی ہیں ۔ سیاسی ،معاشی ، مذہبی ، معاشرتی غرض ہر قسم کا بگاڑ نمایاں نظر آتا ہے لیکن ان روح فرسا حالات میں بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے داعی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی خاطر پوری شدت سے سرگرم عمل نظر آتے ہیں ۔

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی فرماتے ہیں ۔

"محمد شاہ کے عہد میں ہر سلسلہ کے صاحب ارشاد بائیس بزرگ دہلی میں گذرے ہیں اور ایسا اتفاق کم ہوتا ہے ۔" (۱)

ان نفوس قدسیہ میں سے چند حضرات کے مختصر حالات زندگی تبرکاً پیش خدمت ہیں ۔

مرزا مظہر جان جاناں

شمس الدین حبیب اللہ مرزا مظہر جان جاناں بن مرزا جان ، شاہ ولی اللہ کے ہمعصر تھے ۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی ؓ سے ان کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کے ذریعے ہے ۔ ۱۱ رمضان ۱۱۱۱ ھ یا ۱۱۱۳ ھ کو جمعہ کے دن پیدا ہوئے ۔ شیخ نور محمد بدایونی سے طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا ۔ آپ حنفی المذہب تھے لیکن جب کوئی صحیح حدیث مل جاتی تو اس پر عمل کرتے ۔

آپ ہفتہ کے دن بعد مغرب ۱۰ محرم ۱۱۹۵ ھ کو ایک رافضی کی گولی سے شہید ہوگئے ۔ تاریخ وفات "عاش حمیداً و مات شہیداً" اور "اولئک مع الذین انعم اللہ" سے نکلتی ہے ۔ دہلی میں دفن کئے گئے ۔ آپ کا اپنا ایک شعر آپ کے لوح مزار پر لکھا گیا ہے ۔

به لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے

کہ این مقتول را جزبے گناہی نیست تقصیرے

(۲)

شاہ اہل اللہ پھلتی

شاہ ولی اللہ کے برادر خورد تھے ۔ ۱۱۱۹ ھ میں پھلت میں پیدا ہوئے ۔ تحصیل علوم اپنے والد ماجد ، بڑے بھائی اور دیگر اساتذہ سے کی ۔

۱۱۴۳ ھ میں جب ان کی عمر ۲۳ ، ۲۴ برس کی تھی اور شاہ ولی اللہ

نے حج و زیارات اور طلب حدیث کے لئے حرمین شریفین کا عزم کیا تو خلافت کی دستار ان کے سر پر باندھی اور اجازت بیعت و ارشاد ان کو دی اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم کا جانشین بناتے ہوئے کہا :

"جیسا خرقہ ہم کو حضرت والد سے پہنچا تھا ایسا ہی ہم نے ان کو دے دیا ۔ متعلقین کو چاہیے کہ ان کو پدر بزرگوار کی جگہ سمجھیں ۔" (۳)

تلخیص ہدایہ آپ کی مشہور کتاب ہے ۔ ۱۱۸٦ میں پھلت میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہیں ۔ (۴)

شیخ محمد عاشق پھلتی

آپ شاہ ولی اللہ کے ماموں زاد بھائی ، برادر نسبتی ، سمدھی اور شاگرد تھے ۔ مشائخ کبار میں سے تھے ۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے بیٹے محمد سے ملتا ہے ۔ آپ نے تحصیل علم و معرفت شاہ ولی اللہ سے کی اور آپ کی ہمراہی میں حج کی سعادت سے مشرف ہوئے اور وہاں کے اساتذہ کرام سے اخذ معرفت کی ۔ شاہ صاحب کے ساتھیوں میں کسی کا مرتبہ ان سے زیادہ نہیں تھا ۔ آپ سے ایک خلق کثیر نے فیض حاصل کیا ۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :

"شاہ عبدالرحیم نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ایک بار میری اور محمد عاشق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ان دونوں کی آپس میں بڑی دوستی ہے اور اس دوستی سے مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے ۔ والد مرحوم کی اس بات کا راز بعد میں کھلا جب محمد عاشق نے خاکسار سے بیعت کی اور نفع حاصل کیا ۔ امید ہے کہ یہ دوستی بہت سے مزید فوائد پر منتج ہوگی ۔" (۵)

آپ کی تصانیف میں سبیل الرشاد ، القول الجلی فی مناقب الولی اور دعاء

الاعتصام مشہور ہیں ۔ ۱۱۸۷ ھ میں انتقال ہوا ۔ مزار پھلت میں ہے ۔ (٦)

شاہ فخر الدین دہلوی

والد کا نام شاہ نظام الدین اورنگ آبادی ہے ۔ وہ شاہ حکیم اللہ دہلوی کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے ۔ ۱۱۲٦ ھ میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے ۔ آپ باپ کی جانب سے صدیقی اور ماں کی جانب سے سید تھے ۔ ان کی والدہ سیّد بیگم ، سیّد محمد گیسو دراز کے خاندان سے تھیں ۔ کچھ عرصہ تک لشکر میں ملازمت کی اس کے بعد ملازمت ترک کرکے درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور دہلی میں اجمیری دروازے کے مدرسے میں اپنے اس مشغلے کو جاری رکھا ۔ آپ کی تصانیف میں نظام العقائد ، رسالہ مرجئہ اور رسالہ فخر الحسن شامل ہیں ۔

آپ کو شاہ عبدالعزیز اور ان کے برادران سے بڑا تعلق تھا ۔ اکثر مشکلات میں ان کی مدد کرتے تھے ۔ دہلی میں جب روافض کا اقتدار بڑھا تو شاہ عبدالعزیز پر بھی مصیبت نازل ہوئی ۔ ایسے وقت میں شاہ فخر الدین ہی نے ان کی مدد کی اور انہیں اپنی حویلی میں رکھا ۔

جمادی الثانی ۱۱۹۹ ھ میں انتقال ہوا ۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے قریب سپرد خاک کئے گئے ۔ (۷)

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی

شاہ ولی اللہ دہلوی کے نامور شاگرد ہیں ۔ مرزا مظہر جان جاناں نے ان کو علم الہدیٰ اور شاہ عبدالعزیز نے بیہقی وقت کے خطابات سے نوازا تھا ۔ قاضی صاحب اپنے عہد کے نامور فاضل اور عابد و زاھد تھے ۔ ان کی تضانیف میں تفسیر مظہری ، سیف المسلول ، ارشاد الطالبین ، مالا بد منہ ، تذکرۃ الموتیٰ و القبور ، تذکرۃ المعاد ، رسالہ حرمت و اباحت سود ، رسالہ حرمت متعہ ، رسالہ

شہاب ثاقب اور حقوق الاسلام یادگار ہیں ۔ آپ کا انتقال ۱۲۲۵ ھ میں ہوا ۔ (۸)

خواجہ میر دہلوی

گیارہ واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب شیخ بہاء الدین محمد نقشبند سے ملتا ہے اور پچیس واسطوں سے حضرت حسن عسکری تک پہنچتا ہے ۔ آپ میر محمدی دہلوی اور میر محفوظ دہلوی کے بھائی ہیں ۔ تحصیل علم اور اخذ طریقہ اپنے والد سے کیا ۔ والد کی وفات کے بعد ان کی مسند رشد و ہدایت پر بیٹھے اور خلق خدا کو فیض یاب کیا ۔

آپ کا طریقہ خالص محمدیہ تھا ۔ ۱۱۹۹ ھ میں انتقال کیا ۔ (۹)

شیخ سعداللہ گلشن دہلوی

آپ گلشن نام سے مشہور ہیں ۔ نقشبندی طریقے کے مشائخ کبار میں شمار ہوتا ہے ۔ تحصیل علم و معرفت شیخ عبدالاحد بن محمد سعید سرہندی سے کی اور ایک طویل مدت تک ان کے ساتھ رہے ۔ توکل ، استغنا ، ترک اور تجرید میں آپ کی شان نرالی تھی ۔ حضرت جان جاناں دہلوی نے آپ سے کسب فیض کیا ۔ سن وفات میں اختلاف ہے جو ۱۱۴۰ ھ ، ۱۱۴۱ ھ یا ۱۱۵۳ ھ بتایا جاتا ہے ۔ دہلی میں انتقال کیا ۔ (۱۰)

شیخ سعداللہ حافظ دہلوی

آپ حافظ نام سے مشہور تھے ۔ آپ اکابر صوفیہ میں سے تھے ۔ اخذ طریقہ شیخ محمد صدیق بن محمد معصوم سے کیا اور تیس برس ان کی صحبت میں رہے ۔ حضرت جان جاناں نے آپ سے بھی کسب فیض کیا ۔ ۱۱ شوال ۱۱۵۲ ھ کو دہلی میں انتقال کیا ۔ (۱۱)

شیخ صدر عالم دہلوی

آپ ابو الرضا محمد بن وجیہہ الدین (شاہ ولی اللہ کے تایا) کے صاحبزادے

فخر عالم کے بیٹے تھے - دہلی میں پیدا ہوئے - صوفیہ میں شمار ہوتا ہے - (۱۲)

شیخ محمد بن احمد دہلوی

آپ قادری سلسلے کے بڑے مشائخ میں سے تھے - ذی قعدہ ۱۰۷۶ میں دہلی میں پیدا ہوئے اور سرزمین دکن کی طرف سفر کیا - آپ کے والد اورنگ زیب عالمگیر کے ہم رکاب تھے - جب آپ کے والد برہان پور میں قتل ہوگئے تو آپ دہلی لوٹ آئے اور اپنے گھر میں خلوت گزینی اختیار کی - ۱۱۵۷ ھ میں انتقال کیا - (۱۳)

میر محمدی دہلوی

آپ میر دہلوی اور میر محفوظ دہلوی کے بھائی ہیں - اپنے والد سے تحصیل علم کی - عالم شباب میں ۵ ربیع الثانی ۱۱۶۳ کو دہلی میں انتقال کیا - (۱۴)

مولانا محمد زکریا دہلوی

آپ مشہور مشائخ میں سے تھے - دہلی میں پیدا ہوئے - کم سنی میں والد کا انتقال ہوا تو آپ لاہور چلے آئے - آپ نے اخذ طریقہ شیخ محمد سندھی سے کیا - ۹ ذی القعدہ ۱۱۸۶ ھ کو دہلی میں انتقال کیا - (۱۵)

شیخ محمد فرہاد دہلوی

مشہور مشائخ میں سے تھے - آپ نے اخذ طریقہ شیخ دوست محمد الحسینی برہانپوری سے کیا اور اس سلسلے کی دہلی کی سیادت آپ کے سپرد تھی - آپ سے شیخ اسد اللہ ، شیخ محمد منعم اور ایک خلق کثیر نے استفادہ کیا - جمادی الاول ۱۱۳۵ ھ میں انتقال کیا - (۱۶)

میر محمد محفوظ دہلوی

آپ مشائخ نقشبندیہ میں سے تھے - دہلی میں ۱۱۲۶ ھ میں پیدا ہوئے - آپ میر محمدی دہلوی کے بھائی تھے - عالم شباب میں ۱۶ رجب ۱۱۵۴ کو

انتقال کیا ۔ (۱۷)

خواجہ میر محمد ناصر دہلوی

مشائخ نقشبندیہ میں سے تھے ۔ شیخ سعد اللہ دہلوی اور شیخ زبیر بن ابی العلاء سرہندی سے اخذ طریقہ کیا اور ایک زمانے تک ان کی صحبت میں رہے ۔ آپ کے صاحبزادے خواجہ میر نے اپنی کتاب "علم الکتاب" میں لکھا ہے :

> "ایک دفعہ میرے والد نے اپنے حجرے میں لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلی اور سات دن تک باہر نہیں نکلے ۔ اس دوران نہ کوئی گفتگو کی اور نہ کچھ کھایا پیا یہاں تک کہ آپ پر حضرت حسن بن علی ؓ کی روح ظاہر ہوئی اور آپ پر ایک نسبت جدید القا کی اس نسبت کا نام آپ نے "الطریقۃ المحمدیہ الخالصہ" رکھا ۔"

آپ کا فارسی میں ایک دیوان ہے جس کا نام نالہ عندلیب ہے ۔ آپ کے صاحبزادوں میں میر دہلوی ، میر محمدی دہلوی اور میر محفوظ دہلوی شامل ہیں جو مشائخ کبار میں سے تھے ۔ آپ نے ہفتہ ۲ شعبان ۱۱۷۲ ھ کو دہلی میں انتقال کیا ۔ (۱۸)

حواشی

۱ ـ "ملفوظات شاہ عبدالعزیز" کراچی ، پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز ، ص - ۱۹۸

۲ ـ شریف عبدالحئی علامہ بن فخر الدین الحسنی "نزہۃ الخواطر" جلد ششم ، حیدرآباد دکن ، مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ ، اول ۱۹۵۷ ع ، ص - ۵۰ تا ۵۴

۳ ـ برکاتی ، حکیم محمود احمد "شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان" لاہور ، مجلس اشاعت اسلام ، اول ۱۹۷۶ ع ، ص - ۹۷

۴ ـ "نزہۃ الخواطر" جلد ششم ، محولہ بالا ، ص - ۴۱ ، ۴۲

۵ ـ "شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان" محولہ بالا ، ص - ۱۲۱

۶ ـ "نزہۃ الخواطر" جلد ششم ، محولہ بالا ، ص - ۳۲۸ تا ۳۳۰

۷ ـ نظامی ، خلیق احمد "تاریخ مشائخ چشت" اسلام آباد ، دارالمؤلفین ، ص - ۴۶۰ تا ۵۱۵

۸ ـ محمد ایوب قادری (مرتب) "مجموعہ وصایا اربعہ" حیدرآباد ، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، اول ۱۹۶۴ ع ، ص - ۳۷ ، ۳۸

۹ ـ "نزہۃ الخواطر" جلد ششم ، محولہ بالا ، ص - ۷۸ تا ۸۰

۱۰ ـ ایضاً ، ص - ۹۷ ، ۹۸

۱۱ ـ ایضاً ، ص - ۹۸

۱۲ ـ ایضاً ، ص - ۱۱۳ تا ۱۱۵

۱۳ ـ ایضاً ، ص - ۲۵۵ تا ۲۵۸

۱۴ ـ ایضاً ، ص - ۲۶۷

١٥ ـ ايضاً ، ص - ٣٠٩

١٦ ـ ايضاً ، ص - ٣٣٣

١٧ ـ ايضاً ، ص - ٣٣٨

١٨ ـ ايضاً ، ص - ٣٥٨ ، ٣٥٩

اٹھارویں صدی کے مذہبی فتنے

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کا زمانہ یوں تو سارے کا سارا سیاسی اور مذہبی فتنوں سے عبارت ہے مگر اس دور کے یہ تین فتنے قابل ذکر ہیں جنہوں نے مذہب کی آڑ میں عروج حاصل کیا اور خلق خدا کی گمراہی کا سبب بنے ۔

۱ ۔ نمود انمود

۲ ۔ عبدالغفور ٹھٹوی بالائی

۳ ۔ امام شاہی / رسول شاہی

ان فتنوں کے بانیوں نے نہ صرف عوام میں مقبولیت حاصل کرلی بلکہ امراء اور کئی بادشاہوں کے ہاں رسوخ پیدا کرلیا جس کی وجہ سے ان کے اثرات کا دائرہ بہت بڑھ گیا حتّی کہ ایک وقت وہ آیا کہ ان فتنوں کی سرکوبی کے لئے شاہی قوت اور حکومت کے وسائل بھی ناکافی نظر آنے لگے ۔ ضروری ہے کہ ان فتنوں پر ایک نظر ڈال لی جائے ۔

نمود انمود

شاہ صاحب کے زمانہ میں ایک بہت بڑا فتنہ نمود انمود تھا جس کے ہزاروں متبعین پیدا ہوگئے اور بادشاہ فرخ سیر بھی اس کا معتقد ہوگیا ۔ طباطبائی نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی ہے ۔ (۱)

فتنہ کا بانی

اس فتنہ کا بانی میرمحمد حسین نامی ایک شخص تھا جو مشہد سے عمدۃ الملک امیر صوبہ دار کابل کی جود و سخا کا سن کر اپنے وطن کو چھوڑ کر اس

کے پاس کابل آگیا ۔ اسے مختلف علوم مثلاً منطق ، فلسفہ وغیرہ میں درک حاصل تھا اسلئے اس کی علمیت اور فضیلت کا ذکر گاہے بگاہے امیر خان کی محفل میں بھی ہونے لگا ۔ چناں چہ وہ اس شخص سے ملنے کا خواہش مند ہوا ۔

دربار میں رسائی

امیر خان نے اس کا ذکر اپنی بیوی "صاحب جی" سے کیا جو قندھار کے سابق ناظم علی مردان خان کی بیٹی تھی ۔ صاحب جی کے بطن سے کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے اس نے ایک سیّد کی لڑکی کو متبنّیٰ کرلیا ۔ لڑکی کا باپ اس کے شوہر کا ملازم تھا ۔ صاحب جی اس کی شادی کسی ایسے شخص سے کرنا چاہتی تھی جو نیک ، شریف اور مذہبی ہو نیز ایران کا رہنے والا ہو ۔ چناں چہ اس مقصد کے لئے امیر خان نے محمد حسین کو پسند کرلیا اور اپنی متبنّیٰ لڑکی کی شادی محمد حسین سے کردی ۔ اس رشتہ کی بنا پر محمد حسین کی راہ و رسم امیر خان کے خاندان اور دربار میں بڑھ گئی ۔ تھوڑے دنوں کے بعد اسے شاہی خوشبو خانہ کا داروغہ بنا دیا گیا ۔ چوں کہ یہ شخص بہت ہی عیار اور جاہ طلب تھا اور مختلف شعبدہ بازیاں بھی جانتا تھا اس لئے بہت سے لوگ اس کے معتقد ہوگئے ۔ امیر خان کا سب سے بڑا بیٹا بھی دیگر لوگوں کی طرح اس کا بے حد گرویدہ تھا ۔ انہی دنوں امیر خان کا انتقال ہوگیا اس کے چند دن بعد اس نے پشاور سے عطر و خوشبو خرید کر بادشاہ کے ہاں کا ارادہ کیا تاکہ وہ اور عز و جاہ حاصل کرسکے ۔ وہ اپنے اسی مقصد کے تحت لاہور پہنچا ہی تھا کہ اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال کی خبر ملی ۔ اب اس کی امیدیں مایوسی میں بدل گئیں تو اس نے مذکورہ عطر و خوشبو شہر میں ساٹھ ستّر ہزار میں فروخت کردیا ۔ اگرچہ یہ رقم اس کی بقیہ زندگی گذارنے کے لئے کافی تھی لیکن چوں کہ وہ لالچی اور جاہ طلب تھا اس لئے پرانی تقلید اسے پسند نہ آئی بلکہ ایک نئی راہ نکالی

اور درویشی اختیار کرلی اور امیر خان کے بیٹے کو اپنی شاگردی میں لے لیا اور اسے کہا -

"اگر ہم دونوں اپنی صلاحیتیں نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنے میں صرف کردیں تو اس سے ہم دونوں مستفید ہوں گے - لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے نئے قواعد اور نئی زبان ایجاد کرکے الہام اور نزول کلام کا دعویٰ کریں تاکہ لوگ ہمیں اولیا ، انبیاء میں بخوشی تسلیم کرسکیں - ہم اپنے الہام کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں مرتبہ حاصل کرلیں گے اور تب ہمیں اتنے اقتدار و اختیار ملیں گے کہ وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتا - اگر ایک بار ہمیں لوگوں کا اعتماد حاصل ہوگیا اور وہ ہمارے معتقد بن گئے تو پڑھے لکھے لوگ بھی جوق در جوق ہمارے حلقے میں بآسانی آجائیں گے -" (۲)

نئی زبان کی ایجاد

چناں چہ دونوں نے مل کر باہم کوششوں سے ایک نئی زبان ایجاد کی ،اس کے قواعد مرتب کئے اور اس زبان میں ایک کتاب بھی تیار کرلی - اس کتاب کا نام "آقوزہ مقدسہ" رکھا - اس نے اس کتاب میں فارسی کے ایسے ایسے الفاظ شامل کئے جو کم ہی سننے میں آتے تھے اور انہی الفاظ سے اشعار بھی موزوں کئے - غرضیکہ اس نے قدیم الفاظ اور تشبیہات کو نیا جامہ پہنایا اور جدید شکل دی -

بیگوکیت

اس کی مکاریاں اور عیاریاں یہیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ اس نے بیگوکیت یا بیگوکیتی کا دعویٰ کیا اور اس کی وضاحت درج ذیل الفاظ میں کی -

"یہ رتبہ امامت اور نبوت کے مابین ہے لیکن تمام پیغمبر بیگوک نہیں ہوئے لیکن خاتم الانبیاء دونوں ہی تھے - اول بیگوک

حضرت علی بن ابی طالب ہیں اور ہشتم علی رضا ہیں ۔ علی رضا تک امامت اور بیگوکیتی دونوں باہم جمع تھے ۔ بعد ازاں بیگوکیت مجھے ملی اور امامت محمد تقی کو ۔ جس کا سلسلہ حضرت صاحب الامر تک جاری رہے گا اور میں محمد حسین زمین پر خاتم البیگوکیت ہوں ۔ بیگوکیت کی تعداد مَیں اس ترتیب سے ذکر کرتا ہوں جب امامیہ مذہب کے سامنے ہوتا ہوں اور جس وقت اہل سنّت والجماعت کے روبرو ہوتا ہوں تو خلفائے اربعہ اور چار دیگر اشخاص یعنی اموی و عباسی کو جن کی نیکی مشہور ہے گن کر نویں بیگوکیت کے سلسلے میں اپنا نام بیان کرتا ہوں ۔"

اس کے بعد وہ اس طرح مخاطب ہوتا ۔

"حاضرین ! مجھے کسی مذہب سے کوئی غرض نہیں ، میں تو شعاع نور بن کر ہر مذہب کا چراغ روشن کرنے آیا ہوں ۔ میرا کردار ارفع و اعلیٰ ترین ہے کیوں کہ میں نواں بیگوک اور خاتم البیگوک ہوں ۔ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ میں ایک کتاب لکھوں اور تمام قوموں کو اپنے مذہب میں آنے کی دعوت دوں اور اپنے نئے قوانین و ضوابط کا پرچار کروں تاکہ بعض رسوم و عقائد نیا جامہ پہن سکیں ۔" (۳)

فربود

ان عیاریوں اور فریب کاریوں کے بعد اس نے عیدین کی طرح جنہیں مذہب اسلام میں محترم و مقدس سمجھا جاتا ہے بعض ایام کو "فربود" کا نام دے کر اپنے پیروکاروں پر لازم کردیا ۔ اس نے کہا کہ مجھ پر دو قسم کی وحی آسمان سے نازل ہوتی ہے ۔ ایک وحی اس قسم کی ہوتی ہے کہ آفتاب کی طرح ایک

قرص نورانی نظر آتا ہے اور پھر وہی قرص نورانی مجھ پر اس طرح محیط ہوجاتا ہے کہ میرے ہوش و حواس غائب ہوجاتے ہیں اور اس وقت میری حالت دگرگوں ہوجاتی ہے - دوسری وحی نازل ہوتے وقت صرف آواز سنائی دیتی ہے اور یہ آواز کلمہ "خفشاں نمود بوداں" کے علاوہ کچھ نہیں ہوتی - اس نے اپنی الگ رسوم بھی ایجاد کیں ، مثلاً اس کے پیروکار جب آپس میں ملیں تو اسلام کی رسم کے مطابق وہ آہستہ سے السلام علیکم کہیں اور کلمہ "خفشاں نمود نموداں" کا اضافہ کریں - جس روز کہ پہلے پہل اس کے بقول اس پر وحی نازل ہوئی تو اس کا نام اس نے روز جشن رکھا - چناں چہ اس کی سالگرہ کے روز اس کے پیروکار ایک جگہ جمع ہوتے اور عنبر و خوشبو ایک دوسرے پر چھڑکتے ، پھر نغمہ سرائی کرتے ، ناچتے اور خوشیاں مناتے - عین اس وقت وہ اپنے سر پر ارمنی ٹوپی کی مانند ایک ٹوپی رکھتا جو ذرا اس سے اونچی ہوتی اور پھر اپنے پیروکاروں کے ساتھ وہ لاہور کی ان پہاڑیوں کے آس پاس گھومتا جہاں دیول رانی کی قدیم عمارتیں ہیں لیکن اس کا یہ گشت صرف رات ہی کو ہوا کرتا تھا - جشن نو روز کے چھ روز تک وہ روزہ بھی رکھتا - یہ چھ دن وہ خاموشی میں گذراتا -

تین وقتی نماز

پنج گانہ نماز کے علاوہ اس نے اپنے پیروکاروں پر تین وقت کی نماز ضروری قرار دی - یعنی فجر کے فوراً بعد پھر نصف النہار کی نماز اور تیسری غروب آفتاب کے وقت جب مغربی افق پر سرخی چھائی ہو - نماز پڑھنے کے طریقے اور آداب بھی اس کے اپنے ایجاد کردہ تھے -

اس نے خلفائے اربعہ کی طرز پر اپنے چار خلیفہ مقرر کئے ان میں سے ایک وہی شاگرد تھا جس کا نام دوجے یار تھا ، دوسرا اس کا سالا میر باقر تھا - ان

کے علاوہ دو خلیفہ اور تھے جن کے نام اس نے نمود اللہ اور نمودہ نمود رکھے ۔ یہ دونوں نام اس کے خود ایجاد کردہ تھے ۔ اسی طرح اس نے اپنے لڑکوں اور اپنے معتقدین کے بھی دلچسپ اور عجیب و غریب نام رکھے ۔ جو شخص بھی اس کے نئے مذہب میں داخل ہوتا تو سوائے اس کے پہلے نام کے اپنی طرف سے یہی لقب دیتا تھا ۔ اس کے تین لڑکے تھے اول نما نمود ، دوم فغار اور سوم دید ۔ اس کی دو بیٹیاں تھیں جن کے نام نمانہ کلاں اور نمانہ خورد تھے ۔ اسی طرح اس کی بیوی کا نام حق نما تھا ۔ دوسری عورتوں کو اس نے یہ نام دے رکھے تھے ، نما پار ، نمود پار اور فر نمود ۔ اس نے اپنے ایک لڑکے فغار کا دوسرا مضحکہ خیز نام نمود دید رکھا ۔

شاہجہاں آباد میں آمد

لاہور سے آکر یہ شاہ جہاں آباد میں مقیم ہوا ۔ دارالخلافہ میں ایسا کوئی احمق نہ تھا جو اس کے فریب میں نہ آگیا ہو ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اول تو وہ اہل ثروت تھا اس لئے لوگوں سے کچھ طلب نہ کرتا اور دوسرے نہ ہی تحفے تحائف قبول کرتا ۔ اس لئے اس کے مریدوں کی تعداد دوگنی ہوتی گئی ۔ ان ہی دنوں بہادر شاہ کا انتقال ہوگیا اور شہزادے اپنے حقوق کے لئے آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے ۔ اس لڑائی جھگڑے سے ہر شہر و قصبہ خلفشار کا شکار ہوگیا ۔ اس نے چالاکی سے موقع غنیمت دیکھ کر ہاتھ پاؤں پھیلانا شروع کئے ۔ متبعین کی کثرت کی وجہ سے اب وہ بزدل اور ڈرپوک نہیں رہا تھا اس لئے اس نے اپنے چہرے سے عیاری اور مکاری کی نقاب الٹ دی اور کھلے بندوں وہ اپنی نئی زبان اور نئی کتاب کی اشاعت کرنے لگا ۔ وہ لوگوں سے مناظرہ کرتا ۔ اس مناظرے کا اس کو سب سے بڑا جو فائدہ پہنچا وہ یہ تھا کہ لوگ جوق در جوق اس کے عقیدے کا شکار ہوتے گئے یہاں تک کہ فرخ سیر تخت شاہی پر بیٹھا ۔ وہ نہ

صرف احمق اور نادان تھا بلکہ سرے سے جاہل بھی تھا لہٰذا اس کی طرف دھیان دینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوا ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نئے مذہب کو فروغ ملتا رہا اور اس طرح ہادی علی خان ولد امیر خان جو معزز امراء میں سے تھا اس کے پیروکاروں میں شامل ہوگیا ۔ اس کے شامل ہونے سے عوام کا اعتقاد اس کی طرف اور مستحکم ہوتا چلا گیا اور چشم زدن میں تقریباً بیس پچیس ہزار لوگ اس کے مرید بن گئے ۔

فرخ سیر کی ملاقات

بعض امراء نے جب فرخ سیر کو اس عیار کے عقائد سے مطلع کیا اور پھر سب نے اس کی تعریف و توصیف کی تو وہ بھی راتوں رات چند خواجہ سراؤں کی معیت میں چپ چاپ اس کی ملاقات کو آیا ۔ جب اسے بادشاہ کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے اندر سے اپنے حجرے کا دروازہ بند کرلیا تاکہ آسانی سے کھل نہ سکے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے فرتودوں یعنی اس کے بیٹوں اور مریدوں کی منّت کی ۔ بڑی مشکلوں سے دروازہ کھلا ۔ بادشاہ نے اس کو دیکھا تو نہایت فروتنی اور انکسار سے سجدہ ریز ہوا ۔ نمود نے بادشاہ کے بیٹھنے کے لئے مرگ چھالا پیش کیا اور کہا ۔

پوست تخت گدائے و شاہی
ہمہ داریم آنچہ می خواہی

فرخ سیر اس کا استغنا دیکھ کر اس پر ایمان لے آیا اور چند ہزار روپیہ اور اشرفی اس کے سامنے پیش کی ۔ اس نے یہ دونوں چیزیں قبول کرنے سے انکار کردیا ۔ البتہ بہ ہزار منّت و سماجت اس نے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور کتابت کے عوض کل ستر روپے لے کر باقی روپے لوٹا دیے ۔ بادشاہ عقیدت کے مارے کھڑا ہوگیا ۔ قرآن مجید کو بصد احترام

قبول کیا ، سر پر رکھا اور حجرہ سے نکل گیا ۔ نمود جب کمرہ سے باہر آیا تو اس نے دروازے پر روپے کی وہی تھیلی رکھی ہوئی دیکھی ۔ اس نے فوراً سب روپے اپنے مریدوں میں تقسیم کروا دیے ۔ اس کی اس حرکت نے عقیدت مندوں کے عقیدے کو اتنا مضبوط کردیا کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کو اس کی طرف سے بدگمان نہیں کرسکتی تھی ۔

اب اس نے اپنی عیدیں چوری چھپے منانے کے بجائے کھلے بندوں منانے کا اعلان کیا ۔ اب وہ جائے معبود میں بڑے اطمینان سے ڈھول بجا کر آمد و رفت کرتا اور اپنے کفر کا اعلان بھی نقارہ بجا بجا کر کرنے لگا ۔

محمد امین کا عتاب

جب فرخ سیرکی حکومت کا تختہ الٹ گیا تو حکومت محمد شاہ کے ہاتھ میں آئی اور محمدامین خان کو منصب وزارت ملا ۔ اگرچہ اس کی وزارت صرف تین چار ماہ رہی تاہم اس کے باوجود اس قلیل مدت میں بھی اسے جب اس کی فریب کاریوں کا پتہ چلا تو چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ فوراً اسے قید کرکے لایا جائے اور اگر وہ مزاحمت کرے تو اسے وہی قتل کردیا جائے ۔ اس وقت دوپہر کا وقت ہوگیا تھا اور وزیر کے حکم سے بہت سے لوگ جاچکے تھے اس لئے وہ چند لوگ جو اس وقت موجود تھے ، اس کے پاس گئے اور اسے وہ گرفتاری کا فرمان دکھایا ۔ اس وقت خفشان نمود (جیسا کہ وہ خود اپنے لئے خطاب کرتا تھا) اپنے کمرے میں کھانا کھا رہا تھا ، جب اسے سپاہیوں کی آمد کی اطلاع ملی تو ڈر کے مارے کانپنے لگا لیکن ہوشیاری سے اپنے بیٹے کے ہاتھ چند روٹیاں جو اور گندم کی باہر سپاہیوں کے پاس بھیجیں کہ جب تک میں آؤں آپ تناول کیجئے ۔

چناچہ سپاہیوں نے اس کا انتظار کیا ۔ اسی اثنا میں سپاہیوں کو وزیر محمد امین خان کی طبیعت کی خرابی کی اطلاع ملی ۔ سپاہی اپنے بقایا جات

کی وصولیابی کے لئے فوراً وزیر کے دروازے پر پہنچے ۔ درد قولنج کی بنا پر وزیر کی حالت بہت تشویش ناک تھی اور وہ بے ہوش تھا ۔ تاہم جیسے ہی اسے ہوش آیا تو اس نے نمود کے بارے میں دریافت کیا ۔ سپاہیوں نے جواب دیا کہ آپ کی بیماری کی اطلاع پاتے ہی ہماری توجہ اُدھر سے ہٹ گئی اور ہم آپ کے حضور میں دوڑے چلے آئے ۔ وزیر کو بہت غصہ آیا اس نے حکم دیا کہ کل صبح تک ہر حال میں اس حکم کی تعمیل ہوجانی چاہیے ۔

شام ہونے تک وزیر پر پھر مرض قولنج کا حملہ ہوا ، اس بار یہ حملہ پہلے سے شدید تھا ۔ نتیجتاً اس نے اس بیماری میں داعی اجل کو لبیک کہا ۔ یہ خبر جیسے ہی نمود تک پہنچی وہ مطمئن اور خوشحال ہوکر گھر بیٹھ گیا ۔ چناں چہ اس کی وجہ سے اس کی کرامات کی خبریں دور دور تک مشتہر ہوگئیں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے مریدوں کی تعداد میں اور اضافہ ہوگیا ۔

نمود کی موت اور اس کے بیٹے کی گدی نشینی

اس "کرامت" کے تین سال بعد نمود خود بھی مرگیا اور اس کا بیٹا نمانمود اس کا جانشین ہوا ۔ جائیداد کے بٹوارے کے جھگڑے میں بھائیوں اور ان کے باپ کے کئی مریدوں میں جھگڑا کھڑا ہوگیا ۔ یہ جائیداد نمود نے اپنی زندگی ہی میں رازداری قائم رکھنے کے لئے دوجے بار اور اپنے دیگر معتقدین کے لئے مقرر کررکھی تھی ۔ دوجے بار کو اس جھگڑے سے خوشی نہ ہوئی چناں چہ اس نے کئی بار نمانمود سے کہا کہ تم چپ چاپ بیٹھ جاؤ اور جھگڑا نہ کرو لیکن نمانمود باپ کی زندگی میں ہی خود سر ہوگیا تھا اور وہ مریدوں پر اپنا سکہ بٹھائے ہوئے تھا اس لئے وہ دوجے بار کی طرف متوجہ نہ ہوا ۔ لٰذا دوجے بار نے جو اس کا محرم راز تھا مجبوراً ایک دن فرتودوں میں کھڑے ہوکر کہا : "یارو ! تم لوگ نمود کا اور میرا خط پہچانتے ہو ؟" جو لوگ دونوں کا خط پہچانتے تھے

انہوں نے اقرار کیا ۔ اس کے بعد وہ اندر جاکر وہ سارے مسودات لے آیا جو دونوں نے صلاح مشورہ سے مرتب کئے تھے اور باہم مشورے سے اس میں قطع و برید کی تھی ۔ اس نے یہ مسودات لوگوں کے سامنے پیش کئے جب لوگوں نے دونوں کے خطوں کو پہچانا تو دوجے بار نے کہا ۔

"دوستو ! اس مذہب کی بنیاد نمود اور بندہ کی اعانت سے رکھی گئی تھی ۔ اگر یہ مذہب خدا کی طرف سے دنیا میں آیا ہوتا تو بیک جنبش قلم آتا ، اس میں کمی بیشی کیسے ہوتی اور رد و بدل کیوں کیا جاتا ۔" (۴)

یہ الفاظ سن کر تمام معتقد سناٹے میں آگئے ۔ ان میں سے جو ذرا باشعور تھے وہ متنبہ ہوکر اس مذہب سے فوراً منحرف ہوگئے اور انہوں نے ان لوگوں کو منحرف کیا جو جلسہ میں حاضر نہیں تھے ۔ لوگ اس مذہب سے اس حد تک برگشتہ ہوگئے کہ مریدوں کی تعداد ایک دم سے گھٹ گئی ۔ لہٰذا نمانمود نے مصلحتاً دوجے بار کو اپنا دوست بنالیا لیکن اب وقت گذر چکا تھا ۔ چند روز کے بعد نمانمود ہادی علی خان کے موضع دوآب میں جو اس نے جاگیر میں دیا تھا ، چلا گیا اور وہیں رہنے لگا ۔ اس کے مرنے کے بعد دوسرا بیٹا فغار گدی نشین ہوا ۔

عبدالغفور ٹھٹوی ہالائی

اٹھارویں صدی کے مستصوفین میں سے ایک عبدالغفور تھاجو"۲۴ز" ٹھٹوی نسبت سے مشہور ہے لیکن دراصل وہ حیدرآباد (سندھ) کے قصبے ہالا سے تعلق رکھتا تھا ۔ عبدالغفور اصل میں پارچہ باف تھا اور سانوریہ قوم سے تھا لیکن اس نے خود کو سیّد مشہور کیا ہوا تھا ۔ سیّد حسام الدین راشدی مقالات الشعراء کے حواشی میں لکھتے ہیں ۔

"از حماقتہائی باشندگان دہلی کہ بعد از وفات عالمگیر در تنزل و خانہ جنگی مبتلا بود ، بسیار فائدہ حاصل کرد و خود را ولی و بزرگ و ماہر در تمام علوم و نیز در نیرنجات کامل ظاہر می کرد ۔" (۵)

وہ انتہائی چالاک اور زمانہ شناس تھا ۔ اس نے تمام علوم کا ماہر ہونے ، روحوں اور جنوں پر تسلط اور مستقبل کی باتیں جاننے کا دعویٰ کیا ۔ پہلے پہل اسے اورنگ زیب عالمگیر نے سند دے کابل بھیجا تھا ۔ وہاں اس نے شاہزادہ معظم (بہادر شاہ اول) سے جو وہاں صوبہ دار تھا ، تعلقات استوار کئے اور شاہزادے کے مزاج میں پوری طرح دخیل ہوگیا ۔ اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال کے بعد تخت نشینی کے جنگ میں جو شاہزادہ معظم اور شاہزادہ اعظم کے درمیان لڑی گئی ، اس نے شاہزادہ معظم کا ساتھ دیا ۔

جب بہادر شاہ کا لاہور میں انتقال ہوگیا تو وہ لاہور سے دہلی آیا اور بیرون شہر ایک مسجد میں مقیم ہوگیا ۔ رفتہ رفتہ وہ جادوگری اور ولایت و بزرگی میں اس قدر مشہور ہوگیا کہ نہ صرف دہلی شہر اور دربار شاہی میں حیرت انگیز طور پر رسوخ پیدا کیا بلکہ محمد شاہ کی والدہ نواب قدسیہ بیگم تک اس کی معتقد ہوگئی ۔

ڈاکٹر ستیش چندر ، شیو داس کے حوالے سے لکھتا ہے کہ وہ بہادر شاہ کے زمانے میں ایک گمنام فقیر تھا ۔ اس نے محمد امین کے توسط سے فرخ سیر کے دربار میں باریابی حاصل کی اور اسے پانچ سو روپے ماہوار وظیفہ دیا گیا اور صدر پور اور رہتاس جاگیر کے طور پر دیے گئے ۔ (٦)

بادشاہ اس سے اس قدر متاثر تھا کہ اس کی مرضی اور خواہشات کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا تھا ۔ اگر وہ بادشاہ کو ناشائستہ کلمات بھی کہتا تو

بادشاہ نہ صرف اس کا برا نہیں مناتا تھا بلکہ اس کے سامنے دم نہیں مار سکتا تھا ۔ تمام امراء اور اکابر سلطنت اس کے محتاج ہوگئے ۔ خاص طور پر اس نے مالیات کے محکمے میں بہت مداخلت کی ۔ نظام الملک کے دور وزارت میں تو اس کے اختیارات اس قدر بڑھ گئے کہ تمام انتظامی اور مالی معاملات وزیر کے پاس جانے سے پہلے اس کے سامنے پیش ہوتے تھے اور بعض مورخین کے مطابق وہ ہر روز پانچ ہزار روپیہ کمایا کرتا تھا ۔

بادشاہ گر بھائی سیّد حسین علی خان کے خلاف سازشوں میں اس نے حصہ لیا ۔ وہ گوالن کے روپ میں محل سے پیغامات لایا اور لے جایا کرتا تھا ۔

آخر بارہ برس کے بعد تمام مملکت اس کی حرکات سے تنگ آگئی اور بادشاہ کو بھی اس سے شکایات پیدا ہوئیں ۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ اس نے تقریباً چار کروڑ روپے شاہی خزانے سے غبن کرلئے ہیں ۔ یہیں سے اس کا زوال شروع ہوا اور بادشاہ کی طرف سے حکم جاری کیا گیا کہ غبن شدہ رقم اس سے وصول کی جائے لیکن "امراء بسیار کوشش کردند لیکن ہیچ بازیافت نہ شد" (امراءنے بہت کوشش کی لیکن کچھ بھی برآمد نہ ہوا) (۷) اس پر اس نے بادشاہ کی شان میں بہت زبان درازی کی جس پر اس کی تمام جائیداد ضبط کرلی گئی اور اس کو اس کے گھر میں نظر بند کردیا گیا ۔ ۲۸ مئی ۱۷۳۲ ع کو اسے دہلی کے قلعے میں منتقل کردیا گیا جہاں وہ ۱۷۳۶ ع میں اس دنیا سے رخصت ہوگیا (۸) اور " بادشاہ ، امراء ، اکابر و رعایا از شر او نجات یافتند۔" (۹)

امام شاہی / رسول شاہی

اس نام کا ایک فرقہ بہادر شاہ اول کے عہد میں ہندوستان میں منظم ہوا ۔ اس فرقہ کا بانی ایک شخص امام شاہ تھا ۔ یہ فرقہ شکار پور سے نکلا تھا ۔ چوں کہ امام شاہ کی قبر ایک باغیچہ میں تھا اس لئے اس کے سلسلوالے اپنا نام

باغ کی مناسبت سے رکھتے تھے ۔ کسی کا نام گلاب شاہ، کسی کا چنبیلی شاہ اور کسی کا بہار شاہ وغیرہ ہوتا تھا ۔ اس فرقہ کے لوگ کھلم کھلا اسلامی شعائر کی توہین کرتے تھے ۔ داڑھی مونچھ بلکہ بھنویں ابرو تک استرے سے صاف کرادیتے تھے ۔ علماء کے ساتھ بد تمیزی سے پیش آتے تھے ، الف ننگے پھرتے اور جو ان کو روکتا اس سے الجھ پڑتے تھے ۔ مساجد میں نماز کے وقت داخل ہو کر نمازیوں کی بے عزتی کرنا اور مسجدوں کی صفوں کو جلانا ان کا محبوب مشغلہ تھا ۔یہی گروہ ہے جس نے بھنگ کو بہشت کی بوٹی قرار دے کر "یا علی" کا ورد کرکے پیالہ چڑھانے کی رسم ڈالی ۔

اس فرقہ کے لوگ دہلی کے بارونق گلی کوچوں میں ننگ دھڑنگ بیٹھے رہتے اور اعضائے تناسل کی نمائش کرتے ہوئے کہتے کہ "یہی اللہ ہے اس کی پرستش کرو" رنڈیوں کے پاس آنا جانا جائز سمجھتے تھے ۔ شاہ عبدالعزیز کے زمانہ میں مصنوعی صوفیوں یعنی ان امام شاہیوں کا غلبہ تھا جن کا اثر بادشاہ ، شاہزادوں شاہزادیوں اور عوام پر تھا ۔ اس وجہ سے ان کی جرات اور گستاخی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ علماء کے پاس آتے اور کہتے "او مسجد کے مینڈھے ! کچھ دلوا ہم رنڈی رکھیں گے ، شراب پئیں گے ، بھنگ پئیں گے ۔" علماء کو مجبوراً دینا پڑتا تھا حتی کہ شاہ عبدالقادر بھی دیتے تھے ۔ (١٠)

جو مولوی ٹیکس نہ دیتا تھا اسے مارتے ۔ ایسی متعدد وارداتیں ہوئیں جو دربار دہلی کے علم میں لائی گئیں مگر حکومت ان کا مقابلہ نہ کرسکی ۔ بعد میں یہی ٹیکس زمینداروں پر لگایا گیا جسے دیہات میں رسول واہی کہا جاتا تھا ۔ (١١)

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے اپنے عقیدت مندوں کو منع کیا کہ وہ اس فرقے کے لوگوں سے روابط نہ رکھیں ۔ آپ فرماتے ہیں ۔

"فقرائے رسول شاہی سے ملاقات نہ کرنا چاہیے ورنہ (قلب میں)

بڑی کدورت پیدا ہونے لگتی ہے بلکہ ہندو جو دنیا دار ہیں ان سے ملنے جلنے میں چنداں کدورت نہیں ہوتی ۔" (۱۲)

حواشی

۱ ـ طباطبائی ، غلام حسین ، "سیرالمتاخرین" جلد دوم ، مطبع منشی نولکشور ، ص - ۴۴۵ تا ۴۵۰

۲ ـ ایضاً

۳ ـ ایضاً

۴ ـ ایضاً

۵ ـ راشدی ، سیّد حسام الدین (مرتب) "مقالات الشعراء" از میر علی شیر قانع ٹھٹوی ، کراچی ، سندھی ادبی بورڈ ، اول ۱۹۵۷ ع ، ص - ٦۸۸

٦ . STATISH CHANDRA , DR. "Parties and Politics at the Moughal Court , 1707-1740" Aligarh , Muslim University , p - 212

۷ ـ "مقالات الشعراء" ، محولہ بالا ، ص - ٦۸۹

۸ ـ ڈاکٹر ستیش چندر نے اس کی وفات گوالیار کے قلعہ میں بتائی ہے - ملاحظہ کیجئے " Parties and Politics at the Moughal Court , 1707 - 1740" op.cit, p-214

۹ ـ "مقالات الشعراء" ، محولہ بالا ، ص - ٦۸۹

۱۰ ـ تھانوی ، اشرف علی مولانا "ارواح ثلاثہ" لاہور ، اسلامی اکیڈیمی ، ۱۹۷٦ ع ، ص - ۴۰

۱۱ ـ بلال زبیری "فرقے اور مسالک" جھنگ ، ادبی اکیڈیمی ، اعوان منزل ، دوم دسمبر ۱۹۷٦ ع ، ص - ۲۵۴

۱۲ ـ "ملفوظات شاہ عبدالعزیز" ، کراچی ، پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز ، ۱۹۶۰ ع ص - ۱۷۷

باب چہارم

فصل اول:

تصوف کی تعریف

فصل دوم

تصوف کی وجہ تسمیہ

فصل سوم:

شاہ صاحب کا خانوادہ تصوف

تصوف (تعریف)

تصوف کے علم و عمل کو خاص لوگوں اور خاص طبقوں سے وابستہ سمجھا جاتا ہے ۔ لیکن تصوف ایک ایسا فطری جذبہ ہے جو ہر قلب میں جاگزیں ہوتا ہے جیسا کہ انڈریل کہتا ہے :

> "حقیقی تصوف کی بنیاد انسان کی شخصیت میں جاگزیں ہے اس لئے اساسی طور پر وہ ایک ایسی حقیقت ہے جو صرف قلب انسانی سے تعلق رکھتی ہے ۔" (۱)

چوں کہ فاضل مصنف کے نزدیک حقیقی تصوف کا تعلق انسان کے فطری جذبات سے ہوتا ہے اس لئے کسی بھی فطری جذبے کو کسی خاص شخص یا طبقے سے کیوں کر وابستہ اور مخصوص کیا جاسکتا ہے ۔ ہر انسان کے قلب میں نیکی کا داعیہ ہوتا ہے ۔ وہ بدی سے نفرت کرتا ہے ۔ محاسن بہر حال اسے اچھے معلوم ہوتے ہیں ۔ وہ غور و فکر میں ہوں ، عمل میں ہوں ، انسان کی سیرت میں ہوں ، قدرتی مناظر میں ہوں ، کالے میں ہوں ، گورے میں ہوں ، خواہ کسی شکل میں اور کسی بھی جگہ ہوں ۔ اسی طرح رذائل و قبائح دنیا کے ہر شخص کے لئے ناپسندیدہ ہوتے ہیں وہ خواہ کہیں اور کسی حال میں ہوں ۔ کسی خاص ماحول اور کسی خاص تعلیم و تربیت کے نتیجے میں کسی حسن و قبح کے بارے میں نظریہ تو مختلف ہوسکتا ہے لیکن اصولاً ہر شخص کے لئے ہر حالت میں

حسن پسندیدہ اور قبح ناپسندیدہ عمل ہوگا ۔ چوں کہ تصوف کا ایک بہت بڑا موضوع اور مقصد حسن و حقیقت کی تلاش و اختیار ہے اور مصائب و رذائل اور قبائح سے گریز و احتراز ہے اس لئے تصوف بھی انسان کا فطری جذبہ ہوا ۔ اب ہم فطرت انسانی کے اس جذبے کو کسی نام سے پکاریں ، اس کا نام تصوف رکھیں یا اس کا عنوان کسی فلسفہ یا مذہب کو قرار دیں ، حقیقت ایک ہی رہے گی ۔ اختلاف اسماء کاہوگا مسمیٰ ایک رہے گا ۔ اس انداز فکر سے کہ تصوف ایک فطری جذبہ ہے اور ہر قلب انسانی کو اللہ تعالیٰ نے ودیعت کیا ہے ، تصوف کی اہمیت صرف ایک فلسفہ تعلیم و تربیت ہی کے لحاظ سے نہیں بلکہ زندگی کے ناقابل تردید اور ناقابل اعراض حقیقت کی حیثیت سے بہت بڑھ جاتی ہے ۔

تصوف انسانی ذوق و وجدان کے ایک ایسے عالم اور قلب انسانی کی ایسی کیفیات اور تجربات ذہنی کا نام ہے جس کی آج تک کوئی جامع اور متفق علیہ تعریف نہیں ہوسکی ۔ پروفیسر نکلسن لکھتے ہیں :

> "اگرچہ عربی اور فارسی کی کتابوں میں اس کی بے شمار تعریفیں کی گئی ہیں اور وہ تاریخی لحاظ سے کافی دلچسپ بھی ہیں لیکن ان سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ تصوف ناقابل تعریف ہے ۔" (۲)

اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتی کہ چوں کہ ہر شخص کا ذوق و وجدان جداگانہ ہے اور قلبی کیفیات اور تجربات مختلف ہوتے ہیں اور ان کے لئے کوئی ایک پیمانہ مفید ثابت نہیں ہوسکتا اس لئے تمام اہل علم اور اصحاب

فکر و نظر کا کسی ایک تعریف پر متفق ہونا محال ہے ۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کے افکار کا مطالعہ بھی ہمارے سامنے غور و فکر کے کئی پہلو لاتا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں :

"زندگی کے تمام اساسی حقائق کی طرح اس کی تعریف و تحدید بھی نہایت مشکل ہے ۔ فقط اسلامی تصوف میں سینکڑوں مختلف تعریفیں اس کی ملتی ہیں اور بعض تعریفیں اس قدر متخالف معلوم ہوتی ہے کہ ان میں سے کسی قدر مشترک کو اخذ کرنا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن معلوم ہوتا ہے ۔" (۳)

مولانا روم نے اس مشکل اور اختلاف کی "اختلاف کردن در چگونگی و شکل پیل" کے عنوان سے بہت عمدہ مثال پیش کی ہے ۔ مولانا لکھتے ہیں :

پیل اندر خانہ تاریک بود
عرضہ را آوردہ بودندش ہنود
از برائی دیدنش مردم بسی
اندران ظلمت ہمی شد ہر کسی
دیدنش با چشم چوں ممکن نبود
اندر آن تاریکیش کف می بسود
آن یکی را کف بخرطوم او فتاد
گفت ہمچون ناو دانستش نہاد
آن یکی را دست بر گوشش رسید

آن بر اورا چون باد بیزن شد پدید
آن یکی را کف چون بر پائش بسود
گفت شکل پیل دیدم چون عمود
آن یکی بر پشت او بنهاد دست
گفت خود این پیل چون تختی بدست
ہمچنین ہریک بجزوی کو رسید
فہم آن میکرد ہر آن می تنید
از نظر گہ گفت شان شد مختلف
آن یکی دالش لقب داد آن الف
در کف ہر کس اگر شمعی بدی
اختلاف از گفت شان بیرون شدی

(ترجمہ) ہاتھی ایک تاریک گھر میں تھا ۔ اس کو ہندی لوگ دکھانے کے لئے لائے تھے ۔ اس کو دیکھنے کے لئے بہت سے آدمی گئے ۔ ہر شخص اندھیرے میں گھسا چلا گیا ۔ چوں کہ اندھیرے میں آنکھ سے تو دیکھا نہیں جاسکتا تھا اس لئے ہاتھوں سے ٹٹولتے تھے ۔ ایک شخص کا ہاتھ تو اس کی سونڈ پر پڑا ، اس نے کہا ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے پرنالہ ۔ دوسرے کا ہاتھ کان پر پڑا ، اس نے کہا ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے پنکھا ۔ کسی کاہاتھ پاؤں پر پڑا اس نے کہا ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسا ستون ، کسی نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھا ، اس نے کہا ہاتھی ایسا ہے جیسا تخت ۔ غرض یونہی ہر شخص اس کو ویسا ہی سمجھتا تھا جیسا وہ

عضو جس پر اس کا ہاتھ پڑتا تھا اور ہر جگہ شیخی مارتا تھا کہ میں نے ہاتھی دیکھا ہے اور اختلاف موقع نظر کے سبب ان کی گفتگو مختلف تھی ۔ ایک اس کو دال کہتا تھا ، دوسرا الف لیکن اگر ہر شخص کے ہاتھ میں شمع ہوتی تو ان کی گفتگو سے اختلاف دور ہوجاتا ۔

لیکن مختلف حضرات کا اپنے اپنے ذوق و وجدان کے ذریعے کسی حقیقت الحقائق کا ادراک کرنا اندھیرے میں ہاتھی کی پہچان سے بھی زیادہ مشکل ہے ۔ بہر حال یہ ایک تمثیل ہے اور خواہ اس سے ہم حقیقت کا پورا ادراک نہ کرسکیں لیکن حقیقت سے قریب ضرور ہوجاتے ہیں ۔ چوں کہ ہر شخص کا ذوق و وجدان مختلف ہوتا ہے اس لئے تصوف کے باب میں بھی وہ کسی ایک نتیجے پر متفق نہیں ہوسکے ۔ البتہ ان اہل عمل و نظر اور ارباب فکر و بصیرت کے افکار و تجربات کے مطالعے سے ہم حقیقت تصوف سے قریب ضرور ہوجاتے ہیں ۔ ان افکار میں تصوف کی روح سمٹ آئی ہے اور اس کے مفہوم سے ہمارا ذہن و دماغ آشنا سا ہوجاتا ہے ۔

۱ ۔ حضرت محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (م ۱۱۷ ھ) سے مروی ہے ۔

"پاکیزہ اخلاق کا نام تصوف ہے ۔ جس کے جتنے پاکیزہ اخلاق ہوں گے اتنا ہی زیادہ وہ صوفی ہوگا ۔" (۵)

۲ ۔ حضرت معروف کرخی (م ۲۲۰ ھ) کا کہنا ہے ۔

"تصوف حقائق کا حصول اور خلائق کے مال و متاع سے

یاس ہے ۔ جو شخص صاحب فقر نہیں ، صاحب تصوف نہیں ۔" (٦)

٣ ۔ حسین بن منصور حلاج (م ٣٠٩ ھ) کہتے ہیں ۔

(الف) " صوفی وہ ہے جس نے ذات باری تعالیٰ کو پالیا ۔" (٧)

(ب) "صوفی وہ ہے جو اللہ کی ذات میں محو ہوجائے ۔" (٨)

٤ ۔ حضرت ذوالنون مصری (م ٢٤٥ ھ) کا کہنا ہے ۔

(الف) "صوفی وہ ہے کہ جب بات کرے تو اس کا بیان اپنے حال کے حقائق کے اظہار میں ہو اور جب خاموش رہے تو اس کا معاملہ اور سلوک اس کے حال کو ظاہر کرے اور علائق سے کنارہ کشی اس کے حال پر ناطق ہو ۔" (٩)

(ب) صوفی وہ شخص ہے کہ نہ طلب اس کو تھکائے اور نہ سلب اس کو جگہ سے ہلائے ۔" (١٠)

٥ ۔ حضرت ابو حفص حدّاد (م ٢٦٤ ھ) کہتے ہیں ۔

"تصوف سراسر ادب ہے ۔ ہر وقت ہر مقام اور ہر حال کے لئے متعین آداب و احکام ہیں ۔ جس نے ان آداب کی پابندی کو ان کے اوقات میں لازم رکھا ، وہ مردان خدا کے درجہ پر فائز ہوگیا اور جس نے ان آداب کی پابندی کو ملحوظ خاطر نہ رکھا اور اسے رائگاں کر دیا وہ قریب حق کے خیال اور قبول حق کے گمان سے محروم رہ کر مردود بن گیا ۔" (١١)

٦ ۔ حضرت سہل بن عبداللہ (م ٢٨٣ ھ) سے مروی ہے ۔

(الف) "صوفی وہ ہے جس کا خون معاف اور اس کی ملکیت مباح ہو ۔" (۱۲)

(ب) "تصوف کم کھانے ، خدا کے ذکر سے راحت حاصل کرنے اور مخلوق سے علیحدہ رہنے کا نام ہے ۔" (۱۳)

۷ ۔ حضرت ابو سعید خراز (م ۲۸٦ ھ) سے روایت ہے ۔

"صوفی وہ ہے جو انوار الٰہی سے پر اور اللہ سے صاف رہے اور اذکار سے لذت حاصل کرے ۔" (۱۴)

۸ ۔ حضرت ابو الحسن نوری (م ۲۹۵ ھ) فرماتے ہیں ۔

(الف) "نفس اور حرص و ہوا کی غلامی سے آزادی پانے ، باطل کے مقابلہ میں جرات اور مردانگی دکھانے ، دنیاوی تعلقات کو ترک کردینے ، اپنے مال کو دوسروں پر صرف کردینے اور دنیا کو دوسروں کے لئے چھوڑ دینے کا نام تصوف ہے ۔" (۱۵)

(ب) "صوفیاء وہ ہیں جن کی روحیں باصفا ہوکر حق تعالیٰ کے روبرو پہلی صف میں ہوجاتی ہیں ۔" (۱٦)

(ج) "صوفی وہ ہیں جن کے قبضہ میں کچھ نہ ہو اور نہ وہ خود کسی کے قبضہ میں ہوں ۔" (۱۷)

(د) "تصوف تمام نفسانی لذات و حظوظ سے دست کشی کا نام ہے ۔" (۱۸)

(ہ) "تصوف نہ رسم ہے نہ علم ۔ اگر رسم ہوتا تو مجاہدے

سے اور اگر علم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا ۔" (۱۹)

(و) "اللہ کی عادت سے عادت اختیار کرو یہی تصوف ہے ۔" (۲۰)

(ز) "دنیا کی دشمنی اور اللہ کی دوستی کا نام تصوف ہے ۔" (۲۱)

۹ ۔ حضرت جنید بغدادی (م ۲۹۷ ھ) سے روایت ہے ۔

(الف) "تصوف یہ ہے کہ نفس کو کوشش و ریاضت سے اخلاق رذیلہ سے پھیرے اور اخلاق جمیلہ مانند زہد و حلم و صبر و اخلاص و صدق وغیرہ فضائل حسنہ پر آمادہ کرے ۔ جس سے دنیا میں مدح اور آخرت میں ثواب حاصل ہوتا ہے ۔" (۲۲)

(ب) "ہر برے اخلاق سے نکلنا اور نیک خلق میں داخل ہونا تصوف ہے ۔" (۲۳)

(ج) "تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ توھے بدوں کوئی علاقہ نہ ہو ۔" (۲۴)

(د) "تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے ۔ سخاوت ، رضا ، صبر ، اشارہ ، غربت ، گدڑی ، سیاحت اور فقر ۔ سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی ، رضا حضرت اسحاقؑ کی ، صبر حضرت ایوبؑ کا ، اشارہ حضرت زکریاؑ کا ، غربت حضرت یحییٰؑ کی ، لباس صوف حضرت موسیٰؑ کا ، سیاحت حضرت عیسیٰؑ کی اور فقر حضرت محمد ﷺ کا ۔" (۲۵)

(ہ) "تصوف یہ ہے کہ حق تجھے تجھ سے مارے اور اس سے

آپ تجھے جلائے ۔" (۲۶)

(و) "تصوف ایسی خوبی ہے جس میں بندے کو قائم کیا گیا ہے ۔" کسی نے پوچھا : یہ حق کی صفت ہے یا بندے کی ۔ آپ نے فرمایا : "اس کی حقیقت حق کی صفت ہے اور اس کی ظاہری رسم و حالت بندے کی صفت ہے ۔" (۲۷)

۱۰ ۔ حضرت عمرو بن عثمان مکّی (م ۲۹۷ ھ) سے روایت ہے ۔

"تصوف اس کا نام ہے کہ بندہ ہر وقت اس شے میں مشغول ہو جو اس وقت اول اور افضل ہو ۔" (۲۸)

۱۱۔ حضرت سمنون محب (م ۲۹۷ ھ) کہتے ہیں ۔

"تصوف یہ ہے کہ کوئی چیز تیری ملک نہ ہو اور نہ تو کسی کی ملک ہو ۔" (۲۹)

۱۲ ۔ حضرت ممشاد علو دینوری (م ۲۹۹ ھ) سے مروی ہے ۔

"تصوف سے مراد صفائی اسرار اور اللّٰہ تعالیٰ کی رضا پر عمل کرنا اور بیکار چیزوں سے دستبردار ہوجانا ہے ۔" (۳۰)

۱۳ ۔ حضرت ابو محمد روئم (م ۳۰۳ ھ) سے مروی ہے ۔

(الف) "افعال حسنہ پر ثابت قدمی تصوف ہے ۔" (۳۱)

(ب) "تصوف تین خصلتوں پر مبنی ہے ۔ اول - تمسک بالفقر اور محتاجی ، دوم - صاحب بذل و ایثار ہونا ۔ سوئم - تعرض اور اختیار کا چھوڑ دینا ۔" (۳۲)

(ج) "تصوف نفس کا اللہ کے ساتھ اس کی مرضی پر چھوڑ

دینا ہے ۔" (۳۳)

۱۴ ۔ حضرت ابن الجلا دمشقی (م ۳۰٦ ھ) سے روایت ہے ۔

"تصوف سراپا حقیقت ہے جس میں رسم و مجاز کا دخل

نہیں ہے ۔" (۳۴)

۱۵ ۔ حضرت ابو محمد جریری (م ۳۳۱ ھ) کا کہنا ہے ۔

"ہر ایک اعلیٰ خلق میں در آنا اور ہر ایک ادنیٰ خلق سے

نکلنا تصوف ہے ۔" (۳۵)

۱٦ ۔ حضرت ابو عبداللّٰہ محمد بن محمد فضل (م ۳۱۹ ھ) کی رائے میں

۔

"صوفی وہ ہے جو بلا سے پاک اور عطا سے الگ رہے ۔" (۳٦)

۱۷ ۔ حضرت شیخ ابو عمرو دمشقی (م ۳۲۰ ھ) سے مروی ہے ۔

(الف) "تصوف یہ ہے کہ خدا کے ماسوا میں نقصان دکھائی

دے بلکہ ما سوا اللہ سے آنکھیں بند رکھے ۔" (۳۷)

(ب) "جہان کو نقص و عیب کی آنکھ سے دیکھنے کا نہیں

بلکہ دنیا سے منہ پھیر لینے کا نام تصوف ہے ۔" (۳۸)

۱۸ ۔ حضرت شیخ ابوبکر کتانی (م ۳۲۲ ھ) سے روایت ہے ۔

"تصوف بہتر اخلاق کا نام ہے جس کا اخلاق اچھا ، اس کا

تصوف اچھا ہے ۔" (۳۹)

۱۹ ۔ حضرت ابو محمد مرتعش (م ۳۲۸ ھ) سے مروی ہے ۔

(الف) "صوفی وہ ہے کہ اس کا باطن اس کے قدم کے ساتھ برابر ہو ۔" (۴۰)

(ب) "حسن خلق کو تصوف کہتے ہیں ۔" (۴۱)

۲۰ ۔ حضرت ابوبکر شبلی (م ۳۳۴ ھ) کہتے ہیں ۔

(الف) "صوفی وہ ہے جو دونوں جہان میں بجز ذات الٰہی کے کچھ نہ دیکھے ۔" (۴۲)

(ب) "تصوف میں شرک ہے اس لئے کہ دل کو غیر کی رویت سے بچانا ہے حالاں کہ غیر کا وجود ہی نہیں ہے ۔" (۴۳)

۲۱ ۔ حضرت شیخ ابوالحسن قوشنجی (م ۳۵۰ ھ) کہتے ہیں ۔

"عمل پر ہمیشگی کرنا تصوف ہے ۔" (۴۴)

۲۲۔ حضرت شیخ بندار ابن حسین بن محمد بن مہلت شیرازی (م ۳۵۳ ھ) کہتے ہیں ۔

"تصوف ایفائے عہد کو کہتے ہیں ۔ " (۴۵)

۲۳ ۔ حضرت علی بن بندار الصیرفی (م ۳۵۹ ھ) سے مروی ہے ۔

"تصوف یہ ہے کہ (صوفی) اپنے ظاہر اور باطن میں حق کی خاطر خود کو نہ دیکھے ۔" (۴۶)

۲۴ ۔ حضرت عبداللہ خفیف (م ۳۷۱ ھ) کہتے ہیں ۔

(الف) "صوفی وہ ہے کہ صوف صفا پہنے یعنی ان کو

صفائی باطن پر پہنے اور دنیا کو ترک کرے اور نفس پر جفا کرے ۔" (۴۷)

(ب) "تقدیر پر صبر کرنا اور مصائب اٹھانا تصوف ہے ۔" (۴۸)

۲۵ ۔ حضرت حصری (م ۳۷۱ ھ) کہتے ہیں ۔

(الف) "دل کو مخالف کی کدورت سے پاک و صاف رکھنے کا نام تصوف ہے ۔" (49)

(ب) "صوفی وہ ہے جو معدوم ہونے کے بعد ہستی کی تمنا نہیں کرتا اور موجود ہونے کے بعد معدوم ہونے کی خواہش نہیں کرتا ۔" (۵۰)

۲۶ ۔ حضرت شیخ ابو سعید بن ابوالخیر (م ۴۴۰ ھ) کہتے ہیں ۔

(الف) " تصوف یہ ہے کہ جو کچھ راز ہے اس کو راز رکھ اور جو کچھ ہاتھ میں ہے وہ بخشش کر اور جو کچھ تیرے اوپر آئے اس کو بخوشی برداشت کر ۔" (۵۱)

(ب) "تصوف دل کا حق تعالیٰ کے ساتھ بلا واسطہ قائم ہونا ہے ۔" (۵۲)

۲۷ ۔ حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری (م ۴۶۵ ھ) سے مروی ہے ۔

(الف) "صفا ولایت کی منزل ہےاور اس کی نشانیاں ہیں اور تصوف صفا کی ایسی حکایت و تعبیر ہے جس میں شکوہ و شکایت نہ ہو ۔" (۵۳)

(ب) ”صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کرکے حق کے ساتھ مل جائے اور خواہشات نفسانیہ کو مار کر حقیقت سے پیوست ہوجائے ۔“ (۵۴)

(ج) ”صوفی وہ ہے جو بشری کدروتوں سے گذر جائے ۔“ (۵۵)

(د) ”صوفی کے معنیٰ کے لئے عبارت و اشارہ کی ممانعت ہے ۔“ (۵٦)

۲۸ ۔ ایک صوفی کہتے ہیں ۔

”جس کی محبت پاک و صاف ہے وہ صافی ہے اور جو دوست میں مستغرق ہو کر اس کے غیر سے بری ہو وہ صوفی ہے ۔“ (۵۷)

۲۹ ۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (561 سے مروی ہے ۔

(الف) ”صوفی وہ ہے جس کا باطن اور ظاہر کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کی متابعت کی وجہ سے صاف ہوجائے ۔“ (۵۸)

(ب) ”صوفی وہ ہے جو اپنی ہستی سے صاف ہوگیا ہو ۔“ (۵۹)

۳۰ ۔ حضرت شیخ ابو حفص عمر بن محمد سہروردی (م ٦۳۸ ھ) سے روایت ہے ۔

”تصوف ایک ایسا اسم ہے جس میں فقر اور زھد کے معانی شامل ہیں ۔“ (٦۰)

۳۱ ۔ بعض صوفیا نے کہا ۔

(الف) ”صوفی وہ ہے کہ اس کے سامنے جب اچھے دو حال پیش آئیں یا وہ اچھے دو خلق ہوں تو وہ احسن اور بہت اچھے کے ساتھ ہو ۔“ (٦۱)

(ب) "تصوف کا اول علم ہے اور اوسط اس کا عمل ہے اور اس کا آخر عطا من اللہ تعالیٰ ہے ۔" (٦٢)

۳۲ ۔ حضرت محمد بن احمد المقری (م ٦٥٨ ھ) کہتے ہیں ۔

"حق تعالیٰ کے ساتھ احوال کی استقامت کا نام تصوف ہے ۔" (٦٣)

۳۳ ۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر (م ٦٦۴ ھ) سے روایت ہے ۔

(الف) "صوفی وہ ہے جس کے دل میں اتنی صفائی ہو کہ اس کے صفائے قلب کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے ۔" (٦۴)

(ب) "تصوف مولیٰ کی صفائے دوستی کا نام ہے ۔" (٦۵)

(ج) "اہل تصوف وہ ہیں جو ہر وقت خاموش اور عالم تحیر میں مستغرق رہتے ہیں ۔" (٦٦)

(د) "اہل تصوف ایک ایسی قوم ہیں کہ جب وہ خدا سے پیوستہ ہوجاتے ہیں تو پھر ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی خبر نہیں ہوتی ۔" (٦٧)

(ہ) "تصوف کا کمال یہ ہے کہ اصحاب تصوف ہر روز پانچوں وقت نماز میں اپنے کو عرش پر دیکھیں ۔" (٦٨)

۳۴ ۔ حضرت امیر خسرو (م ۷۲۵ ھ) کہتے ہیں ۔

"تصوف اپنی خودی کو خدا کے سامنے جھکا دینے کانام ہے ۔" (٦٩)

۳۵ ۔ حضرت شیخ میاں میر (م ۱۰۴۵ ھ) سے مروی ہے ۔

"صوفی وہ ہے جس کا وجود فنا ہوجائے ۔" (۴۰)

۳٦ ۔ حضرت ابو علی قرمیسنی کہتے ہیں ۔

"پسندیدہ اخلاق کا نام تصوف ہے ۔" (۴۱)

اگرچہ یہ تعریفات بہت مجمل ہیں لیکن ان کے مطالعے سے تصوف کے جو خصائص سامنے آتے ہیں نہ وہ صرف وجدانی ہیں ، نہ وہ صرف کوئی فلسفہ ہے ، نہ وہ ترک دنیا کی تعلیم ہے ، نہ دنیا میں محض تعلق بالحق کی تلقین ہے بلکہ انسان کے وجدان سے عقائد و اعمال تک اور تعلق باللہ سے تعلق بالخلق تک سلامت روی کی تلقین و تعلیم اور دنیا میں حق شناسی سے لے کر احساس فرض تک اپنے فرائض اور واجبات تک ادائیگی اور دنیا سے اپنا جائز حق اور حصہ قبول کرلینے نہ کہ ترک کردینے کا نام تصوف ہے ۔

اگر اس کے خصائص کو مختلف عنوانات کے تحت تالیف کیا جائے تو ان کی ترتیب اس طرح ہوگی ۔

اتباع حق ، رضا جوئی الٰہی وغیرہ ۔

۲ ۔ رسالت : اتباع رسالت پناہی ، اعمال حق ، اسلام کی کامل درجہ کی پیروی ۔

۳ ۔ تعلیم و کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس : تمام اچھے افکار و عقائد اور نیک اعمال ۔

۴ ۔ تلاش حق و حسن : اپنے گرد پھیلی ہوئی دنیا میں حق کی جستجو اور اس پر عمل و استقامت ، اعمال زندگی میں حسن کی تلاش اور اس کا

اختیار ۔

۵ ۔ محاسن سیرت : (الف) صبر ، استقامت ، ایثار ، اخلاص ، بے نفسی ، اعتدال ، میانہ روی وغیرہ ۔

(ب) ترک رذائل : محاسن کے اضداد کا ترک ۔

٦ ۔ ترک دنیا : رہبانیت

۷ ۔ احساس فرض : فرض کی ادائیگی ، خودی کا احساس ، خود شناسی ۔

۸ ۔ فکر و عمل کا امتزاج :

ان خصائص سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ صوفیائے کرام کے سامنے تصوف کے افکار و تعلیمات کا جو مقصود ہے وہ ایک مرد مومن و مسلم ہے جو اپنے تمام افکار و عقائد ، اپنی سیرت و اعمال ، اپنی زندگی کے تمام آداب و رسوم اور زندگی کے ہر پہلو سے ایک کامل مسلمان نظر آئے ۔

تصوف کا نقطہ آغاز دراصل حدیث جبرائیل علیہ السلام ہے جو حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ۔ اس کا خلاصہ اس طرح ہے ۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سے سوالات دریافت کئے ، ان میں سے ایک سوال یہ تھا : ” اخبرنی عن الاحسان “اس پر [illegible] حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

”ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تک تراہ فانہّ یراک “ (۴۲)

گویا تصوف نام ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ کی بندگی حضور قلب سے کرنے

کا اور اس کے احکام کو پورے خشوع و خضوع سے بجا لانے کا ۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کا منشائے تصوف بھی یہی ہے ۔ وہ فرماتے ہیں :

"صوفی وہ ہے جس کا باطن اور ظاہر کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کی متابعت کی وجہ سے صاف ہوجائے" (۴۳)

زہاد ہوں یا عبّاد ، صوفی ہوں یا درویش ، فقیہہ ہوں یا محدّث ، جب تک کہ وہ کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ ﷺ کی مکمل پیروی نہ کریں ، کسی مرتبے تک نہیں پہنچ سکتے ۔ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کہتے ہیں ۔

"اولیاء اللہ خواہ وہ غوث ہوں یا امامان ، اوتاد ہوں یا ابدال ، اخیار ہوں یا ابرار ، نقباء ہوں یا نخباء ، مکتومان ہوں یا مفردات ، وہ اس وقت تک فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے درجے تک نہیں پہنچ سکتے ، جب تک کہ وہ ظاہراً ، باطناً ، قولاً ، فعلاً اور حالاً حضرت محمد ﷺ کے متبع نہ ہوں ۔"

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں ۔

"جس کسی نے بھی اس جماعت سے رسول اللہ ﷺ کی روش کے خلاف اور غیر متابعت رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اختیار کیا ہے وہ مقصود کو نہیں پہنچا ۔" (۴۴)

اگر کوئی شخص جو ظاہراً زہد و اتقا کے کتنے ہی بلند مرتبے تک پہنچ جائے اگر وہ بھی کوئی عمل سنّت رسول اللہ ﷺ کے خلاف کرے تو اس کے اس عمل کی کوئی اہمیت نہیں اور نہ اس کی پیروی کرناچاہیے ۔ مولانا کرامت

علی جونپوری کہتے ہیں :

"اگر کوئی عالم کسی درویش یا مجذوب کا خلاف شرع کام دیکھ کر اس سے انکار کرے اور اس بے شرع شخص کی بات جو خلاف شرع ہے اس کو نہ مانے تو اس کو کچھ ڈر نہیں ، بلکہ آنحضرت ﷺ اس کے مددگار ہوتے ہیں ۔" (۷۵)

حضرت ابو سعید خراز فرماتے ہیں :

" وہ باطن جو ظاہر کے خلاف ہو ، مردود ہے ۔" (۷٦)

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں ۔

"ہمارا علم رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ملا ہوا اور گھٹا ہوا ہے ۔" (۷۷)

حضرت بایزید بسطامی کی ایک حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک دن انہوں نے ایک شخص کی زیارت کا ارادہ کیا جو زہد و ورع میں بہت مشہور تھا ۔ جب وہ شخص اپنے گھر سے نکلا تو اس نے قبلہ کے رخ کی طرف تھوکا ۔ یہ دیکھ کر حضرت بایزید بسطامی واپس لوٹ آئے اور اس زاہد سے ملاقات نہیں کی اور اپنے ساتھیوں سے کہا جب اس شخص پر رسول اللہ ﷺ کے آداب کے پابند ہونے کا بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تو اس کے اس دعویٰ کا کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے کہ وہ اولیاء اور صدیقین کے مقامات تک پہنچ گیا ہے ۔ (۷۸)

حضرت ابوبکر شبلی ، سنّت رسول اللہ ﷺ کے اس قدر پابند تھے ، اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے کیا جاسکتا ہے ۔

"نزع کے وقت جب آپ (حضرت شبلی) کی زبان بند ہوگئی
اور پیشانی پر پسینہ بہنے لگا تو انہوں نے خادم کو اشارے سے وضو
کرانے کے لئے کہا - خادم نے وضو کرایا لیکن داڑھی میں خلال کرانا
بھول گیا - آپ نے اسی وقت خادم کا ہاتھ پکڑ کر داڑھی میں
خلال کرایا -" (۷۹)

حضرت سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں -

"ہر وہ جذبہ اور وجدانی کیفیت جس کی شہادت کتاب و
سنّت سے نہ ملے، باطل ہے -" (۸۰)

حضرت ابو حفص عمر بن محمد سہروردی قول فیصل فرماتے ہیں -

"صوفیائے کرام کا طریقہ اور ان کا حال یہی ہے جو ہم نے
بیان کیا ہے اور کوئی اس کے کسی اور حال کا دعویٰ کرے تو وہ
جھوٹا مدعی اور گمراہ ہے -" (۸۱)

غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ طریقت، شریعت سے جدا ہے اور صاحب طریق لوگوں پر شریعت کی پابندی ضروری نہیں ہے - خوشحال خان خٹک اپنے اشعار میں کہتے ہیں -

"شریعت درخت کی جڑ ہے اور طریقت اس کی شاخیں،
حقیقت اس درخت کے پتے ہیں اور معرفت اس کے پھول -" (۸۲)

ان اشعار میں خوشحال خان خٹک نے اسی غلط عقیدے کو ختم کیا ہے - اخوند درویزہ اپنے ہمعصر بایزید انصاری کو ملحد سمجھتے تھے - ملحد سمجھنے

کی وجہ یہ تھی ۔ "بایزید کہتا ہے کہ شریعت طریقت سے جدا ہے ۔" (۸۳) قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے ۔ "ما آتاکم الرسول فخذوہ و ما نہاکم عنہ فانتھوا ۔" (۸۴) یعنی جس کام کے کرنے کا رسول حکم دیں اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ ۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ۔

"ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما ، کتاب اللّٰہ و سنۃ رسولہ ۔" (۸۵)

ان تمام دلائل کی روشنی میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی فرمودہ تعریف میں اگر تھوڑی سی ترمیم کردی جائے تو اس سے بہتر اور کوئی تعریف نہیں ہوسکتی ۔

"صوفی وہ ہے جو ظاہراً اور باطناً کتاب اللّٰہ اور سنّت رسول اللّٰہ ﷺ کی متابعت کی وجہ سے درجہ احسان تک پہنچ جائے ۔"

حواشی

۱ . Underhill Evelyn, "Mysticism" London, Methuer & Co. , 1952 , p - 82

roultedge & Paul , Nov. 1963 , p - 13

۳ ـ سہ ماہی "اردو" اقبال نمبر ۱۹۳۸ ع ، ص - ۴۸۴

۴ ـ روم ، جلال الدین ، مولانا "مثنوی" دفتر سوم

۵ ـ والنتین ژوکوفسکی (مرتب) "کشف المحجوب" از ہجویری ، ابی الحسن علی بن عثمان ، لینن گراڈ ، مطبعہ دارالعلوم جماہیر شوروی سوسیالیستی ، ۱۳۴۴ ھ ص - ۴۴

۶ ـ سہروردی ، عمر بن شہاب الدین ، "عوارف المعارف" (اردو ترجمہ) از حافظ رشیداحمد لاہور ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، اول ۱۹۶۲ ع ، ص - ۸۹

۷ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ، ص - ۴۴

۸ ـ عطار ، فرید الدین ابو حامد محمد بن ابی بکر ابراہیم ، "تذکرۃ الاولیاء" لاہور ، مطبع احمدی ، ۱۳۶۶ ھ ص - ۳۲۳

۹ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ، ص - ۴۱

۱۰ ـ "عوارف المعارف" محولہ بالا ، ص - ۹۳

۱۱ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ، ص - ۴۷

۱۲ ـ ایضاً ، ص - ۴۱

۱۳ ـ دارا شکوہ ، شہزادہ ، "سکینۃ الاولیاء" (اردو ترجمہ) از پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی ، لاہور ، پیکجز لیمٹڈ ، ص - ۱۷۵

۱۴ ـ "تذکرۃ الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۲۶۸

۱۵ ـ "کشف المحجوب" ، محولہ بالا ، ص - ۴۸

۱٦ ـ اا ، ص - ۴۲

۱۷ ـ ایضاً

۱۸ ـ الکلاباذی ، ابوبکر بن ابو اسحاق ، "التعرف لمذھب اھل التصوف" (اردو ترجمہ) از ڈاکٹر پیر محمد حسن ، لاہور ، المعارف گنج بخش روڈ ، اول ۱۳۹۱ ھ ، ص - ۴۴

۱۹ ـ "تذکرۃ الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۲۷۴

۲۰ ـ ایضاً

۲۱ ـ ایضاً

۲۲ ـ ابن الجوزی ، عبدالرحمٰن "تلبیس ابلیس " (اردو ترجمہ) از ابو محمد عبدالحق) کراچی ، نور محمد کارخانہ تجارت ، ص - ۲۲۷

۲۳ ـ ایضاً

۲۴ ـ "عوارف المعارف" محولہ بالا ، ص - ۸۹

۲۵ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ، ص - ۴۰

۲۶ ـ "عوارف المعارف" محولہ بالا ، ص - ۹۳

۲۷ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ص - ۴۱

۲۸ ـ "تذکرة الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۲۹۱

۲۹ ـ "عوارف المعارف" محولہ بالا ، ص - ۹۴

۳۰ ـ حضرت الہدیہ ابن شیخ عبدالرحیم ، "سیر الاقطاب" (اردو ترجمہ موسومہ تذکرہ خواجگان چشت از محمد معین الدین دردائی) کراچی ، نفیس اکیڈیمی ، جون ۱۹۶۷ ع ، ص - ۸۱

۳۱ ـ "تذکرة الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۲۸۰

۳۲ ـ "عوارف المعارف" محولہ بالا ، ص - ۸۹

۳۳ ـ طوسی ، ابی نصر عبداللّٰہ بن علی السراج "کتاب اللمع فی التصوف" لیدن ، مطبع بریل ، ۱۹۱۴ ع ، ص - ۲۵

۳۴ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ، ص - ۴۳

۳۵ ـ قشیری ، ابی القاسم عبدالکریم "الرسالة القشیریة" مصر ، دارالتالیف ، اول ۱۳۸۵ ھ ، ص - ۴۲۸

۳۶ ـ "تذکرة الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۲۹۳

۳۷ ـ دارا شکوہ ، شہزادہ "سفینة الاولیاء" (اردو ترجمہ از محمد علی لطفی) کراچی ، نفیس اکیڈیمی ، دوم مئی ۱۹۶۱ ع ، ص - ۱۸۷

۳۸ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ، ص - ۴۳

۳۹ ـ "سفینة الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۱۸۸

۴۰ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ، ص - ۴۴

۴۱ ـ "تذکرۃ الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۲۹۲

۴۲ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ، ص - ۴۴

۴۳ ـ ایضاً ، ص - ۴۳

۴۴ ـ "تذکرۃ الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۲۹۴

۴۵ ـ "سفینۃ الاولیامحولہ بالا ، ص - ۱۹٦

۴٦ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ، ص - ۴٦

۴۷ ـ "تذکرۃ الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۲۹۴

۴۸ ـ ایضاً

۴۹ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ، ص - ۴۳

۵۰ ـ ایضاً ، ص - ۴۰

۵۱ ـ "سفینۃ الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۲۰۸

۵۲ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ، ص - ۲۰۷

۵۳ ـ ایضاً ، ص - ۴۰

۵۴ ـ ایضاً

۵۵ ـ ایضاً ، ص - ۳۷

۵٦ ـ ایضاً ، ص - ۳۹

۵۷ ـ ایضاً ، ص - ۳۹

۵۸ ـ جیلانی ، شیخ عبدالقادر "الفتح الربانی" (اردو ترجمہ از ثناء اللّٰہ ندوی)

لاہور ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، اول ، ۱۹۶۲ ع ، ص - ۳۲۱

۵۹ ـ ایضاً ، ص - ۳۸۹

۶۰ ـ "عوارف المعارف" محولہ بالا ، ص - ۹۱

۶۱ ـ ایضاً ، ص - ۹۴

۶۲ ـ ایضاً ، ص - ۹۵

۶۳ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ، ص - ۳۶

۶۴ ـ صباح الدین ایم عبدالرحمٰن "بزم صوفیہ" اعظم گڈھ ، مطبع معارف ، ۱۹۴۹ ع ، ص - ۱۴۸

۶۵ ـ ایضاً

۶۶ ـ ایضاً

۶۷ ـ ایضاً

۶۸ ـ ایضاً

۶۹ ـ خورجوی ، نقی محمد خان ، خان بہادر "حیات حضرت امیر خسرو" کراچی ، ٹائمز پریس ، ص - ۶۶

۷۰ ـ "سفینۃ الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۱۰۲

۷۱ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ، ص - ۴۸

۷۲ ـ بخاری ، ابی‌عبداللہ محمد بن اسماعیل "الصحیح البخاری" الجز الاول ، مصر ، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ ، ص - ۳۴

۷۳ ـ "الفتح الربانی" محولہ بالا ، ص - ۳۲۱

۷۴ ـ قدوسی ، اعجاز الحق "تذکرہ صوفیائے بنگال" لاہور ، مرکزی اردو بورڈ ، اول ۱۹٦۵ ع ، ص - ۳۰۰

۷۵ ـ قدوسی ، اعجاز الحق "تذکرہ صوفیائے سرحد" کراچی ، مرکزی اردو بورڈ ، اول ۱۹٦٦ ع ، ص - ۳۳٦

۷٦ ـ "عوارف المعارف" محولہ بالا ، ص - ۸۷

۷۷ ـ ایضاً ، ص - ۸۸

۷۸ ـ ایضاً

۷۹ ـ ایضاً

۸۰ ـ ایضاً

۸۱ ـ ایضاً

۸۲ ـ "تذکرہ صوفیائے سرحد" محولہ بالا ، ص - ۳۵۹

۸۳ ـ ایضاً ، ص - ۲۵۰

۸۴ ـ قرآن مجید ، سورہ حشر ، آیت ۷

۸۵ ـ "مشکوۃ المصابیح" کراچی ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب ، ۱۳٦۸ ھ ، ص - ۳۱

تصوف (وجہ تسمیہ)

جس طرح تصوف کی تعریف میں محققین کے مابین بہت اختلاف رہا ہے اسی طرح کلمہ "تصوف" کے لغوی اشتقاق کے متعلق بھی زمانہ قدیم و جدید کے محققین میں سخت اختلاف موجود ہے ۔ حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری لکھتے ہیں :

"لوگوں نے اس اسم کی تحقیق میں بہت سے اقوال بیان کئے ہیں اور کتابیں لکھی ہیں ۔ ان میں سے ایک گروہ نے کہا ہے کہ اہل تصوف کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ صوف کا لباس پہنتا ہے ۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ برگزیدگی میں صف اول میں ہوتا ہے ۔ ایک اور گروہ کہتا ہے کہ اس کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اصحاب صفہؓ رضوان اللہ علیہم کے ساتھ محبت کرتا ہے ۔ ایک اور گروہ کا قول ہے کہ یہ اسم لفظ "صفا" سے مشتق ہے ۔

اور اس طریقے کی تحقیق کے متعلق ان معانی میں ہر شخص نے لطیف اشارات بیان کئے ہیں لیکن وہ سب لغوی تعلق کے لحاظ سے حقیقی معنیٰ سے دور ہیں ۔" (۱)

ابو القاسم عبدالکریم قشیری کہتے ہیں ۔

"عربی زبان کی رو سے اس نام کی اصل کی شہادت نہ قیاس سے ملتی ہے نہ اشتقاق سے ۔ واضح امر تو یہی ہے کہ یہ نام

لقب کی طرح ہے ۔"

محققین کے نزدیک صوفی کا اشتقاق درج ذیل کلمات سے ممکن ہے ۔

الف ۔ صف

ب ۔ اہل صفّہ

ج ۔ ثیو صوفیا

د ۔ صوف

ہ ۔ صفا

و ۔ صوفہ

ز ۔ الصفوۃ

ح ۔ صوفانہ

ط ۔ صوفة القفا

الف ۔ صف

بعض محققین کے نزدیک تصوف "صف" سے مشتق ہے ۔ ابوبکر الکلاباذی لکھتے ہیں ۔

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی بندے کے دل میں نور داخل ہوجاتا ہے تو اس کا دل فراخ اور کشادہ ہوجاتا ہے ۔ عرض کیا گیا ۔ یا رسول اللہ اس کی کیا علامت ہے ۔ فرمایا : اس دھوکے کے گھر سے علیحدگی اختیار کرنا اور ہمیشگی کے گھر کی طرف رجوع کرنا اور موت کے واقع ہونے سے پہلے اس کے لئے آمادہ رہنا ۔

جب حارثہ ؓ سے نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ایمان کی کیا کیفیت ہے تو حارثہ ؓ نے عرض کیا کہ میں نے اپنے

نفس کو لے کر دنیا سے علیحدگی اختیار کرلی ہے ۔ دن بھر پیاسا اور رات بھر جاگتا رہتا ہوں اب یہ کیفیت ہے کہ اللہ کے عرش کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ میں اہل جنّت کو دیکھ رہا ہوں اور وہ ایک دوسرے کی زیارت کے لئے آرہے ہیں اور اہل دوزخ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا : جو ایسے شخص کو دیکھنا چاہتا ہو جس کے دل کو اللہ نے منور کر رکھا ہے اسے چاہیے کہ حارثہ کو دیکھ لے ۔"

آگے چل کر کلاباذی کہتے ہیں ۔

" جس کی یہ صفات ہوں کہ باطن پاک ، دل طاہر اور سینہ نورانی ہو وہ صف اول میں ہوگا ۔ اس لئے کہ سبقت لے جانے والوں کے یہی اوصاف ہیں ۔" (۳)

ابو القاسم عبدالکریم قشیری کہتے ہیں ۔

"جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ صوفی "صف" سے مشتق ہے بایں معنیٰ کہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے باعث یہ لوگ اپنے دلوں کی وجہ سے صف اول میں ہیں تو یہ معنیٰ تو درست ہے مگر لغوی طور پر صف کا اسم نسبت صفّی بنتا ہے صوفی نہیں بنتا ۔" (۴)

ب ۔ اہل صفّہ

ایک جماعت کے نزدیک تصوف کا حامل صوفی اہل صفّہ (۵) سے نسبت رکھتا ہے ۔ (٦)

گو اہل صفّہ کی روش مذہب صوفیاء سے بہت مشابہت رکھتی ہے ۔ ترک لذات ، عزلت نشینی ، کثرت ذکر و عبادت وغیرہ لیکن صوفی کی نسبت ان سے درست نہیں کیوں کہ اگر اس کی نسبت صفّہ سے ہوتی تو اس سے صفّی بنتا نہ

کہ صوفی ۔ (۷)

ج ۔ ثیو صوفیاء

علامہ لطفی جمعہ کہتے ہیں ۔

"صوفی کا لفظ ثیو صوفیا سے مشتق ہے جو ایک یونانی کلمہ ہے اور جس کے معنیٰ حکمت الٰہی کے ہیں ۔ صوفی وہ حکیم ہے جو حکمت الٰہی کا طالب ہوتا ہے اور اس کے حصول میں کوشاں ۔ صوفی کی غرض و غایت بھی حقیقت الحقائق کا جاننا ہوتی ہے ۔"

اپنی رائے کی تائید میں لطفی جمعہ کہتے ہیں ۔

"صوفیائے کرام نے اس علم کا اظہار اس وقت تک نہیں کیا اور نہ خود کو اس صفت سے متصف کیا جب تک کہ یونان کی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا اور فلسفہ کا لفظ اس زبان میں داخل نہیں ہوا ۔" (۸)

ابو ریحان البیرونی کہتے ہیں ۔

"تصوف کا لفظ اصل میں سین "س" سے تھا اور اس کا مادہ سوف تھا جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں ۔ دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان میں آیا ۔ چوں کہ حضرات صوفیاء میں اشراقی حکماء کا انداز پایا جاتا ہے اس لئے لوگوں نے اس کو سوفی یعنی حکیم کہنا شروع کیا ۔ رفتہ رفتہ سوفی سے صوفی ہوگیا ۔"

پروفیسر نولڈیکی نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہا ۔

"لفظ سوفس جو سوف سے بتایا جاتا ہے بذاتہ مشرق کی

کسی زبان میں نہیں آیا اور ایسی صورت میں ناممکن ہے کہ اس سے تصوف مشتق ہوا ہو ۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ یونانی الفاظ عربی میں سریانی کے ذریعے آئے ہیں خود سریانی زبان میں یہ لفظ نہیں پایا جاتا پھر کیوں کر ممکن ہے کہ عربی زبان میں آیا ہو ۔"

آگے چل کر کہتے ہیں ۔

"اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیجئے کہ کسی صورت سے یہ لفظ عربی میں آگیا اور سوفس (سوف) مادہ ہوگیا تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ "س" کے بجائے اس کا املا "ص" سے کس قاعدہ سے ہوگیا ۔ ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ کبھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ "س" کے بجائے یونانی الفاظ "ص" سے ہوگئے ہیں ۔ یہ سچ ہے مگر سب کے لئے قاعدے مقرر ہیں اور یہ کسی قاعدے میں نہیں آتا ۔" (۱۰)

د ۔ صوف

ابو نصر عبداللہ بن علی السراج الطوسی کہتے ہیں ۔

"لفظ صوفی کی نسبت لباس صوف سے ہے کیوں کہ یہ انبیاء ، اولیاء اور صدیقین کا شعار تھا ۔" (۱۱)

اس سلسلے میں بہت سے دلائل دیے جاتے ہیں ۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلام کی دعوت قبول فرماتے تھے ، گدھے کی سواری کرتے تھے اور اون پہنتے تھے ۔ (۱۲)

روحاء کی چٹان پر سے ستّر پیغمبر برہنہ پا گذرے جو عبا پہنے ہوئے تھے اور وہ حرم شریف کا قصد کئے ہوئے تھے ۔ (۱۳)

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہما نے اہل صفہؓ

کی صفت اس طرح بیان کی ۔

"جب وہ بھوک کے مارے زمین پر گر پڑتے تھے تو عرب بدو انہیں دیوانہ خیال کرتے تھے ۔ ان کی پوشاک اون کی ہوتی تھی ۔ بعض صحابیوں کے کپڑے جب پسینے سے شرابور ہوجاتے تھے تو ان میں سے بھیڑ کی طرح کی بدبو آنے لگتی جب کہ وہ بارش میں بھیگ جائے ۔ یہاں تک کے بعض صحابی تنگ آکر یہ کہتے تھے : مجھے ان کی بدبو بری لگتی ہے کیا ان کی بو اس وقت بری نہیں لگتی ہوگی جب کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوں گے ۔" (۱۴)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بالوں کابنا ہوا لباس پہنتے تھے ، درخت ان کی خوراک تھی اور جہاں شام ہوجاتی تھی وہیں رات گذار دیتے ۔ (۱۵) نیز فرماتے ہیں کہ میری ان ستر صحابہ سے ملاقات ہوئی جنھوں نے جنگ بدر میں شرکت کی اور جن کا لباس صوف کا تھا ۔(۱٦)

حضرت ابو حفص سہروردی فرماتے ہیں ۔

"یہ وجہ تسمیہ لفظی اشتقاق کے لحاظ سے بہت مناسب ہے کیوں کہ محاورہ میں تصوف کے معنیٰ اونی پوشاک پہننے کے آتے ہیں ۔ جیسا کہ یہ کہا جاتا ہے "تقمص" (اس نے قمیص پہنی) ۔" (۱۷)

ابن خلدون بھی اسی خیال کے حامی ہیں کہ صوفی کا ماخذ صوف سے ہے ۔ (۱۸) علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں ۔ قول معروف وہ ہے کہ تصوف کی نسبت صوف سے ہے ۔ (۱۹)

ڈاکٹر مصطفیٰ حلمی پاشا بھی اسی نظریے کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں : " لہٰذا ماننا چاہیے کہ صوفی کی نسبت صوف کی طرف ہے ۔" (۲۰) مستشرقین میں سے نولڈیکی (م ۱۹۳۰ ع) اور نکلسن (م ۱۹۴۵ ع) اسی نظریے کے حامی

ہیں ۔ (۲۱)

ڈاکٹر قاسم غنی ایرانی ان تمام محققین کی تحقیقات کا جائزہ لے کر لکھتے ہیں ۔

"تصوف کی اصل کے متعلق تمام اقوال و آراء میں سے بطور لغت اور عقل و منطق یہ قول صحیح ہے کہ تصوف عربی کا لفظ ہے اور صوف سے مشتق ہے ۔" (۲۲)

ڈاکٹر ابو سعید نور الدین اپنے مقالے میں لکھتے ہیں ۔

"ہماری رائے میں آخری قول صحیح ہے کہ کلمہ تصوف صوف سے نکلا ہے ۔ کلمہ تصوف باب تفعل کے وزن پر آیا ہے ۔ اس لئے صوف کا لباس پہننے کے فعل کو تصوف کہا جاتا ہے ۔" (۲۳)

۵ ۔ صفا

ایک گروہ کہتا ہے کہ انہیں باطن کی صفائی اور باطن کے آثار کی پاکیزگی کی وجہ سے صوفی کہا گیا ۔ (۲۴)

حضرت ابو الحسن علی ہجویری لکھتے ہیں ۔

"صفائی سب امور میں محمود ہے اور اس کی ضد کدورت ہے ۔ چوں کہ اہل تصوف نے اپنے اخلاق و معاملات کو درست کرلیا ہے اور طبیعت کی آفت سے بیزاری اختیار کرلی ہے اس لئے ان لوگوں کو صوفی کہتے ہیں ۔" (۲۵)

حضرت قشیری کہتے ہیں ۔

"استاد فرماتے ہیں کہ ہر زبان میں صفائی قابل تعریف ہے اور گدلا پن جو اس کی ضد ہے قابل مذمت ہے ۔" (۲۶)

رسول اللہ ﷺ ایک بار تشریف لائے تو آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا ۔ فرمایا :

دنیا کی صفائی جاتی رہی اور کدورت باقی رہ گئی ۔" (۲۷)

حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی کی رائے میں تصوف لفظ "صفا" سے مشتق ہے ۔ (۲۸)

حضرت ابو الحسن القناد کہتے ہیں کہ یہ صفا سے ماخوذ ہے ۔ (۲۹)
حضرت جنید بغدادی کے نزدیک بھی یہ لفظ صفا سے مشتق ہے ۔ (۳۰)
عبدالصمد صارم الازہری کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ لفظ صفا سے مشتق ہے ۔ (۳۱)

معنیٰ کے اعتبار سے اگرچہ یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے لیکن لغوی طور پر درست نہیں کیوں کہ صفا سے جو لفظ مشتق ہوگا وہ صوفی نہیں بلکہ صفوی ہوگا ۔ (۳۲)

و ۔ صوفہ

سیّد احمد کبیر رفاعی (۵۱۲ ھ تا ۵۷۸ ھ) کہتے ہیں ۔

"لوگوں نے اس نام کے مختلف اسباب بتائے ہیں مگر اصل میں اس کا سبب عجیب ہے جس کو بہت سے درویش نہیں جانتے ۔ وہ یہ ہے کہ قبیلہ مضر کی ایک شاخ کا نام بنو صوفہ ہے اور صوفہ غوث بن مر بن طابخہ کا لقب ہے ۔ اس کی ماں کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا ۔ اس نے منت مانی کہ اگر اس کا کوئی بچہ زندہ رہا تو اس کے سر پر اون کا ٹکڑا (علامت و نشان کے طور پر) باندھ کر خانہ کعبہ کا خادم بنا دے گی ۔ چناں چہ غوث بن مر پیدا ہوا اور زندہ رہا تو اس کے سر پر اون کا ٹکڑا باندھ کر خانہ کعبہ کے لئے وقف کردیا گیا ۔ جس کی وجہ سے اس کا لقب صوفہ اور اس کی اولاد کا لقب بنو صوفہ پڑگیا ۔ یہ لوگ حاجیوں کی خدمت کرتے اور ان کو خلعت دیا کرتے ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے

فضل و کرم سے دین اسلام کا ظہور ہوا تو یہ لوگ بھی اسلام لے آئے اور یہ بڑے عبادت گذار تھے ۔ ان میں سے بعض حضرات نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث بھی روایت کی ہیں ۔ تو جو لوگ ان کی صحبت میں رہے یا ان کی صحبت یافتہ جماعت کے ساتھ رہے ان کا لقب صوفی ہوگیا ۔" (۳۳)

ابن جوزی اس کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔ زمانہ جاہلیت میں ایک قوم تھی جن کو صوفہ کہتے تھے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے واسطے الگ ہوگئے تھے اور کعبہ میں وطن کرلیا تھا ، تو جو کوئی ان سے مشابہ ہوا وہ صوفی ہے ۔ (۳۴)

صوفی نام کی وجہ تسمیہ میں ایک نظریہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ چوں کہ صوفیاء نے تواضع ، انکسار، گمنامی اور پوشیدگی کو زیادہ پسند کر رکھا ہے اس وجہ سے گرے پڑے چیتھڑوں اور پھینکے ہوئے صوف (صوفہ) کی مانند ہیں جنہیں کوئی پسند نہیں کرتا اور نہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے ۔ لہٰذا صوفہ کی نسبت سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے جیسے کوفہ کی صفت نسبتی کوفی ہے ۔ یہ بعض اعل علم کا قول ہے اور اس کا مفہوم بھی اس کے لفظی اشتقاق کے مناسب ہے ۔ (۳۵)

ز ۔ الصفوۃ ۔

ایک نظریہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ الصفوۃ سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ خالص دوست ہے یعنی صوفیاء اللہ کے دوست ہوتے ہیں ۔ (۳۶)

ح ۔ صوفانہ

ایک گروہ کے نزدیک یہ لفظ صوفانہ سے ماخوذ ہے ۔ ابن جوزی کہتے ہیں ۔

"ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ صوفی کا لفظ لیا گیا ہے صوفانہ سے جو ایک خوش نما خود رو چھوٹا چھوٹا ساگ ہوتا ہے

تو اسی کی طرف منسوب کئے گئے ۔ کیوں کہ یہ لوگ بھی جنگل کے ساگ پات پر کفایت کرنے میں اختیار کرتے ہیں ۔" (۳۷)

ط ۔ صوفة القفا

ایک اور جماعت کے نزدیک صوفی منسوب ہے صوفة القفا کی طرف یعنی وہ چند بال جو گدی کے آخر میں جمتے ہیں ۔ گویا اس طرح صوفی بھی حق کی طرف متوجہ ہے اور خلق سے منہہ پھیرے ہوئے ہے ۔ (۳۸)

لیکن یہ آراء عام طور پر قابل قبول نہیں رہیں اس لئے ان کے متعلق کسی بحث کی ضرورت نہیں ۔

محاکمہ

مندجہ بالا آراء کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم و جدید محققین کی ایک بڑی تعداد اس پر متفق ہے کہ یہ لفظ صوف سے مشتق ہے ۔ ہماری رائے میں یہ نظریہ محل نظر ہے کیوں کہ صوف پہننا ان لوگوں کی خصوصیت نہیں تھی ۔ (۳۹)

اگرچہ اہل صفہؓ معاشی تنگ دستی کے باعث اس قسم کا لباس پہننے پر مجبور تھے لیکن جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور معاشی خوش حالی آئی تو انہی اصحاب صفہؓ نے اچھے لباس بھی زیب تن کئے ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ۔

"ایوب سے روایت ہے کہ انہوں نے محمد کا حوالہ دیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم ابو ہریرہ ؓ کی خدمت میں بیٹھے تھے ۔ آپ نے ناک صاف کی اور فرمایا : کیا کہنے اب تو ابو ہریرہ کتان سے ناک صاف کرتا ہے ۔ مجھے وہ وقت یاد ہے جب منبر رسول اللہ ﷺ اور حجرہ عائشہ ؓ کے درمیان بے ہوش پڑا ہوتا تھا ۔ آنے والے آتا اور میری گردن پر پاؤں رکھتا کیوں کہ اسے ایسا لگتا کہ میں پاگل

ہوگیا ہوں حالاں کہ مجھے جنون نہیں ہوتا تھا صرف بھوک نے بے حال کر رکھا ہوتا تھا ۔" (۴۰)

حضور اکرم ﷺ نے صرف لباس صوف ہی زیب تن نہیں کیا بلکہ ہر قسم کا لباس استعمال فرمایا ۔ علامہ ابن قیم کہتے ہیں ۔

"آپ ﷺ کا طریقہ لباس یہ ہے کہ کپاس کا ہو ، صوف یا کتان کا یا کوئی سا اور جو بھی لباس میسر آئے پہن لیا جائے ۔ آپ ﷺ نے یمنی چادریں ، سبز چادریں ، جبہ ، قبا ، قمیص ، پاجامے ، تہہ بند ، چادر (سادہ) ، موزہ ، جوتا ہر چیز استعمال فرمائی ۔" (۴۱)

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اکثر و بیشتر تو صرف سوتی لباس زیب تن فرماتے ۔ گاہے بگاہے صوف اور کتان کا لباس پہنتے ۔ (۴۲)

حضرت حسن بصری سے عام طور پر یہ روایت کی جاتی ہے کہ آپ نے ستر بدری صحابہ کو دیکھا جو صوف کا لباس پہنتے تھے ۔ ہماری رائے میں یہ روایت بھی محل نظر ہے ۔ اگر آپ نے صحابہ کرام کی اتنی کثیر جماعت کو دیکھا تھا اور وہ بھی بدری صحابہ کرام کو جن کی فضیلت اسلام میں سب سے زیادہ ہے تو آپ کو لازماً ان کی پیروی کرنا چاہیے تھی ۔ لیکن معتبر روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بڑے خوش لباس تھے ۔ شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں ۔

"حضرت حسن بصری بڑے خوش لباس اور جامہ زیب تھے ۔ چناں چہ ظاہری وضع قطع میں زیادہ تقشف کو پسند نہ کرتے تھے بلکہ اسے جامہ ریا سمجھتے تھے اس لئے نہایت بیش قیمت اور

کپڑے منگاتے تھے ۔ شطاء کا کتان ، یمن کی چادر اور پھول دار چادریں استعمال کرتے تھے ۔ لباس میں جبہ ، رداء اور عمامہ یعنی پورے کپڑے ہوتے تھے ۔ بغیر عمامہ کے گھر سے باہر نہ نکلتے تھے ۔" (۴۳)

دارا شکوہ لکھتے ہیں کہ بعض مستند کتابوں میں ذکر آیا ہے کہ حضرت غوث الاعظم خرقہ نہیں پہنتے تھے بلکہ علماء کی طرح کبھی طلیسان اور کبھی لباس فاخرہ زیب تن کرتے تھے ۔ (۴۴) بلکہ لباس صوف پہننے والے بعض افراد کو ان الفاظ میں تنبیہہ کرتے ہیں ۔

"تم میں سے بعض لوگ نیلے رنگ اور کمبل کے کپڑے پہن کر نیکو کاروں کی سی صورت بناتے ہیں حالاں کہ وہ ہمارے نزدیک کافر ہیں ۔" (۴۵)

اسلام میں لباس کا معیار یہ "و لباس التقویٰ ذٰلکَ خیر" (۴٦ جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لباس جو ستر کو چھپائے ، جس میں تکبّر اور اسراف نہ ہو ۔ چناں چہ حضرت حسن بصری ہی کا ارشاد ہے ۔

"جو شخص عاجزی کے لئے خدا کے سامنے صوف پہنتا ہے تو خدا اس کی نگاہ اور قلب کا نور بڑھاتا ہے اور جو پندار کے لئے پہنتا ہے وہ سرکشوں کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائے گا ۔ " (۴۷)

ایک دفعہ حضرت حسن بصری یمنی جبہ اور یمنی چادر اوڑھ کر نکلے ۔ فرقد نے آپ کو دیکھا اور فارسی زبان میں کہا : استاد کیا آپ کو اس جیسا ہونا مناسب ہے ۔ حسن نے فرمایا ۔ اے ام فرقد کے بیٹے کیا تجھے معلوم نہیں کہ اکثر جہنمی کمبل والے ہوں گے ۔ (۴۸)

حضرت محمد ابن سیرین جو حضرت حسن بصری کے ہم عصر اور مشہور تابعی ہیں ۔ ان کو لباس صوف سے سخت کوفت ہوتی تھی ۔ ایک دفعہ

صلت بن راشد ، حضرت محمد ابن سیرین کے پاس گئے ۔ ان (صلت بن راشد) کے جسم پر صوف کا جبہ ، صوف کا تہہ بند اور صوف کا عمامہ تھا ۔ امام محمد ابن سیرین کو سخت کوفت محسوس ہوئی ، فرمایا ۔ میرا خیال یہ ہے کہ بعض لوگ اون پہنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی تو یہ لباس پہنا تھا ۔ حالاں کہ مجھ سے اس شخص نے روایت کی ہے جسے میں کذب سے متہم نہیں کرتا کہ آپ نے کتان ، صوف اور کپاس ہر طرح کا لباس پہنا ۔ (۴۹)

لباس کا سب سے زیادہ تعلق مو اثرات سے ہوتا ہے اگر موسم سرد ہو تو گرم کپڑے اور گرم موسم میں ہلکے کپڑے استعمال کئے جاتے ہیں ۔ یہ ناممکن ہے کہ سائبیریا کے خطے کے لوگوں کو باریک کپڑے اور افریقہ کے تپتے ہوئے ریگزاروں کے باشندوں کو صوف پہنایا جائے ۔

ان تمام دلائل سے واضح ہوا کہ صوفی کی نسبت صوف سے گو لغوی طور پر درست سہی لیکن معنوی اعتبار سے درست نہیں کیوں کہ صوف پہننا صوفیاء کا امتیازی نشان نہیں ہے ۔

قول فیصل

ہماری رائے میں صوفی کی نسبت صوفہ سے ہے جو لغوی طور پر بھی اور معنوی طور پر بھی موزوں ترین ہے ۔

صوفہ وہ لوگ تھے جنھوں نے زمانہ جاہلیت میں اللہ تعالیٰ کے لئے دنیا کو ترک کردیا تھا اور کعبہ میں رہائش پذیر ہوگئے تھے ۔ اسی طرح صوفیاء بھی دنیا کے لذائذ کو ترک کرکے اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطلوب ہوتے ہیں ۔ اس نسبت پر اعتراض کرتے ہوئے ڈاکٹر ابو سعید نور الدین لکھتے ہیں ۔

"یہ خیال اگرچہ بہت حد تک قرین قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن اس بات کا کوئی قطعی ثبوت بہم نہیں پہنچایا جاسکتا کہ

صوفی کا لفظ اس کے مروجہ معنیٰ میں صوفہ ہی سے نکلا ہے ۔
اس لئے کہ یہ تو ایک خاص قبیلہ کا نام تھا اور اس قبیلہ تک ہی
محدود تھا اس لئے اس لفظ کاعرب سے نکل کر بیرونی ممالک
میں‌اس قدر اشاعت پذیر ہونا حقیقت سے بعید معلوم ہوتا ہے ۔ " (۵۰)

فاضل محقق کے نزدیک اس لفظ کی بیرونی ممالک میں اشاعت پذیری حقیقت سے بعید ہے حالاں کہ موصوف کی اس دلیل میں کوئی وزن نہیں ۔ اس لئے کہ عرب میں کعبہ کو مرکزیت حاصل ہے جہاں عرب کے کونے کونے سے لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی جمع ہوتے تھے اور میلے اور شعر و ادب کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں ۔ اس صورت میں ان مخصوص خصوصیات کے لوگوں کا شہرہ پورے عرب میں پھیلنا کون سا مشکل تھا اور یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اسلام کے آغاز سے قبل ہی بعض لوگ صوفی کے لقب سے ملقب ہوچکے تھے ۔ محمد بن اسحاق سے تاریخ مکہ میں روایت ہے کہ ایک صوفی طواف کرنے کے لئے قبل از اسلام مکہ آیا کرتا تھا ۔ (۵۱) زہاد اسلام میں ابو ہاشم کوفی (م ۱۵۰ ھ) وہ پہلے شخص ہیں جنہیں صوفی کہا گیا ۔ (۵۲) لیکن قرن اول میں بھی لفظ صوفی موجود تھا ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (م ٦٠ ھ) نے اپنے ایک عامل کو سرزنش کرتے ہوئے کہا ۔

قد کنت تشبہ صوفیاء لہ کتب

من الفرائض و آیات فرقان

(۵۳)

(حالاں کہ تو ایسے صوفی سے مشابہت رکھتا ہے جو فرائض اور احکام دین کی کتابوں کا مالک ہے ۔)

حضرت حسن بصری کے دور میں بھی یہ لفظ رائج تھا ۔ (۵۴) ظاہر ہے

کہ ابو ہاشم کوفی سے پہلے جن لوگوں کو صوفی کہا جاتا تھا وہ صوفہ قبیلے ہی سے مشابہت رکھنے والے تھے -

اس لئے ہماری رائے میں لفظ صوفی کی نسبت صوفہ سے ہے جو لغوی اور معنوی دونوں اعتبار سے درست ہے -

حواشی

۱ ـ ژوکوفسکی ، والنتین (مرتب) "کشف المحجوب" از ہجویری ، ابو الحسن علی بن عثمان ، لینن گراڈ ، مطبوعہ دارالعلوم جماہیر شوروی سوسیالیستی ، ۱۳۴۴ ھ ، ص - ۳۴

۲ ـ قشیری ، ابی القاسم عبدالکریم ، "الرسالة القشیریة" مصر ، دارالتالیف ، اول ، ۱۳۸۵ ھ ، ص - ۵۵۰

۳ ـ ڈاکٹر پیر محمد حسن (مترجم) "التعرف لمذہب اہل التصوف" از الکلاباذی ، ابوبکر بن ابو اسحاق ، لاہور ، المعارف گنج بخش روڈ ، اول ۱۳۹۱ ھ ، ص - ۴۰ تا ۴۲

۴ ـ "الرسالة القشیریة" محولہ بالا ، ص - ۵۵۱

۵ ـ اہل صفہؓ سے مراد وہ اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں جو آپ ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی کے صفہ میں رہتے تھے ـ ان کی تعداد مختلف اوقات میں تیس سے ستر تک بتائی جاتی ہے ـ یہ حضرات شب و روز عبادت خداوندی میں مصروف رہتے تھے ـ یہ لوگ فقر و فاقہ کی زندگی گذارتے تھے اور پہننے کے لئے ان کے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہوتا تھا جو گھٹنوں تک یا اس سے بھی کم ہوتا تھا ـ ان کو دو کپڑے کبھی میسر نہیں آئے ـ کھانے پینے کا انتظام اگرچہ بیت المال کی طرف سے تھا لیکن اس ابتدائی زمانے میں بیت المال کی حیثیت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کافی نہ تھا ـ اس لئے ان کو کمئی غذا کے سلسلہ میں صبر و تحمل سے کام لینا پڑتا تھا ـ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے اس کی تصدیق ہوتی ہے ـ فرماتے ہیں ـ

"مجھے وہ وقت یاد ہے جب میں منبر رسول اللہ ﷺ اور حجرہ (ام المومنین) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان بے ہوش پڑا ہوتا تھا ، آنے والا آتا اور

میری گردن پر پاؤں رکھتا کیوں کہ اسے ایسا لگتا کہ میں پاگل ہوگیا ہوں حالاں کہ مجھے جنون نہیں ہوتا تھا صرف بھوک نے بے حال کر رکھا ہوتا تھا ۔" (بخاری ، ابی عبداللّٰہ محمد بن اسماعیل ، "الصحیح البخاری" الجز التاسع مصر ، ادارہ الطباعة المنیریة ، ص - ۱۸٦)

اسکے باوجود بھی وہ حضرات کرام اس حالت پر راضی تھے اور انہوں نے اللّٰہ تعالی کی رضا کو اپنا مقصود حیات بنا لیا تھا ۔ انہی کے متعلق ارشاد باری ہے ۔ " و لا تطرد الذین یدعون ربہم بالغداوۃ و العشیٓ یریدون وجہہ" (قرآن مجید ، سورہ انعام آیت ۵۲) اور ان لوگوں کو مت نکالو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں ۔

زہد و تقویٰ ان کا خاص عمل تھا اور متاع دنیا سے بے نیاز ہوکر صرف ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے ۔

٦ ۔ قاسم غنی ، دکتر "تاریخ تصوف در اسلام" ایران ، چھاپہ نقش جہان ، دوم ، ص - ۳۸

۷ ۔ میر ولی الدین ، ڈاکٹر "قرآن اور تصوف" دہلی ، ندوۃ المصنفین ، ص - ۸

۸ ۔ میر ولی الدین ، ڈاکٹر (مترجم) "تاریخ فلاسفة الاسلام" از محمد لطفی جمعہ ، کراچی ، مسعود پبلشنگ ہاؤس ، ستمبر ۱۹٦۴ ع ، ص - ۲٦۹ - ۲۷۰

۹ ۔ کتاب الہند بحوا الغزالی از شبلی نعمانی ، علامہ ، لاہور ، ثناء اللّٰہ خان ریلوے روڈ ، دوم ۱۹۵۲ ع ، ص - ۲۲۷

۱۰ . "Encyclopaedia of Religions and Ethics" artical on "Sufis" , p - 10

۱۱ ۔ الطوسی ، ابی نصر عبداللّٰہ بن علی السراج ، "کتاب اللمع فی التصوف" لیدن مطبع بریل ، ۱۹۱۴ ع ، ص - ۲۱

۱۲ ـ ارشد ، حافظ رشید احمد (مترجم) "عوارف المعارف" از سہروردی ، عمر بن شہاب الدین ، لاہور ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، اول ۱۹٦۲ ع ، ص - ۹۲

۱۳ ـ ایضاً ، ص - ۹۷

۱۴ ـ ایضاً

۱۵ ـ "التعرف لمذہب اہل التصوف" محولہ بالا ، ص - ۳۹

۱٦ ـ ایضاً

۱۷ ـ "عوارف المعارف" محولہ بالا ، ص - ۹۷

۱۸ ـ ازہری ، عبدالصمد صارم "تاریخ تصوف" لاہور،ادارہ علمیہ ، ص - ۷

۱۹ ـ صوفیہ و فقراء بحوالہ "تاریخ تصوف در اسلام" محولہ بالا ، ص - ۴۴

۲۰ ـ جعفری ، رئیس احمد (مترجم) "تاریخ تصوف اسلام" از ڈاکٹر مصطفیٰ حلمی پاشا ، لاہور، کتاب منزل ، اول ۱۹۵۰ ع ، ص - ۱٦۸

۲۱ . The Mystics of Islam" op. cit. p - 2"

۲۲ ـ "تاریخ تصوف در اسلام" محولہ بالا ، ص - ۴۵

۲۳ ـ ابو سعید نور الدین ، ڈاکٹر "اسلامی تصوف اور اقبال" کراچی، اقبال اکیڈیمی ، ۱۹۵۹ ع ، ص - ۹

۲۴ ـ "التعرف لمذہب اہل التصوف" محولہ بالا ، ص - ۳۷

۲۵ ـ "کشف المحجوب" محولہ بالا ، ص -

۲٦ ـ "الرسالة القشیریة" محولہ بالا ، ص - ۵۵۰

۲۷ ـ ایضاً ، ص - ۵۵۰

۲۸ ـ ندوی ، ثناء اللہ (مترجم) "الفتح الربانی" مع متن از جیلانی ، شیخ عبدالقادر ، لاہور ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، اول ۱۹٦۲ ع ، ص

۲۹ ـ "کتاب اللمع فی التصوف" محولہ بالا ، ص - ۲٦

۳۰ ـ "فوز المرام فی تصنیفات اولیائے کرام" بحوالہ تاریخ تصوف محولہ بالا ، ص - ۸

۳۱ ـ "تاریخ تصوف" محولہ بالا ، ص - ۸

۳۲ ـ "قرآن اور تصوف" محولہ بالا ، ص - ۸

۳۳ ـ "البنیان المشید ترجمہ البرہان الموید" رسالہ الہادی ، جمادی الثانی ۱۳۵۷ ھ ، دہلی ، کتب خانہ اشرفیہ ، ص - ۹

۳۴ ـ محمد عبدالحق (مترجم) "تلبیس ابلیس" از ابن الجوزی ، عبدالرحمٰن ، کراچی ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب ، ص - ۲۲۵

۳۵ ـ "عوارف المعارف" محولہ بالا ، ص - ۹۹

۳۶ ـ ماجد علی خان ، ڈاکٹر "ماہنامہ جامعہ" مئی ۱۹۷۸ ع جلد ۷۵ شمارہ ۵ ، دہلی ، جامعہ ملیہ اسلامیہ ، ص - ۲۴۶

۳۷ ـ "تلبیس ابلیس " محولہ بالا ، ص - ۲۲۷

۳۸ ـ ایضاً

۳۹ ـ "الرسالة القشیریة" محولہ بالا ، ص - ۵۵۰

۴۰ ـ "الصحیح البخاری" الجز التاسع ، محولہ بالا ، ص - ۱۸۶

۴۱ ـ ابن القیّم الجوزی ، ابی عبداللہ "زاد المعاد فی ھدی خیر العباد" الجز الاول ، ۱۹۵۳ ھ ، مصر محمد علی صبیح ، ص - ۵۱

۴۲ ـ ایضاً ، ص - ۵۰

۴۳ ـ ندوی ، شاہ معین الدین احمد ، "تابعین" اعظم گڈھ ، مطبع معارف ، ۱۳۷۶ ھ ، ص - ۹۸

۴۴ ـ بدخشانی ، مقبول بیگ پروفیسر "سکینة الاولیاء" از دارا شکوہ ، شاہزادہ ، لاہور پیکجز لیمٹڈ ، ص - ۷۷

۴۵ ـ "الفتح الربانی" محولہ بالا ، ص - ۵۵٦

۳٦ ـ قرآن مجید ، سورۃ الاعراف ، آیت ٢٦

۴۷ ـ "تابعین" محولہ بالا ، ص - ۹۵

۴۸ ـ ابن سعد ، ابو عبداللہ محمد "الطبقات الکبیر" اردو ترجمہ موسومہ " طبقات ابن سعد" جلد ہفتم ، کراچی ، نفیس اکیڈیمی ، دوم ، ص - ۱۸۴

۴۹ ـ "زاد المعاد" الجز الاول ، محولہ بالا ،ج۲۱ص - ۵۰

۵۰ ـ "اسلامی تصوف اور اقبال" محولہ بالا ، ص - ۸

۵۱ ـ الازرقی ، ابن احمد ، ابی الولید محمد ابن عبداللہ "اخبار مکۃ المشرفۃ" الجز الاول ، مکتبہ خیاط ، بیروت ، ۱۹٦۴ ع ، ص - ۱۲۸

۵۲ ـ چشتی ، سیّد احمد علی (مترجم) "نفحات الانس " از جامی ، عبدالرحمٰن ، لاہور ، اللہ والے کی قومی دکان ، دوم ، ص - ۳۵

۵۳ ـ اس کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ بنی عذرہ کا ایک جوان ایک دن حضرت امیر معاویہ ؓ کے پاس آیا اور فریاد کی کہ آپ کے عامل ابن ام الحکم نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے ـ میں نے اپنی چچا زاد سے شادی کی تھی ـ کسی بات پر بیوی سے اختلاف ہوگیا ـ میں آپ کے عامل کے پاس گیا اور شکایت کی ـ اس نے صلح صفائی کرانے کا وعدہ کیا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ میری بیوی حسین ہے تو اس کے ماں باپ کو دولت کا لالچ دلا کر خود ہی اس سے شادی کرلی ـ حضرت امیر معاویہ ؓ اس واقعہ کو سن کر بہت غصے ہوئے اور فوراً اس عامل کے نام ایک عتاب نامہ بھیجا ـ جس کے آخر میں تین چار شعر بھی درج تھے ـ مذکورہ بالا شعر بھی ان میں شامل تھا ـ

(مصارع العشاق بحوالہ اسلامی تصوف اور اقبال محولہ بالا ، ص - ۱۰)

شاہ صاحب کا خانوادہ تصوف

شاہ صاحب کے زمانے تک جس قدر بھی تصوف کے صحیح مذاہب روئے زمین پر موجود تھے ان میں سے اکثر کے ساتھ شاہ صاحب کا تعلق تھا ۔ آپ لکھتے ہیں :

> "در عالم ظاہر این فقیر را از جہت بیعت و تلقین اشغال ہمہ این امور با جمیع خانوادہ ہائے طریقہ کہ امروز بر روئے زمین مشہور اند با اکثر آنہا ارتباط واقع شدہ است ۔" (۱)

اب یہ سوال کہ روئے زمین پر کتنے خانوادے ہیں اور ان میں سے کس کس خانوادے کے ساتھ شاہ صاحب کا تعلق خاطر تھا ؟ تو اس کی وضاحت شاہ صاحب خود کرتے ہیں ۔

> "اب یہ مسئلہ کہ کل خانوادے کتنے ہیں ۔ اس کے بارے میں لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ بعض لوگ چودہ خانوادے بتاتے ہیں ۔ جن میں سے سب سے مشہور زیدی ، عیاضی ، ادھمی ، ہبیری ، چشتی ، جنیدی اور گازرونی ہیں اور بعض کے نزدیک کل خانوادے بارہ ہیں ان میں سے دس تو مقبول ہیں اور باقی دو مردود ۔ ان دس میں مشہور جنیدیہ ، حکیمیہ ، محاسبیہ ، خفیفیہ ، نوریہ اور طیفوریہ وغیرہ ہیں ۔ الغرض ایک زمانے تک تو یہی خانوادے رہے ۔ اس کے بعد ایک وقت آیا کہ ان کے علاوہ دوسرے خانوادے بھی پیدا ہوگئے مثلاً جامیہ ، قادریہ ، اکبریہ ، سہروردیہ ، کبرویہ ، ویسیویہ اور خانوادہ خواجگان ۔ سرزمین ہند میں چشتی طریقہ کو

حضرت معین الدین اجمیری نے از سر نو زندہ فرمایا اور ان سے خانوادہ معینیہ چلا ۔ خانوادہ خواجگان سے نقشبندی سلسلہ نکلا اور نقشبندی سلسلے سے آگے چل کر حضرت عبیداللہ احرار سے احراری خانوادہ بنا ۔ اس کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا گیا نئے نئے خانوادے معرض وجود میں آتے گئے جیسے شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے قدوسی سلسلہ نکلا ۔ شیخ محمد غوث گوالیری سے غوثیہ طریقہ چلا ، خانودہ باقویہ جو خواجہ باقی باللہ سے منسوب ہے ۔ احمدیہ خانوادہ جس کے بانی شیخ احمد سرہندی ہیں ۔ خانوادہ آدمیہ جو شیخ آدم بنوری کی طرف منسوب ہے اور علائیہ جس کا سلسلہ امیر ابو العلا سے چلتا ہے ۔ ان خانوادوں کے علاوہ اور بھی بہت سے خانوادے معرض وجود میں آئے جن میں سے بعض تو اس وقت تک موجود ہیں اور بعض کا اب کوئی نشان نہیں ملتا ۔

مجھ ضعیف پر حق سبحانہ کا یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے ان تمام خانوادوں میں سے اکثر کے ساتھ ظاہری اعتبار سے ربط پیدا کرنے کی سعادت بخشی ۔" (۲)

شاہ صاحب نے صراحت کے ساتھ جن خانوادوں یا ان کی شاخوں کے ساتھ اپنا ارتباط ظاہر کیا ہے وہ یہ ہیں :

قادریہ (۳)

طریقہ قادریہ را شعب بسیار است ، اصحح و اوثق آن نزدیک اہل حدیث شعبہ اکبریہ است از جانب شیخ محی الدین ابن العربی ، اشہر آن در عوام شعبہ جیلانیہ سادات جیلانیہ و اشہر آن در یمن شعبہ مسرعیہ است ۔ بالجملہ این فقیر را با کثیر این شعب ارتباط صحیح واقع است ۔ (۴)

نقشبندیہ (۵)

طریقہ نقشبندیہ را شعب بسیار است ۔ در دیار ہندوستان از دو جہت شائع شدہ است یکے جہت خواجہ محمد باقی و دیگر جہت امیر ابو العلا و در دیار ما وراء النہر از جہت مخدوم اعظم مولانا خواجگی شائع است و اشہر شعب آن بحسب رسائل تصوف و بیان اشغال قوم شعبہ جامیہ است و باز جہت خواجہ محمد باقی را شعب بسیار است ۔ اشہر آنہا دو شعبہ است ۔ شعبہ شیخ محمد معصوم و شعبہ شیخ آدم بنوری ۔ و این فقیر را بہر یکے ازین شعبہا ارتباط صحیح واقع شدہ است ۔ (٦)

چشتیہ (۷)

طریقہ چشتیہ را شعب بسیار است و اشہر آنہا سہ شعب است نصیریہ ، سراجیہ و صابریہ ۔ و این فقیر را بہر یکے ازیں سہ ارتباط واقع است ۔ (۸)

سہروردیہ (۹)

طریقہ سہروردیہ در دیار ہندوستان از جہت مخدوم بہاء الدین زکریا شائع شد و خراسان از جہت شیخ نجیب الدین بزغش ۔ و این فقیر را بہر یکے ازیں شعبہا ارتباط واقع است ۔ (۱۰)

مدینیہ (۱۱)

طریقہ مدینیہ را شعب بسیار است و اشہر آنہا در مغرب شعبہ مغاربہ است و در حضر موت شعبہ عیدروسیہ است از جہت سیّد عبداللہ عیدروس کبیر و این فقیر را ارتباط بہر یکے واقع شدہ ۔ (۱۲)

کبرویہ (۱۳)

شاہ صاحب نے طریقہ کبرویہ میں اپنا ارتباط پوری تفصیل کے ساتھ الانتباہ میں پیش کیا ہے ۔ (۱۴)

شاذلیہ (۱۵)

اما طریقہ شاذلیہ پس این فقیر خرقہ پوشید از دست شیخ ابو طاہر ۔ (۱٦)

شطاریہ (۱۷)

و اما طریقہ شطاریہ دریں دیار بہمیں یک جہت است ، جہت شیخ محمد غوث گوالیری ۔ بالجملہ این فقیر خرقہ از دست شیخ ابو طاہر کردی پوشید ۔ (۱۸)

گازرونیہ (۱۹)؛ جلالیہ (۲۰)؛ مداریہ (۲۱)؛ جامیہ (۲۲)

و ارتباط بعض خانوادھا کسے کہ مطلع بر احوال این جماعت باشد از کلام مذکور استنباط تواند کرد ۔ چناں کہ مداریہ بواسطہ شیخ حسام الدین مانکپوری کہ یکے از اصحاب شیخ بدیع الدین مدار است و جلالیہ و گازرونیہ و غیر آں بواسطہ مخدوم جہانیاں و جامیہ بواسطہ خواجہ مودود چشتی ۔ (۲۳)

ان کے علاوہ شاہ صاحب کا ارتباط جن مذاہب صوفیاء سے تھا ، ان کی تفصیل شاہ صاحب نے اس طرح لکھی ہے ۔

"اوائل صوفیاء بارہ گروہوں پر منقسم ہوتے ہیں ۔ ان میں سے دو فرقے مردود ہیں جو حلولیہ اور حلاجیہ ہیں اور دس فرقے مقبول ہیں جو معاملات و طرق تصوف میں بہترین خیال کئے جاتے ہیں ۔ جو مجاہدات و آداب میں نہایت پاکیزہ ہیں ۔ ریاضات ، مجاہدات و معاملات میں ان کے مشاہدات مختلف ہیں ۔ شرع و توحید کے اصول و فروع میں متفق ہیں ۔

محاسبیہ جو ابی عبداللہ حارث بن اسد المحاسبی (۲۴) کی طرف منسوب ہے ۔

قصاریہ جو ابو صالح حمدون بن عمارہ القصار (۲۵) کی طرف منسوب ہے ۔

طیفوریہ جو بایزید طیفور بن عیسیٰ البسطامی (۲۶) کی طرف منسوب ہے ۔

جنیدیہ جو ابوالقاسم جنید بن محمد البغدادی (۲۷) کی طرف منسوب ہے ۔

نوریہ جو ابوالحسن احمد بن محمد نوری (۲۸) کی طرف منسوب ہے ۔

سہیلیہ جو سہل بن عبداللہ التستری (۲۹) کی جانب منسوب ہے ۔

حکیمیہ جو ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم ترمذی (۳۰) کی طرف منسوب ہے ۔

خرازیہ جو ابو سعید خراز (۳۱) کی طرف منسوب ہے ۔

خفیفیہ جو ابو عبداللہ محمد خفیف الشیرازی (۳۲) کی طرف منسوب ہے ۔

سیاریہ جو ابوالعباس السیاری (۳۳) کی طرف منسوب ہے ۔

بندہ کو ان طریقوں میں سے ہر ایک سے خرقہ پوشی کا شرف حاصل ہے ۔" (۳۴)

ان ظاہری روابط کے علاوہ شاہ صاحب کو آنحضرت ﷺ سے عالم باطن میں اور بعض بزرگوں کی ارواح سے بھی فیض باطنی حاصل ہوتا رہا ۔ آپ لکھتے ہیں ۔

"در عالم باطن ارتباط این فقیر از جہت بیعت و صحبت و خرقہ و فیض توجہ و تلقین بجناب عالی حضرت پیغامبر ﷺ است ۔" (۳۵)

دوسری جگہ رقم طراز ہیں :

"اکثر اوقات اس عاجز کو ان اصحاب کی ارواح سے بطریقہ باطن برابر فیض ملتا رہا ۔" (۳٦)

اس کے علاوہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے ذریعے بھی اکثر اصحاب کی ارواح سے فیوض باطنی حاصل ہوئے ۔ آپ لکھتے ہیں ۔

" والد بزرگوار نے بطریقہ باطن رسول اللہ ﷺ سے بھی فیض حاصل کیا اور وہ اس طرح کہ والد بزرگوار نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور رسول اللہ ﷺ نے موصوف کو نفی و اثبات کے ذکر کی تلقین فرمائی ۔ نیز والد بزرگوار نے حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ و السلام سے بھی فیض پایا ۔ چناں چہ آپ علیہ السلام نے والد کو اسم ذات کی تعلیم دی ۔ اس کے علاوہ والد بزرگوار نے شیخ ابو محمد عبدالقادر جیلانی ، خواجہ بہاء الدین محمد نقشبند اور خواجہ معین الدین حسن چشتی کی ارواح سے بھی کسب فیض کیا ۔ چناں چہ والد نے ان آئمہ کو خواب میں دیکھا اور ان سے طریقت کی اجازت حاصل کی ۔" (۳۷)

شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں :

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا اور میں نے آپ ﷺ سے بیعت کی اور آپ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا چناں چہ اب میں جب کسی سے بیعت لیتا ہوں تو اسی طرح اس کے ہاتھ کا مصافحہ کرتا ہوں ۔" (۳۸)

حواشی

۱ ۔ ولی اللہ دہلوی ، شاہ "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" دہلی ، آرمی برقی پریس ، ۱۳۴۴ ھ ، ص ۔ ۹

۲ ۔ ولی اللہ دہلوی ، شاہ "ہمعات" حیدرآباد ، شاہ ولی اللہ الیڈمی ، ص ۔ ۱۴ تا ۱۶

۳ ۔ طریقہ قادریہ حضرت عبدالقادر جیلانی کی طرف منسوب ہے ۔ ان کی کنیت ابو محمد اور لقب محی الدین ہے ۔ جیل یا گیل میں یکم رمضان ۴۷۰ ھ کو پیدا ہوئے ۔ اسی نسبت سے جیلانی مشہور ہوئے ۔ آپ کے والد کا نام ابو صالح اور والدہ کا نام ام الخیر امت الجبار فاطمہ تھا ۔ آپ فقہ میں امام حنبل کے پیروکار تھے ۔ فتوح الغیب ، غنیۃ الطالبین اور فتح الربانی مشہور تصانیف ہیں ۔ سلسلہ قادریہ کے بانی تھے ۔ شریعت کے پابند اور بدعات کے کٹر مخالف تھے ۔ صوفیاء کے مانند پھٹے پرانے یا صوف کے کپڑے نہیں پہنتے تھے بلکہ عالمانہ لباس زیب تن فرماتے تھے ۔ کبھی اطلس کے قیمتی کپڑے پہنتے تھے اور کبھی ایسے قیمتی کپڑے ہوتے تھے کہ جن کی قیمت ایک دینار فی گز ہوتی تھی ۔
۹ ربیع الثانی ۵۶۱ ھ کو وفات پائی ۔ بغداد میں مدرسہ باب الازخ میں دفن کئے گئے ۔

غلام سرور لاہوری ، مفتی "خزینۃ الاصفیاء" جلد اول اردو ترجمہ از مفتی محمود عالم ہاشمی ، لاہور ، المعارف گنج بخش روڈ ، اول ، ۱۳۹۲ ھ ، ص ۔ ۱۵۵ تا ۱۶۵

۴ ـ "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ" محولہ بالا ، ص - ۱۵

۵ ـ طریقہ نقشبندیہ کی نسبت حضرت محمد بن محمد التجاری کی طرف ہے ـ نقشبند کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ اور آپ کے والد دونوں کمخواب کے کپڑے بننے اور ان پر نقوش بنانے میں مشغول رہتے تھے ـ محرم ۷۱۸ ھ میں قصر عارفاں میں پیدا ہوئے اور ربیع الاول ۷۹۱ ھ کو انتقال کیا ـ آپ کے مشہور خلفاء میں خواجہ پارسا ، خواجہ علاء الدین عطار ، مولانا یعقوب چرخی اور علاء الدین غجدوانی ہیں ـ

دارا شکوہ ، شہزادہ "سفینۃ الاولیاء" اردو ترجمہ از لطفی ، محمد علی ، کراچی ، نفیس اکیڈمی ، دوم ۱۹۶۱ ع ، ص - ۱۱۰

طریقہ نقشبندیہ کی بنا گیارہ کلمات پر ہے ـ

۱ ـ ہوش در دم ۲ ـ نظر بر قدم ۳ ـ سفر در وطن ۴ ـ خلوت در انجمن ۵ ـ یاد کرد ۶ ـ باز گشت ۷ ـ نگہداشت ۸ ـ یاد داشت ۹ ـ وقوف زمانی ۱۰ ـ وقوف قلبی ۱۱ ـ وقوف عددی

مذکورہ کلمات میں سے پہلے آٹھ خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے اور آخری تین خواجہ بہاء الدین نقشبند سے مروی ہیں ـ ان کلمات کی مختصر تشریح حسب ذیل ہے ـ

۱ ـ ہوش در دم

اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک ہمیشہ ہوشیار رہے اور اس تلاش میں رہے کہ اس کا کوئی سانس غفلت یا معصیت میں تو نہیں گذرا اور اگر ایسا ہوجائے تو استغفار کرے اور مبتدی کے لئے تو یہ بہت ضروری ہے کہ اس کا کوئی سانس غفلت میں نہ گذرے اور یہاں تک احتیاط رکھے کہ حضور دائمی کو پہنچ جائے ـ

۲ ـ نظر بر قدم

اپنی نظر قدموں کی طرف رکھنا یعنی سالک کو چاہیے کہ وہ شہر میں چلے پھرے یا جنگل میں اس کی نظر بھٹک نہ جائے اور جس چیز کی طرف اسے نہیں دیکھنا چاہیے اس پر اس کی نظر بھول کر اور غیر ارادی طور پر بھی نہ پڑے مبادا اس کا خیال منتشر ہوجائے ـ

۳ ـ سفر در وطن

آدمی صفات بشریہ کو چھوڑ کر صفات ملکیہ کو حاصل کرے اور حضرت مجدد الف ثانی ؒ کے مطابق سیر آفاقی کو چھوڑ کر سیر انفس کی طرف سفر کرنا ہے اور شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس کا مطلب بری صفتوں کو چھوڑ کر اچھی صفتیں اختیار کرنا ہے ـ

۴ ـ خلوت در انجمن

سالک کو چاہیے کہ بظاہر مخلوق کے ساتھ ہو لیکن بباطن خالق کے ساتھ ہو یعنی سالک کا جسم تو انسانوں میں موجود رہے لیکن اس کے دل میں یاد خدا کے سوا کچھ نہ ہو ـ

۵ ـ یاد کرد

ہمیشہ اللہ کا ذکر ہو ـ وہ ذکر زبان سے ہو یا قلب سے ـ اور ذکر وہ ہو جو شیخ نے بتایا ہو تاکہ حق تعالیٰ کی حضوری حاصل ہو جائے اور ذکر کی تعلیم کا طریقہ یہ ہے کہ شیخ پہلے خود کلمہ طیبہ کا ذکر کرے اور مرید اپنے قلب کو شیخ کے قلب کے مقابل کرے ، دونوں آنکھیں کھلی رکھے اور منہ بند کرے ـ

٦ ـ باز گشت

جب ذاکر کلمہ طیبہ کا ذکر قلبی کرے تو اس کے بعد زبان سے کہے :

الٰہی انتَ مقصودی و رضاکَ مطلوبی

اور یہ مناجات تین دفعہ ذکر کرنے کے بعد کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور کہے :

اے رب تو ہی میرا مقصود ہے میں نے تیرے لئے دنیا اور آخرت دونوں کو چھوڑا ۔ مجھ پراپنی نعمت مکمل کر اور مجھے اپنا پورا وصال عطا فرما ۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں مَیں نے اپنے والد بزرگوار سے سنا ہے کہ ذکر کے لئے باز گشت بہت بڑی شرط ہے ۔ سالک کو چاہیے کہ اس سے ذرا بھی غفلت نہ برتے چناں چہ وہ فرماتے تھے کہ ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ سب اسی بازگشت کی برکت ہے ۔

۷ ۔ نگاہ داشت

دل سے اِدھر اُدھر کے خیالات کو ہٹانے اور وسوسوں کو دور کرنے کا نام نگاہ داشت ہے اور اس کے لئے سالک کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ چوکنا رہے اور دل میں کوئی ایک بھی اِدھر اُدھر کا خیال نہ آنے دے ۔ خواجہ نقشبند فرماتے ہیں کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ دل میں جونہی کوئی خیال ظاہر ہونے لگے ، اس کو فوراً روک دے ورنہ اگر وہ خیال ظاہر ہوگیا تو پھر طبیعت خود بخود اس طرف مائل ہوجائے گی اور یہ خیال طبیعت کو متاثر کرکے رہے گا اور اس حالت میں اس کو دل سے دور کرنا مشکل ہوجائے گا ۔

نگاہ داشت سے سالک کے اندر ذہن کو ہر طرح کے خیالات اور وسوسوں سے خالی رکھنے کا ملکہ حاصل ہوجاتا ہے ۔

۸ ۔ یاد داشت

اس کا مطلب یہ ہے کہ خالص توجہ واجب الوجود کی حقیقت کی طرف کی جائے ۔ اس نوع کی توجہ فنائے تام اور بقائے مکمل کے بغیر ٹھیک طرح ہو ہی نہیں سکتی ۔

۹ ۔ وقوف زمانی

اپنے اوقات کا حساب رکھے ۔ اگر وقت اعمال خیر میں گذرے تو اللّٰہ کا شکر ادا کرے اور اگر اعمال بد میں گذرے تو اپنے مرتبہ کے مطابق استغفار کرے ۔ اس سے طالب دوام کے شغل تک پہنچ جاتا ہے اور اسی دوام کا نام وقوف زمانی ہے ۔

۱۰ ۔ وقوف عددی

جب سالک ذکر کرے تو طاق گنتی میں کرے ۔

۱۱ ۔ وقوف قلبی

سالک ہر وقت اپنے قلب کی طرف متوجہ رہے جو چھاتی کے نیچے بائیں طرف واقع ہے اور قلب خدا کی طرف متوجہ رہے تاکہ سب طرف کی توجہ ختم ہو کر صرف معبود حقیقی کی طرف توجہ ہوجائے ۔

حضرات نقشبندیہ کے نزدیک وصول الی اللّٰہ کا طریق تین طرح سے ہے ۔

۱ ۔ ذکر ۲ ۔ مراقبہ ۳ ۔ صحبت مرشد

۱ ۔ ذکر

جب طالب ذکر کرنا چاہے تو ایسا وقت تلاش کرے جس میں اسے داخلی اور خارجی ہر قسم کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہو ۔ اس کے بعد طالب کو چاہیے کہ وہ موت کا تصور ذہن میں رکھے اور پھر گناہوں سے مغفرت چاہے ، اپنے ہونٹ بھینچے اور آنکھوں کو بند کرے اور سانس کو اپنے پیٹ میں روک کر اپنے دل میں لا کہے اور اسے اپنی ناف سے دائیں طرف یہاں تک کھینچے کہ وہ اس کے شانوں تک پہنچے ۔ پھر وہ اپنے شانوں کو ہلائے اور انہیں سر کی طرف جھکائے اور الہ کہے اور پھر اپنے دل میں الا اللّٰہ کی سخت ضرب لگائے ۔

نقشبندی مشائخ کے نزدیک سانس روکنے میں بڑی عجیب خاصیت ہے ۔ ان

کا کہنا یہ ہے کہ اس سے باطن میں گرمی ، عزم و ہمت میں یکسوئی اور عشق و محبت میں برانگیختگی پیدا ہوتی ہے اور اس سے طالب کو دل کے وساوس اور اِدھر اُدھر کے خیالات سے چھٹکارا مل جاتا ہے ۔ سانس روکنے کی عادت طالب کو بتدریج ڈالنی چاہیے تاکہ طبیعت پر زیادہ بار نہ پڑے اور سانس روکنے میں افراط نہ ہو جو جوگیوں کا خاصہ ہے ۔

ذکر میں گنتی طاق ہو اور اس میں بڑی خاصیت ہے ۔ چناں چہ طالب پہلی مرتبہ کلمہ توحید ایک سانس میں تین مرتبہ کہے اور اس طرح آہستہ آہستہ پیش رفت کرے یہاں تک کہ وہ ایک سانس میں اکیس مرتبہ یہ کلمہ کہے لیکن اس میں شرط یہی ہے کہ ہر مرتبہ کلمہ طاق گنتی میں کہے ۔

نقشبندی سلسلے میں ذکر نفی و اثبات کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور وہ اس طرح ہے کہ جب طالب لا الٰہ کہے تو وہ اللہ کے سوا ہر معبود ، ہر مقصود اور ہر وجود کی نفی کرے اور جب الا اللہ کہے تو پورے رسوخ اور کامل اطمینان قلب سے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی میں معبودیت ، مقصودیت اور وجود کا اثبات کرے اور یہ اثبات اس طرح نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی خیال دل میں آیا اور نکل گیا ۔

ذکر اثبات مجرد : یہ ذکر اس طرح ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے بجائے صرف اللہ کا ذکر کیا جائے ۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ذکر نقشبندیہ کے مشائخ متقدمین سے منقول نہیں ہے ۔ اس ذکر کو خواجہ محمد باقی باللہ یا ان کے قریبی زمانے میں کسی بزرگ نے شروع کیا ہے ۔

ذکر اثبات مجرد کا طریقہ یہ ہے کہ "اللہ" کو پوری قوت سے ناف سے نکالے اور اس کو کھینچتا ہوا دماغ کی جھلی تک لے جائے اور اس اثنا میں سانس کو

برابر روکے رکھے اور پھر آہستہ آہستہ ذکر کی رفتار کو بڑھایا جائے ۔

شاہ عبدالرحیم سے منقول ہے کہ ذکر نفی اثبات راہ سلوک کے لئے زیادہ مفید ہے اور ذکر اثبات مجرد راہ جذب کے لئے زیادہ مؤثر ہے ۔

اگر کوئی طالب ایک سانس میں اکیس مرتبہ کلمہ توحید پڑھ جاتا ہے اور اس کے باوجود اس کے اندر جذب اور اللہ کی طرف باطنی توجہ کا دروازہ نہیں کھلتا تو وہ یہ جان لے کہ اس کا عمل مقبول نہیں ہوا اور وہ اپنے سب مشاغل چھوڑ کر از سر نو پوری تندہی سے کلمہ توحید پڑھنا شروع کردے ۔

مشائخ نقشبندیہ کے نزدیک ذکر سے مراد ذکر خفی ہے جس کو ذکر قلبی بھی کہتے ہیں یعنی ذکر کرتے وقت چلاّ چلاّ کر ذکر نہ کیا جائے ۔

مراقبہ

اللہ تک پہنچنے کا دوسرا ذریعہ مراقبہ ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ طالب تھوڑی دیر کے لئے سانس کو ناف کے نیچے روکے اور پھر اپنے ادراک کی تمام قوتوں کو مجتمع کرکے اس مجرد اور بسیط حقیقت کی طرف متوجہ ہو جس کا ہر شخص اللہ کا نام لیتے وقت کسی نہ کسی صورت میں تصور کرتا ہے ۔ طالب کو چاہیے کہ وہ اس حقیقت کو الفاظ سے الگ کرکے دیکھنے کی کوشش کرے اور اِدھر اُدھر کے خیالات کی دخل اندازی سے اپنے آپ کو دور رکھ کر اور کسی اور کی طرف اپنی توجہ مبذول کئے بغیر اس حقیقت مجردہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو ۔ چوں کہ اکثر لوگ اس مجرد اور بسیط حقیقت کا ادراک نہیں کرسکتے اس لئے بعض مشائخ نقشبندیہ نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک دعا بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ طالب دل سے برابر دعا کرے اور کہے :

یا رب انتَ مقصودی قد تبرات الیک عن کل ما سواک

بعض مشائخ اس ضمن میں طالب کو اس امر کی تلقین کرتے ہیں کہ وہ

مجرد خلا یا مجرد نور کا تصور کرے اور اس سے تدریجاً طالب اس قابل ہوجاتا ہے کہ اسم اللہ کی مجرد حقیقت کی طرف متوجہ ہوسکے ۔

صحبت مرشد

وصول الی اللہ کا تیسرا ذریعہ مرشد کے ساتھ کامل ربط ہے اور اس کے لئے ضروری شرط یہ ہے کہ مرشد قوی التوجہ ہو اور دائم یاد داشت رکھتا ہو ۔ اس سلسلے میں جب مرید مرشد کے روبرو بیٹھے تو اپنے باطن کو مرشد کی محبت کے سوا ہر چیز سے خالی کردے اور ہمہ تن اس امر کا منتظر ہوجائے کہ مرشد کی طرف سے اس پر کیا فیضان ہوتا ہے ۔ اس حالت میں مرید خواہ اپنی آنکھیں کھلی رکھے یا بند ، وہ مرشد کی دونوں آنکھوں کے درمیان اپنی نظر جما دے اور پھر جب مرشد کی ذات سے اس پر کچھ فیضان ہو ، تو طالب دل و جان سے اس فیضان کے پیچھے پڑ جائے اور برابر اس فیضان کی حفاظت کرے اور جب مرشد اس کے سامنے سے ہٹ جائے تو پھر مرید مرشد کے تصور کو اپنے پیش نظر رکھے لیکن مرشد کا یہ تصور محض احترام اور محبت کے اعتبار ہی سے ہونا چاہیے چناں چہ مرشد کا یہ تصور وہی فائدہ دے گا جو اس کی محبت سے حاصل ہوتا ہے ۔ شاہ عبدالرحیم سے منقول ہے ۔

> "سالک کو چاہیے کہ جب مرشد سے اسے کوئی فیضان نصیب ہو تو اس وقت وہ جس وضع یا ہیئت پر ہو اسی وضع اور ہیئت پر قائم رہے اور اس کو بدلے نہیں مثلاً اگر وہ کھڑا ہے تو کھڑا ہی رہے ، بیٹھے نہیں اور اگر بیٹھا ہے تو بیٹھا ہی رہے ، اٹھے نہیں ۔"

بعض مشائخ اپنے مریدوں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ اپنے دل کا اس طرح تصور کریں گویا اس کے اوپر لفظ اللہ سونے سے لکھا ہوا ہے ۔ شاہ عبدالرحیم

فرماتے ہیں ۔

"میں دس سال کا تھا کہ مجھے خواجہ ہاشم بخاری نے اسم ذات یعنی لفظ اللہ لکھنے کا حکم دیا میں نے اسے بہت لکھا چناں چہ میرے دل وجان میں یہ چیز اس طرح سما گئی کہ ایک دفعہ میں ایک کتاب لکھ رہا تھا تو میں بجائے اس کتاب کو لکھنے کے تقریباً چار ورق تک اسم اللہ ہی لکھتا چلا گیا اور مجھے مطلق اس کا خیال نہ رہا کہ میں کیا لکھ رہا ہوں ۔"

(بوارق الولایۃ ، مشمولہ انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ، اردو ترجمہ از فاروقی ، حکیم اصغر اطہر ص - ۲۱)

شاہ عبدالرحیم مزید فرماتے ہیں :

"میں‌نے خواجہ محمد باقی کے صاحبزادے خواجہ خورد کو دیکھا کہ وہ ہمیشہ مجلس میں بیٹھے ، لوگوں سے باتیں کرتے اور دوسرے کام کرتے وقت اپنے انگوٹھے سے باقی چار انگلیوں پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے ۔ میں نے اس کے متعلق ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ابتدائے سلوک میں مَیں اسم اللہ لکھتا رہا ہوں اور یہ چیز اب میرے لئے گویا عادت بن گئی ہے چناں چہ میرے لئے اس کا چھوڑنا ناممکن ہوگیا ہے ۔"

(بوارق الولایۃ، محولہ بالا ، ص - ۳۸)

٦ ۔ "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" محولہ بالا ، ص - ۲۷ ، ۲۸

۷ ۔ سلسہ چشتیہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ابو اسحاق شامی جب بغداد میں اپنے پیر حضرت ممشاد علو دینوری کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے تو انہوں نے دریافت کیا کہ تمہارا کیا نام ہے ۔ آپ نے جواب دیا کہ لوگ

غلام کو ابو اسحاق چشتی کہتے ہیں ۔ اس پر انہوں نے بڑی محبت اور شفقت سے فرمایا کہ تم خواجہ چشت ہو اور چشت میں اسلام تمہارے قدم کی برکت سے پھیلے گا ۔ پیر سے خلافت اور اجازت پانے کے بعد آپ چشت تشریف لائے اور وہاں خواجہ چشت کے نام سے مشہور ہوئے ۔

ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الدین چشتی ہیں ۔ آپ ۵۲۷ ھ کو سجستان میں پیدا ہوئے ۔ خواجہ عثمان برونی کے مرید تھے اور رائے پتھورا کے عہد میں ہندوستان بغرض تبلیغ و اشاعت اسلام تشریف لائے ۔ اجمیر میں قیام پذیر ہوئے ۔ ٦ رجب ٦٣٢ ھ کو وفات پائی ۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی آپ کے جانشین تھے ۔

حضرت الھدیہ ابن شیخ عبدالرحیم "سیر الاقطاب" اردو ترجمہ از دردائی ، محمدمعین الدین ، کراچی ، نفیس اکیڈمی ، ۱۹۷۲ ع ، ص - ۱۳٦ تا ۱۵۵

سلسلہ چشتیہ کے خصوصیات

شریعت کی پابندی

چشتی اکابرین سلف کے ہاں شریعت کی پابندی پر بڑا زور دیا جاتا تھا ۔ خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں ۔

> "رسول اللہ ﷺ کی پیروی و اتباع پر مضبوطی و ثابت قدمی دکھانا چاہیے اور کوئی مستحب اور ادب بھی فوت نہ ہونے پائے ۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوئم از ندوی ، مولانا ابو الحسن علی ، ص ۱۲۴)

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری فرماتے ہیں ۔

"جو شخص طریقت میں شریعت کا تابع نہ ہوگا اس کو طریقت سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا ۔ یہ ملحدین کا مذہب ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر جائز ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہوگئی تو شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی ۔ خدا کی لعنت ہو اس عقیدہ پر ۔ ظاہر بے باطن نفاق ہے اور باطن بے ظاہر زندقہ ۔ ظاہر شریعت بے باطن نقص ہے اور باطن بے ظاہر ہوس ۔ ظاہر ہمیشہ باطن کے ساتھ وابستہ ہے ۔ ظاہر باطن کے ساتھ ایسا پیوست ہے کہ کوئی شخص اس کو علیحدہ نہیں کرسکتا ۔

یہ غلط ہے اور ملحدین کا مذہب ہے جو کہتے ہیں کہ ایک دوسرے کے بغیر روا ہے اور کہتے ہیں جب حقیقت تک رسائی ہوگئی اور کشف و شہود حاصل ہوگیا تو شریعت کا حکم اٹھ گیا ۔ لعنت ہے اس عقیدہ اور اس مذہب پر ۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوئم ، محولہ بالا ، ص - ۳۰۲

بعض صوفیہ کے ذہنوں میں ایک غلط عقیدہ راسخ ہوگیا کہ شریعت پر عامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سالک اپنی صفات بشریہ سے پاک ہوجائے ۔ چشتیہ میں صوفیہ کے اس غلط عقیدہ کو ختم کرنے پر زور دیا گیا کہ شریعت پر عامل ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سالک اپنی صفات بشریہ سے بالکل پاک ہوجائے بلکہ یہ ہے کہ سالک اپنی بشری صفات پر قابو پاکر انہیں مغلوب کرے ۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں ۔

"یہ اس شخص کی جہالت و حماقت ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ خواہش نفس اور صفات بشریت سے

مطلقاً پاک ہونا چاہیے ۔ اس نے یہ غور نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں بشر ہوں کسی وقت مجھے غصہ آجاتا ہے اور غصہ کااثر بھی اکثر آپ ﷺ پر ظاہر ہوجاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "والکاظمین الغیظ" ۔ اللہ تعالیٰ ان کی تعریف کرتا ہے کہ وہ غصہ کو دباتے ہیں ۔ اس کی تعریف نہیں کہ غصہ کا مادہ ہی نہ ہو اور کس طرح شریعت خواہش نفس کے بالکل ازالہ کا مطالبہ کرسکتی ہے جب کہ آنحضرت ﷺ کی نو بیویاں تھیں ۔ اگر کسی کی خواہش نفس بالکل زائل ہوگئی ہو تو اس کو علاج کرانا چاہیے کہ پھر پیدا ہوجائے ۔ اس لئے کہ گھر والوں اور اولاد پر شفقت ، جہاد میں کافروں پر غصہ اور اولاد کا سلسلہ اور نیک نام کا بقا یہ سب چیزیں نفس کے احساسات اور خواہشات سے تعلق رکھتی ہیں ۔ پیغمبروں نے اس کی تمنا کی ہے کہ ان کا سلسلہ نسب چلے ۔ لیکن شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ خواہشات کو مغلوب رکھا جائے اور احکام شریعت کے ماتحت ، جس طرح گھوڑا سائیس اور کتا شکاری کے قبضے میں ہوتا ہے ۔ کتا بھی ایسا ہونا چاہیے جس کی تربیت ہوچکی ہو ورنہ شکاری ہی پر حملہ آور ہوجائے گا ۔ شکار کے لئے گھوڑے کی بھی ضرورت ہے لیکن ایسا گھوڑا درکار ہے جو رام کرلیا گیا ہو ورنہ اپنے سوار کو گرا دے گا ۔ اسی طرح شہوت اور غصہ ، کتے اور گھوڑے کی طرح ہے ۔ آخرت کی سعادت کو ان دونوں کے بغیر شکار نہیں کیا جاسکتا لیکن شرط یہ ہے کہ ماتحت اور قابو ہوں اگر غالب ہوں گے تو ہلاکت کا سبب بن جائیں گے پس ریاضت اور مجاہدہ کا مقصود یہ ہے کہ یہ دونوں

صفتیں شکستہ اور مغلوب ہوجائیں اور یہ ممکن ہے ۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوئم ، محولہ بالا، ص - ۲۹۱)

ایک اور مکتوب میں مزید فرماتے ہیں ۔

"برادر اعز ! شمس الدین کو معلوم ہو کہ شیطان کبھی کبھی صوفیوں اور اہل ریاضت پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ ترک معصیت کا مقصد یہ ہے کہ خواہشات نفس شکستہ اور صفات بشریت مغلوب ہوجائیں اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یاد ان پر غالب آجائے اور دل ظلمات بشریت سے ذکر الٰہی کے اثر سے صاف ہوجائے اور اس کے نتیجہ میں معرفت خداوندی کی حقیقت اس کو حاصل ہوجائے ۔ شریعت کی پابندی کعبہ وصال تک پہنچنے کی ایک راہ ہے جو شخص کعبہ وصال کو پہنچ گیا اس کو راستہ ، توشے اور سواری کی اب کیا ضرورت ہے ۔ پس شیطان اس گروہ کو یہ سمجھاتا ہے کہ اگر وہ نماز پڑھیں گے تو وہ ان کے لئے حجاب ہوجائے گی اس لئے کہ ان کو وصول حاصل ہوچکا ہے ۔ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو دائمی مشاہدہ میں رہتے ہیں اور نماز ، رکوع و سجود کا مقصود یہ ہے کہ غافل دل کو حضور ہوجائے ۔ ہم تو خود لمحہ بھر غافل نہیں ہوتے ، عالم ملکوت کو آشکارا دیکھتے ہیں ، انبیاء کے جوار مقدس میں ٹھہرائے جاتے ہیں ۔ ہم کو ان عبادات اور فرائض شرعی کی کیا ضرورت ہے ۔ درحقیقت یہ خود ابلیس کا حال اور اس کا واقعہ ہے ۔ اس نے اپنا کمال قرب دیکھا اور کہا کہ آدم کو سجدہ سے کیا حاصل ؟ آدم اس سے کم درجہ ہے ۔ مجھے اس کو سجدہ کرنے سے کیا فائدہ ہوگا ۔ اللہ

تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا قصہ افسانہ کے طور پر نہیں بیان کیا ہے ۔ وہ انہی لوگوں کی عبرت کے لئے بیان کیا ہے جو اس مغالطہ شیطانی میں گرفتار ہیں تاکہ ان کو معلوم ہوجائے کہ کسی بھی مقرب کو شریعت کی فرماں برداری سے چارہ نہیں ۔ بزرگان دین نے جو یہ فرمایا ہے کہ شریعت کی پیروی حق تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ہے ، انہوں نے سچ فرمایا ہے ۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوئم ، محولہ بالا ، ص - ۳۰۵)

اہل طریقت کی شرائط

حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اہل طریقت کے لئے دس شرائط ضروری قرار دی ہیں ۔

۱ ۔ طلب حق

۲ ۔ طلب مرشد کامل

۳ ۔ ادب

۴ ۔ رضا

۵ ۔ محبت

۶ ۔ تقویٰ

۷ ۔ استقامت شریعت

۸ ۔ کم کھانا اور کم سونا

۹ ۔ لوگوں سے کنارہ کشی

۱۰ ۔ پابندی صوم و صلاۃ

اہل حقیقت کی شرائط

اہل طریقت کی مانند حضرت خواجہ نے اہل حقیقت کے لئے بھی دس

شرائط مقرر کی ہیں ۔

۱ ۔ معرفت میں کامل اور اللہ تک پہنچا ہوا ہو

۲ ۔ کسی شخص کو ضرر نہ پہنچائے اور نہ کسی کے بارے میں بری بات سوچے

۳ ۔ حق تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرے اور لوگوں سے وہی بات کہے جس میں دنیا اور دین کا فائدہ ہو

۴ ۔ تواضع

۵ ۔ گوشہ نشینی

٦ ۔ ہر شخص کی عزت اور احترام کرے اور اپنے کو تمام لوگوں سے کمتر اور حقیر سمجھے

۷ ۔ رضا و تسلیم

۸ ۔ ہر رنج و مصیبت میں صبر و تحمل سے کام لے

۹ ۔ سوز و گداز اور عجز و نیاز

۱۰ ۔ قناعت و توکل

سماع

چشتی اکابرین سلف سماع کی سختی سے مخالفت کرتے تھے ۔ حضرت خواجہ مزامیر کی ممانعت میں بڑی شدت اور مبالغہ فرماتے تھے کہ جب عورت کو نماز میں امام کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے دستک دیتے وقت اس کی ممانعت ہے کہ ہتھیلی پر ہتھیلی ماری جائے کہ اس سے تالی کی آواز پیدا ہوتی ہے اور یہ لہو ہے ۔ جب لہو و لعب سے اتنا پرہیز آیا ہے تو سماع میں بطریق اولیٰ مزامیر کی ممانعت ہونی چاہیے ۔

مجلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض

کیا کہ ان دنوں بعض حاضر باش درویشوں نے ایک ایسی مجلس میں شرکت کی جس میں چنگ و رباب اور مزامیر تھے اور رقص کیا ۔ فرمایا اچھا نہیں کیا ، جو خلاف شرع ہے وہ ناپسندیدہ ہے ۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ لوگ جب باہر آئے اور لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا ؟ اس مجلس میں مزامیر تھے ۔ آپ نے سماع کس طرح سنا اور رقص کیا ؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں کچھ پتہ نہ چلا کہ مزامیر ہیں یا نہیں ۔ حضرت سلطان المشائخ نے سن کر فرمایا یہ جواب بھی کچھ نہیں ، یہ جواب تو ہر معصیت کے متعلق دیا جاسکتا ہے ۔ خواجہ نظام الدین اولیاء نے سماع کو چند شرائط کے ساتھ مباح ٹھہرایا ہے اور جس کو سماع کا ذوق ہے اس کو چاہیے کہ وہ ان چاروں درجوں کو جانتا ہو ۔ وہ شرائط یہ ہیں ۔

سماع کی چار قسمیں ہیں ۔ حلال ، حرام ، مکروہ اور مباح ۔

۱ ۔ اگر محبوب حقیقی کی طرف میلان کلی ہے تو حلال ہے ۔

۲ ۔ اگر محبوب مجازی کی طرف میلان کلی ہے تو حرام ہے ۔

۳ ۔ اگر محبوب مجازی کی طرف میلان زیادہ ہے تو مکروہ ہے ۔

۴ ۔ اگر صاحب وجد کا میلان محبوب حقیقی کی طرف زیادہ ہے تو سماع مباح ہے ۔

سماع مباح کے لئے چند چیزیں چاہیں ۔ مسمع (سنانے والا) ، مستمع (سننے والا) ، مسموع (جو کچھ سنایا جارہا ہے) اور آلہ سماع (ذریعہ) ۔ مسمع کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ پوری عمر کا آدمی ہو ، کم سن نہ ہو ، عورت نہ ہو ۔ مستمع کے لئے ضروری ہے کہ جو کچھ وہ سن رہا ہے وہ یاد حق سے خالی نہ ہو ۔ مسموع کے لئے شرط ہے کہ وہ بے حیائی اور ہنسی مذاق کا کلام نہ ہو ۔ آلہ سماع سے مراد مزامیر ہے یعنی چنگ و رباب وغیرہ ، یہ درمیان میں نہ ہو ۔

بیعت

تصوف کے تمام سلسلوں کی طرح چشتیہ میں بیعت کے ذریعے طالب کا اپنے مرشد سے رشتہ قائم کیا جاتا ہے ۔ شیخفرید الدین کی خدمت میں بیعت کے ارادے سے کوئی شخص آتا تو پہلے آپ اسے ایک بار سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھواتے ۔ اس کے بعد سورۃ بقرہ کا آخری رکوع اٰمن الرسول سے آخر تک خود پڑھتے ۔ اس کے بعد شہد اللّٰہ انہ لا الہ الا ھو - تا - ان الدین عند اللّٰہ الاسلام تک پڑھتے ۔ اس کے بعد فرماتے کہ تم نے بیعت کی اس ضعیف کے ہاتھ پر اس کے شیخ اور شیخ کے مشائخ کے ہاتھ پر اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام کے دست مبارک پر اور حضرت عزت (جل مجدہ) سے عہد کیا کہ اپنے ہاتھ ، پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت کرو گے اور شریعت کے راستہ اور طریقے پر قائم رہو گے ۔

حسن سلوک

چشتی سلسلے میں دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک پر زیادہ زور دیا جاتا ہے ۔ اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے ۔

اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی کانٹا رکھ دو تو کانٹے ہی کانٹے جمع ہوجائیں گے ۔ لوگوں کے درمیان عام اصول یہی ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھا ، ٹیڑھوں کے ساتھ ٹیڑھا لیکن درویشوں کا اصول یہ ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کے ساتھ بھی سیدھا اور مزید یہ کہا گیا ۔

بد گفتن بد است اما بد خواستن ازاں بدتر است

ترجمہ : برا کہنا بھی برا ہے لیکن برا چاہنا اس سے کہیں برا ہے ۔

دشمنوں کے حق میں خواجہ نظام الدین اولیاء تو دعائیہ کلمات ادا کرتے ہیں ۔

ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد

ترجمہ : جو ہم کو رنج دے خدا اس کو بہت راحت پہنچائے ۔

ہر کہ او خارے نہد در راہ ما از دشمنی

ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

ترجمہ : جو ہمارے راستہ میں دشمنی سے کانٹے بچھائے ، اللہ کرے اس کے گلشن حیات میں جو پھول کھلے بے خار رہے ۔

سلاطین وقت سے تعلقات

چشتیہ سلسلے کے بزرگ بادشاہوں کے دربار میں جانا اور اپنے آستانوں پر بادشاہوں کی حاضری کو برا سمجھتے تھے ۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے لے کر خواجہ نظام الدین تک یہ ایک طے شدہ حقیقت سمجھی جاتی تھی کہ نہ تو انہیں کسی بادشاہ کے دربار میں جانا ہے اور نہ سلاطین وقت سے ملاقات کرنی ہے ۔ اس اصول پر تمام حضرات سختی سے کاربند رہے ۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ سیاست کے خار زار میں ان کا دامن کبھی نہیں الجھا اور انقلابات سلطنت کا ان کے مرکزوں اور خانقاہوں نیز ان کی تعلیمی و تبلیغی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا ۔ ان کا اخلاص ، بے لوثی اور بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کے باوجود مسلم رہی اور وہ وقت کے انقلابات و حوادث سے متاثر ہوئے بغیر تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس اور اصلاح ظواہر و بواطن میں مصروف رہے ۔ سیاسیات سے ان کی بے تعلقی اور بے نیازی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کی تاریخ میں سب سے طویل عرصہ تک اپنے کام کو جاری رکھنے اور یہاں کے غیر اسلامی ماحول پراثر انداز ہونے کا انہیں موقع ملا اور ان صوفیانہ تحریکوں کو قبول عام اور بقائے دوام بھی حاصل ہوا ۔

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں ۔

"خواجگان سلسلہ چشتیہ کے بعض ملفوظات میں ہے کہ ہر وہ شخص جس کا نام بادشاہ کے دفتر میں لکھا گیا ، اس کا نام حق سبحانہ کے دفتر سے نکال دیا گیا ۔"

(انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ، ص - ۱۱۳)

سلطان علاء الدین خلجی نے خواجہ نظام الدین اولیاء سے ملاقات کے لئے بڑا اصرار کیا ۔ حضرت نے فرمایا کہ اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا تو میں دوسرے دروازے سے باہر چلا جاؤں گا ۔

(تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوئم ، محولہ بالا ، ص - ۸۴)

شیخ بدر الدین غزنوی کے کسی امیر سے خصوصی تعلقات تھے اور اس نے ان کے لئے دہلی میں خانقاہ تعمیر کروائی تھی اور ان کی مخصوص طریقے پر خدمت کرتا تھا ۔ انقلاب روزگار سے جب وہ امیر عتاب شاہی میں آیا تو شیخ کو بھی زحمت اور کلفت پیش آئی ۔ آپ نے شیخ کبیر سے دعا کی درخواست کی ۔ شیخ نے جواب میں لکھا ۔

جو اپنی خود ساختہ روش پر چلے گا وہ ضرور ایسی حالت میں گرفتار ہوگا جس سے ہمیشہ بے چین رہے گا ۔ آپ تو پیران پاک کے معتقدین میں سے ہیں پھر ان کی روش کے خلاف خانقاہ کیوں بنوائی اور اس میں کیوں بیٹھے ۔ حضرت خواجہ قطب الدین اور حضرت خواجہ معین الدین کا تو یہ طریقہ اور روش نہیں تھی کہ اپنے لئے خانقاہ بنا کر دکان جمائیں ۔ ان کا شیوہ تو گمنامی و بے نشانی تھا ۔

(تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوئم ، محولہ بالا ، ص - ۴۴)

کرامت

چشتی مشائخ اس بات کو خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے کہ ان کے

خلفاء میں اظہار کرامت کا جذبہ پیدا نہ ہو ۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ۔

"کرامت بھی ایک بت ہے ۔ جس طرح کافر بت سے تعلق رکھتے ہیں اور دشمن ہوتے ہیں ۔ جب بت سے بے تعلقی اور برات کااظہار کرتے ہیں تو دوست بن جاتے ہیں ۔ عارفوں کا بت کرامت ہے ۔ اگر کرامت پر قانع اور مطمئن ہوجائیں تو محجوب اور معزول ہوں اور اگر کرامت سے بے تعلقی کا اظہار کریں تو مقرب اور واصل ۔ کسی عارف نے کہا ہے ۔

زاہداں را جنت و فردوس باید نزل گاہ
عاشقاں را لذت اندر قصر زنداں است و بس
لطف او را عام و خاص و نیک و بد یابندہ اند
قہر او را پیش رفتن کار مرداں است و بس

اسی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں سے کرامات ظاہر فرماتا ہے تو ان کے دل میں خضوع و خشوع زیادہ ہوجاتا ہے ۔ فروتنی اور تواضع پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور ان کے خوف اور ڈر میں اضافہ ہوجاتا ہے ۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوئم ، محولہ بالا ، ص - ۲۹۲)

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ۔

"صدیقین پر کشف اور فراست صادقہ میں سے جو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور ہونے والے واقعات میں سے جو واقعات ان پر منکشف ہوجاتے ہیں ، ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں پر اس طرح کی چیزیں منکشف نہ ہوں لیکن اس سے ان پر کوئی اعتراض اور ان

کے کمالات میں کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا ۔ اعتراض اور نقص کی چیز جادہ استقامت سے ہٹ جانا ہے ۔ صدیقین پر اس طرح کی جو چیزیں منکشف ہوتی ہیں وہ ان کے یقین کے اضافہ کا سبب ہوتی ہیں اور اس لئے اس سے ان کے مجاہدہ میں اور پختگی اور اخلاق حمیدہ میں اور ترقی ہوتی ہے ۔ اگر یہ حالات ایسے کسی شخص کو پیش آئیں جو احکام شریعت کا پابند نہیں تو وہ اس کے بُعد کا سبب اور اس کے فریب و حماقت کا ذریعہ بن جاتے ہیں ۔ وہ اس کے دھوکہ اور غرور میں لوگوں کو مغلوب اور حقیر سمجھنے لگتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسلام کا رشتہ اس کی گردن سے باہر ہوجاتا ہے اور وہ احکام الٰہی کے حدود اور حلال و حرام کا منکر بن جاتا ہے اور سمجھنے لگتا ہے کہ عبادت کا مقصد ذکر الٰہی کے سوا کچھ نہیں ۔ وہ سنت کی پیروی کو چھوڑ دیتا ہے اور الحاد و زندقہ کا شکار ہوجاتا ہے ۔ نعوذ باللہ منہا ۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوئم ، محولہ بالا ، ص - ۲۹۳)

اس سلسلے کا مختصر جائزہ اور اس کے خصوصیات پیش کئے گئے جن سے اس سلسلے کا ایک خاکہ ذہن میں آجاتا ہے ۔ دیگر تحریکوں کے مانند تصوف کی یہ سرگرم تحریک بھی زوال و انحطاط کا شکار ہوگئی ۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں ۔

"زمانہ کے مرور و انقلاب کے ساتھ اس سلسلہ اور اس کے بانیان کرام اور اسلاف عظام کی خصوصیتوں میں انحطاط و زوال رونما ہوا ۔ تصوف و روحانیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر سلسلہ کا آغاز جذب قوی سے ہوا پھر اس نے سلوک اور آخر میں رسوم کی

شکل اختیار کرلی ۔ یہاں بھی جس سلسلہ ا آغاز عشق ، درد ومحبت ، زہد و ایثار ، فقر و استغنا ، ریاضات و مجاہدات اور دعوت و تبلیغ سے ہوا تھا ، اس میں بتدریج ایسی تبدیلی ہوئی کہ آخر میں اس کے تین نمایاں عناصر ترکیبی رہ گئے ۔

۱ ۔ وحدت الوجود کے عقیدہ میں غلو ، اس کی اشاعت کا انہماک اور اس کے باریک و دقیق مضامین کا اعلان و تذکرہ ۔

۲ ۔ محافل سماع کی کثرت ، وجد و رقص کا زور ۔

۳ ۔ اعراس کا اہتمام اور ان کی رونق و گرم بازاری جو شرعی حدود و قیود سے بے نیاز ہے ۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوئم ، محولہ بالا ، ص - ۱۷۳)

۸ ۔ "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ" محولہ بالا ، ص - ۸۴

۹ ۔ شہاب الدین نام ، ابو حفص کنیت ، لقب شیخ الشیوخ ہے ۔ والد کا نام شیخ محمد ہے ۔ عراق کے قصبے سہرورد کے رہنے والے تھے ۔ اپنے عم بزرگوار شیخ ضیاء الدین ابو نجیب عبدالقاہر کے بزرگ ترین خلیفہ و مرید تھے ۔ سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں ۔ اپنے وقت کے امام و مقتدا تھے ۔ متعدد تصانیف کے مصنف ہیں جن میں سے عوارف المعارف تصوف میں بلند پایہ کتاب ہے ۔ علوم قرآن کے فاضل اور حدیث و فقہ کے متبحر عالم تھے ۔ تمام احوال و مقامات کو شرعی نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ ٦٣٣ ھ میں وفات پائی ۔ آپ کے جلیل القدر خلفاء میں شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی ، سیّد نورالدین مبارک غزنوی ، قاضی حمیدالدین ناگوری اور شیخ نجیب الدین علی بزغش شیرازی شامل ہیں ۔

جامی، عبدالرحمٰن "نفحات الانس "مطبع لیسی ۱۸۵۸ ع

۱۰ ۔ "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ" محولہ بالا ، ص - ۱۰۰ ، ۱۰۱

۱۱ ـ ابو مدین مغرب کے نامور مشائخ میں سے تھے ـ آپ کا نام شعیب ہے ـ بیٹے کے نام پرکنیت ابو مدین ہے ـ مصر میں مدفون ہیں ـ

شعرانی ، عبدالوہاب "الطبقات الکبری" جلد اول ، مصر مطبعہ العامرہ الشرفیہ ۱۳۱۵ ھ ، ص - ۱۳۱

۱۲ ـ "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ" محولہ بالا ، ص - ۱۲٦

۱۳ ـ احمد بن عمر الخبوتی نام ہے ـ لقب نجم الدین کبریٰ ہے ـ لقب کی وجہ یہ ہے کہ عنفوان شباب میں جب کسی سے مناظرہ یا مباحثہ کرتے تو اس پر غالب آتے ـ اس وجہ سے آپ کو طامۃ الکبریٰ کہنے لگے ـ کثرت استعمال سے صرف کبریٰ رہ گیا ـ کنیت ابو الجناب ہے ـ آپ کو شیخ ولی تراش بھی کہتے ہیں ـ ۱۰ جمادی الاول ٦۱۸ ھ کو تاتاریوں کے ساتھ جنگ میں شہید ہوئے ـ

"سفینۃ الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۱۴۱

۱۴ ـ "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ" محولہ بالا ، ص - ۱۱۹ تا ۱۲۲

۱۵ ـ علی بن عبداللّٰہ نام ہے ـ ابو الحسن شاذلی نام سے مشہور ہیں ـ حسینی سادات میں سے ہیں ـ اسکندریہ میں سکونت اختیار کی ـ ٦۵۴ ھ یا ٦۵٦ ھ میں مکہ کے راستے میں ایک جنگل میں وفات پائی ـ

"سفینۃ الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۲۲۸

۱٦ ـ "الانتباہ فی سلاسل اولیاء" محولہ بالا ، ص - ۱۳۴

۱۷ ـ نام شیخ خطیر الدین ہے لیکن شیخ محمد غوث کے نام سے مشہور ہیں ـ شیخ فرید الدین عطار کی نسل سے تھے ـ شیخ ظہور حاجی حمید نے آپ کی پرورش کی اور سلوک کی پوری تعلیم کی اور مزید فیضان کے لئے انہیں کوہ چنار کے جنگلات میں چھوڑ دیا ـ جہاں انہوں نے تیرہ برس تک بڑی ریاضتیں کیں ـ کئی کتب تصنیف کیں جن میں رسالہ معراجیہ ، جواہر خمسہ ، کلید

مخازن ، کنز الوحدہ اور ضمائر و بصائر مشہور ہیں ۔ ۹۷۰ ھ میں وفات پائی ۔
محمد اکرام ، شیخ "رود کوثر" لاہور ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ششم ۱۹۷۵ ع ، ص ۳۸۔

۱۸ ۔ "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ" محولہ بالا ، ص - ۱۳۷

۱۹ ۔ شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن شہریار گازرونی فارسی الاصل تھے ۔ گازرون میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد شہریار مسلمان ہوئے تو شیخ کے لقب سے ملقب ہوئے ۔ تصوف میں ارادت شیخ ابو علی حسین بن محمد الفیروزآبادی سے تھی ۔ ذی قعدہ ۴۲٦ ھ میں انتقال فرمایا ۔

"نفحات الانس " محولہ بالا ، ص - ۲۸٦

۲۰ ۔ سیّد جلال الدین سرخ بخاری ، شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے ۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے اجداد میں سے تھے ۔ بخارا سے بھکر تشریف لائے ۔ اچ میں مدفون ہیں ۔

عبدالحق محدث دہلوی ، شیخ "اخبار الاخیار" اردو ترجمہ از اقبال الدین احمد ، مولانا ، کراچی ، دارالاشاعت ، اول ۱۹٦۳ ع ، ص - ٦۱

۲۱ ۔ سیّد بدیع الدین کا لقب شاہ مدار ہے ۔ آپ شیخ محمد طیفور شامی کے مرید ہیں ۔ ۱۷ جمادی الاول ۸۴۰ ھ کو وفات پائی اور قنوج کے مضافات میں مکن پور میں مدفون ہیں ۔

"سفینۃ الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۲۳٦

۲۲ ۔ عبدالرحمٰن نام ہے ۔ اصل لقب عمادالدین ہے لیکن نورالدین کے لقب سے مشہور ہیں اور آپ کا تخلص جامی ہے ۔ ۲٦ شعبان ۸۱۷ ھ کو پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد کا نام احمد بن دشتی ہے ۔ آپ حنفی المذہب تھے ۔ ماوراء النہر و خراسان کے امام تھے ۔ آپ مولانا سعدالدین کاشغری کے مریدین میں سے

تھے ـ خواجہ محمد پارسا کی صحبت میں ایک عرصہ تک رہے ـ تضانیف کی تعداد تقریباً چوالیس ہے ـ ۱۸ محرم ۸۹۸ ھ کو وفات پائی ـ

"سفینۃ الاولیا" محولہ بالا ، ص - ۱۱۶ تا ۱۱۸

۲۳ ـ "ہمعات" محولہ بالا ، ص - ۱٦

۲۴ ـ ابوعبداللہ حارث بن اسد المحاسبی متقدمین صوفیہ میں سے ایک بزرگ تھے ـ اہل بغداد کی اکثریت کے استاد تھے ـ تصوف میں بہت سی تصانیف ہیں ـ
جن میں سے ایک رغائب ہے ـ بغداد میں ۲۴۳ ھ میں وفات پائی ـ

"الطبقات الکبریٰ" جلد اول محولہ بالا ، ص - ٦۴

اس مذہب کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت محاسبی رضائے الٰہی کو مقامات کے قبیل سے نہیں مانتے تھے بلکہ طریقت کے احوال کی ایک قسم سمجھتے تھے ـ طریقت میں یہ پہلا اختلاف ہے جو آپ سے واقع ہوا ـ اس پر علماء خراسان و عراق نے گرفت و مواخذہ کیا ـ ان کا کہنا یہ ہے کہ رضا طریقت کے ایک مقام کا نام ہے جو توکل کی آخری منزل ہے ـ یہ اختلاف آج تک علماء کے درمیان موجود و برقرار ہے ـ

رضا کی دو صورتیں ہیں :

۱ ـ اللہ تعالیٰ کا بندے سے راضی ہونا

۲ ـ بندہ کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا

اللہ کے راضی ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بندے کو ثواب و نعمت اور کرامت سے نوازے اور بندے کے خدا سے راضی ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اس کے فرمان پر عمل کرے اور اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کردے اور خدا کے معاملات میں چوں و چرا نہ کرے اس لئے کہ رضائے بندہ ، رضائے خدا پر موقوف ہے ـ

رضائے بندہ کا خلاصہ یہ ہے کہ منع و عطا کی دونوں حالتوں میں اس کا دل یکساں رہے اور جلال و جمال کے نظارے میں اس کا باطن مضبوط و مستحکم رہے خواہ اسے منع سے روک دیا جائے یا عطا میں آگے بڑھایا جائے ہر حالت میں

قیام مساوی ہو خواہ آتش جلال میں جلے یا لطف و جمال کے نور سے اس کا دل منور ہو ۔ اس کے دل میں جلنا اور منور ہونا یکساں ہو کیوں کہ اس کا ظہور حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی جانب سے جو کچھ بھی آئے اچھا ہی ہوتا ہے ۔

معاملات رضا کی حقیقت

معاملات رضا کی حقیقت بندے کی پسندیدگی ہے کہ وہ یقین رکھے کہ منع و عطا اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ تمام حالات کو دیکھنے والا باخبر ہے ۔ اس بارے میں علماء کی چار آراء ہیں :

۱ ۔ جو لوگ عطا کرنے والے کے جلوے کو اس کی عطا میں دیکھتے ہیں اور جان و دل سے قبول کرتے ہیں اور یہ قبولیت ان کے دل سے اس کی کلفت و مشقت کو دور کردیتی ہے ۔ جو لوگ عطا کے ذریعے عطا کرنے والے کو دیکھتے ہیں وہ عطا ہی میں رہ جاتے ہیں وہ تکلف سے رضا کی راہ پر چلتے ہیں اور تکلف میں سراسر رنج و مشقت ہے ۔ معرفت اس وقت حقیقت ہوتی ہے جب بندہ حق کی معرفت میں مکاشف و مشاہد ہو اور جب اس کے لئے معرفت قید و حجاب ہو تو وہ معرفت مکروہ ، نعمت عذاب اور عطا حجاب بن جاتا ہے ۔

۲ ۔ وہ لوگ جو دنیا کے اندر نعمتوں کے ذریعے اس سے راضی ہوں وہ ہلاکت و نقصان میں رہتے ہیں ۔ ایسی رضا انہیں دوزخ میں جھونک دیتی ہے اس لئے کہ جس کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے اس کے لئے دنیاوی نعمتوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی اور نہ اس کے دل میں محرومی پر کوئی رنج و

ملال گذرتا ہے ۔ نعمت تو اس وقت نعمت کہلاتی ہے جب کہ وہ نعمت عطا کرنے والے کی طرف رہنمائی کرے لیکن جب وہ اسے منعم سے محجوب کردے تو ایسی نعمت سراپا آفت و بلا ہوتی ہے ۔

۳ ۔ جو لوگ ابتلا کے ذریعے اس سے راضی ہوں وہ ' وہ ہیں جو بلا میں میلان کو دیکھتے اور مشقت کے ذریعے مشاہدے کی طرف مائل ہوتے ہیں اس حالت میں ان کی تکلیف ان کو دوست کے مشاہدہ کی مسرت میں آزردہ نہیں کرتی ۔

۴ ۔ وہ لوگ جو برگزیدگی کے ذریعے اس سے راضی ہوں وہ اس کے محبوب ہوتے ہیں کیوں کہ وہ حالت رضا میں بلا و سختی سے خالی ہوتے ہیں ان کے دلوں کی منزلیں صرف حق تعالیٰ ہی کی طرف ہوتی ہیں یہ لوگ خالص موحد ربانی اور لوگوں سے دل برداشتہ ہوتے ہیں ان کے مقامات و احوال محفوظ ' ان کا باطن خلق سے جداہ [illegible] حق تعالیٰ کی محبت میں وارفتہ اور اس کے لطف و کرم کے منتظر رہتے ہیں ۔

حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں : رضا سے زہد افضل ہے کیوں کہ راضی اس سے اوپر کی منزل کی خواہش نہیں کرتا ۔ ان کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ زہد کے اوپر بھی ایک منزل ہوتی ہے جس کو حاصل کرنے کی زاہد تمنا کرتا ہے لیکن رضا کے اوپر کوئی منزل نہیں جس کی راضی تمنا کرے اور اوپر کا درجہ نیچے کے درجے سے افضل ہوتا ہے ۔ یہ واقعہ حضرت محاسبی کے اس قول کی صحت پر دلالت کرتا ہے کہ رضا احوال کے قبیل سے ہے ۔ یہ کوئی ایسی شے نہیں جو مجاہدے اور کسب کے ذریعے حاصل ہوجائے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہبی یعنی عطیہ اور بخشش کے طور پر حاصل ہوتی ہے نیز اس کا بھی احتمال ہے کہ راضی کو سرے سے تمنا ہی نہ ہو ۔

مقام و حال

مقام سے مراد راہ حق میں بندے کا قیام اور اس مقام کا حق ادا کرنا اور اس کی رعایت کرنا ہے تاکہ وہ اس کے کمال تک رسائی پائے جہاں تک بھی اس کی قدرت ہو جائز ہے البتہ یہ جائز نہیں کہ وہ اس مقام کا حق ادا کئے بغیر وہاں سے گذر جائے ۔ پہلا مقام تو یہ ہے اس کے بعد انابت پھر زہد پھر توکل وغیرہ ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کہ کوئی شخص توبہ کئے بغیر انابت میں پہنچ جائے یا انابت کے بغیر زہد کو حاصل کرلے یا بغیر زہد کے توکل مل جائے ۔

حال اس معنیٰ کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے بندے کے دل پر طاری ہو اور اسے وہ قدرت و اختیار سے دور نہ کرسکتا ہو اور نہ کسی محنت و مجاہدے سے حاصل کرسکتا ہو ۔

بارگاہ الٰہی میں ریاضت و مجاہدے کے ذریعے "محل ریاضت" اور اس کے درجہ میں طالب کی راہ اور اس کی جائے اقامت کا نام مقام ہے اور جو کیفیت بغیر ریاضت و مجاہدے کے دل پر وارد ہو وہ اللہ تعالیٰ کا لطف و فضل ہے اس کا نام حال ہے ۔ اس لحاظ سے مقام اعمال کی قبیل سے ہے اور حال اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی عطا کے زمرے میں ہے گویا مقام اول تا آخر کسبی ہے اور حال وہبی ہے ۔ لہٰذا صاحب مقام اپنے مجاہدے میں قائم اور صاحب حال اپنے وجود میں فانی ہے اور وہ اس حال کے ساتھ قائم ہے جسے حق تعالیٰ نے اس کے دل میں پیدا فرمایا ہے ۔

مشائخ کی ایک جماعت حال کے دوام کو جائز رکھتی ہے اور ایک جماعت دوام کو جائز نہیں رکھتی ۔ اس سلسلے میں ان کا اختلاف ہے چناں چہ حضرت محاسبی کا مذہب حال کے دوام کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ محبت و شوق اور قبض و بسط یعنی دل کی تنگی و کشادگی یہ سب احوال سے متعلق ہیں اگر اس میں دوام کو جائز نہ مانا جائے تو محب ، محب نہیں رہ سکتا اور نہ مشتاق ، مشتاق

رہ سکتا ہے جب تک حال بندے کی صفت نہ ہو تو اس کا وقوع بندے پر کس طرح ہوسکتا ہے اسی بنا پر آپ رضا کو احوال کی قبیل میں سے شمار کرتے ہیں ۔

مشائخ کی دوسری جماعت جو حال کے دوام کو جائز نہیں مانتی ان میں سے ایک حضرت جنید بغدادی ہیں ۔ ان کا ارشاد ہے ۔

"احوال بجلی کے کوندے کے مانند ہیں کہ جو ظاہر ہوتی اور ختم ہوجاتی ہے اور جو باقی رہتی ہے وہ حدیث نفس یعنی طبعی تخلیق ہے ۔"

ایک جماعت نے اس کی نسبت یہ کہا ۔

"احوال کی کیفیت اپنے نام ہی کے مانند ہے یعنی جس طرح دل میں آتا ہے اسی طرح دوسرے وقت دل سے زائل ہوجاتا ہے جو کیفیت باقی و برقرار رہتی ہے اس کو صفت کہتے ہیں اور صفت کا قیام موصوف کے ساتھ ہوتا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ موصوف اپنی صفت میں کامل ہو ' یہ محال ہے ۔

۲۵ ۔ ابو صالح حمدون بن عمارہ القصار نیشاپوری ' حضرت سفیان ثوری کے مذہب پر تھے ۔ طریقت میں ابو تراب نخشبی کے مرید تھے ۔ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اگر کوئی پیغمبر آسکتا تو وہ حمدون قصار ہوتے ۔ آپ کا طریقہ ملامتیہ تھا ۔ ۲۷۱ ھ میں وفات پائی ۔

"سفینۃ الاولیاء" محولہ بالا ' ص - ۱۷۲

"الطبقات الکبری" جلد اول محولہ بالا ' ص - ۷۲

شیخ ابو حمدون قصار کا طریقہ ملامت کا تھا ۔ ان کا قول ہے "سلامتی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا نام ملامت ہے " جب کوئی شخص قصداً سلامتی کے ترک کا دعویٰ کرتا اور بلاؤں میں خود کو مبتلا کرکے عیش و راحت اور خوش ذائقہ چیزوں کو چھوڑتا ہے تو اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جلالت کا ظہور ہو اور اس کی امید بر آئے اور لوگ اس کی عادت سے بیزار ہوکر اس سے

دور ہوجائیں اور اس کی طبیعت لوگوں کی محبت سے خالی ہوجائے ۔ اس حال میں جس قدر وہ خود کو گھلائے گا اتنا ہی وہ حق سے واصل ہوگا اور جس سلامتی کی طرف لوگ رغبت کرتے اور اس کی طرف مائل ہوتے ہیں یہ اس سلامتی سے اتنا ہی نفرت و بیزاری کرتا ہے اس طرح ایک دوسرے کے عزائم میں تضاد و تقابل پیدا ہوجاتا ہے اور وہ اپنی صفتوں میں کامیاب ہوجاتا ہے ۔

ملامت کی قسمیں

ملامت کی تین قسمیں ہیں ۔

۱ ۔ سیدھا چلے

۲ ۔ قصد کرے

۳ ۔ ترک کرے

پہلی قسم کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کام کرتا ہے اور امور دینیہ میں کامل احتیاط برتتا ہے اور معاملات میں مراعات سے کام لیتا ہے مگر خلق پھر بھی اس پر ملامت کرتی ہے کیوں کہ لوگوں کی یہ عام عادت ہے مگر وہ شخص کسی کی پرواہ نہیں کرتا ۔

کوئی شخص لوگوں میں صاحب عزت و شرف ہونے کے ساتھ ان میں مشہور بھی ہو اور اس کا دل عزت کی طرف مائل بھی ہو اس کے باوجود وہ یہ چاہے کہ ان سے جدا ہوکر یاد الٰہی میں محو ہوجائے اور قصداً ایسی راہ اختیار کرے جس سے مخلوق اس پر ملامت کرے اور ایسے عمل سے شریعت میں خلل واقع نہ ہو مگر لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں اور اس سے متنفر ہوکر جدا ہوجائیں ۔

تیسری قسم یہ ہے کہ دل میں تو کفر و ضلالت سے طبعی نفرت بھری ہوئی ہو لیکن بظاہر شریعت کی متابعت نہ کرے اور خیال کرے کہ ملامتی طریقہ

پر ایسا کررہا ہوں اور یہ ملامت کا طریقہ اس کی عادت بن جائے اس کے باوجود وہ دین میں مضبوط اور راست رو ہو لیکن ظاہر طور پر بغرض ملامت ، نفاق و ریا کے طور طریق پر دین کی خلاف ورزی کرے اور مخلوق کی ملامت سے بے خوف ہو ۔ وہ ہر حال میں اپنے کام سے کام رکھے خواہ لوگ اسے کسی نام سے پکاریں ۔ حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں ۔

"جو شخص ترک کے طریقہ پر ملامت اختیار کرے اور کوئی خلاف شریعت فعل کرکے یہ کہے کہ یہ عمل میں نے حصول ملامت کے لئے کیا ہے تو یہ کھلی ہوئی ضلالت و گمراہی ہے ظاہری آفت اور سچی ہوس پرستی ہے کیوں کہ آج کل ایسے لوگ بکثرت ہیں جو رد خلق کی صورت میں قبول خلق کے خواستگار ہیں اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ پہلے وہ خلق میں مقبول ہوں پھر اپنے کسی فعل سے اس کی نفی کردیں تاکہ لوگ انہیں مردود قرار دیں ۔ نامقبول شخص کے لئے رد کرنے کا قصد کرنا قبولیت کے لئے ایک بہانہ ہوتا ہے ۔"

۲۶ ۔ بسطام کے رہنے والے تھے ۔ آپ کے دادا آتش پرست تھے لیکن مسلمان ہوگئے تھے ۔ ۲۶۱ ھ میں وفات پائی ۔

"الطبقات الکبری" جلد اول محولہ بالا ، ص - ۶۵

مذہب طیفوریہ کی بنیاد سکر پر ہے اور مذہب جنیدیہ کی بنیاد صحو پر ہے ۔ ارباب طریقت کے ہاں سکر سے مراد غلبہ محبت الٰہی اور صحو سے حصول مقصد ہے ۔ اس مسئلہ میں اہل معانی کا بہت اختلاف ہے چناں چہ ایک جماعت سکر کو صحو پر فضیلت دیتی ہے اور ایک جماعت صحو کو سکر پر برتری دیتی ہے ۔ پہلے گروہ میں حضرت بایزید بسطامی اور ان کے متبعین ہیں ان کا کہنا ہے کہ صحو آدمیت کی صفت پر اعتدال و استقامت کی شکل بناتی ہے اور یہ مشاہدہ حق میں بہت بڑا حجاب ہے اور سکر آفت کے زائل ہونے ، صفات بشریت

کے فنا کرنے ، تدبیر و اختیار کے نیست و نابود ہونے اور معنوی بقا اور حق تعالیٰ کے افعال میں بندے کے تصرفات کے فنا ہونے اور اس قوت کے فنا ہونے سے جو بندے میں اس کی جنس کے خلاف ہے ، حاصل ہوتا ہے یہ حالت سکر بمقابلہ صحو ابلغ و اتم اور زیادہ مکمل ہے - چناں چہ حالت صحو میں جب حضرت داودؑ سے وہ فعل صادر ہوا جس کا ذکر اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا تو ان کے اس فعل کی نسبت انہیں کی طرف فرمائی جیسا کہ فرمایا وقتل داود جالوت اور ہمارے نبی اکرم ﷺ چوں کے حالت سکر پر فائز تھے تو آپ سے جب فعل وجود میں آیا تو اللّٰہ تعالیٰ نے اس فعل کی نسبت اپنی طرف فرمائی جیسا کہ فرمایا و ما رمیت اذ رمیت و لکن اللّٰہ رمیٰ -

دوسرا گروہ جو صحو کو سکر پر فضیلت دیتا ہے ان میں حضرت جنید بغدادی اور ان کے تابعین ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ سکر محل آفت ہے اس لئے کہ سکر میں احوال پراگندہ ، صحت و ہوش مفقود اور بندے کے تمام علائق گم ہوتے ہیں اور جب بندہ تمام قواعد معانی کا طالب ہو خواہ صورت فنا میں یا حالت بقا میں ، خواہ نابود ہونے کی صورت میں یا اثبات کی شکل میں - اگر بندہ صحیح الحال نہ ہوگا تو تحقیق کا فائدہ کیسے حاصل کرسکے گا اس لئے کہ اہل حق کا دل ہر موجود و مخلوق سے خالی ہونا چاہیے اور بینائی کی بنیاد قید اشیاء میں کبھی چین نہیں پاتی اور اس کی آفت ہرگز زائل نہیں ہوتی - لوگ حق تعالیٰ کے مشاہدے سے اسی لئے محروم رہ جاتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے سوا چیزوں کو جیسی کہ وہ ہیں نہیں دیکھ پاتے اور وہ اس میں پھنسے رہتے ہیں -

صحیح طور پر اشیاء کا دیکھنا دو طرح پر ہے - دیکھنے والی چیزوں کو یا تو بقا کی نظر سے دیکھے یا فنا کی نظر سے - اگر وہ بقا کی نظر سے دیکھے گا تو ان تمام چیزوں کو اپنے وجود میں ناقص پائے گا کیوں کہ وہ چیزوں کو ان کی

موجودہ حالت میں اپنے وجود کے ساتھ باقی دیکھے گا اور اگر وہ فنا کی نظر سے دیکھے گا تو وہ تمام چیزوں کو حق تعالیٰ کی بقا کے پہلو میں فانی اور ناپید دیکھے گا اور یہ دونوں کیفیتیں موجودات سے دیکھنے والے کا منہ پھیر دیتی ہیں ۔

سکر بقائے صفت کا عین اور فنائے صفت کا گمان ہے اور یہ سراپا حجاب ہے اور صحو فنائے صفت میں مکمل مشاہدہ کی بقا ہے اور یہ عین کشف و مشاہدہ ہے اگر کسی کی یہ صورت ہو کہ صحو کے مقابلہ میں سکر فنا سے زیادہ نزدیک ہو تو یہ محال ہے کیوں کہ سکر ایسی صفت ہے جو صحو پر زیادہ ہے اور جب تک بندے میں ایسی صفات کا اضافہ ہوتا رہے وہ اس وقت تک بے خبر رہتا ہے اور جب بندے میں یہ صفات کم ہونے لگیں اس وقت طالب کو امید ہوسکتی ہے کہ مشاہدہ ہو ۔

سکر کے اقسام

سکر کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک شراب مؤدت سے دوسرے جام محبت سے ۔ سکر مؤدت معلول ہے یعنی وہ سب کے ساتھ ہے کیوں کہ مدہوشی اور مستی نعمت کے دیدار سے پیدا ہوتی ہے اور سکر محبت غیر معلول یعنی بے علت و سبب ہے کیوں کہ یہ مستی منعم یعنی حق تعالیٰ کے دیدار سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا جس نے نعمت کو دیکھا گویا اس نے خود کو دیکھ لیا اور جس نے منعم کو دیکھا اس نے اپنے آپ کو نہیں دیکھا اگرچہ وہ حالت سکر میں ہو لیکن اس کا یہ سکر صحو ہے ۔

صحو کے اقسام

صحو کی بھی دو قسمیں ہیں ایک صحو بر غفلت دوسری صحو بر محبت ۔ صحو بر غفلت بہت بڑا حجاب ہے اور صحو بر محبت ، روشن و واضح کشف و مشاہدہ ہے لہٰذا جو غفلت پر ہوتا ہے اگرچہ وہ صحو و ہوش مند

ہے مگر سکر و مدہوش ہے اور جو محبت میں واصل بحق ہوجائے اگرچہ وہ سکر و مدہوشی میں ہو مگر وہ صحو و ہوش مند ہے اور جب اصل و بنیاد مضبوط و مستحکم ہوتی ہے تو صحو سکر کی مانند اور سکر صحو کی مانند ہوتی ہے اور جب اصل و بنیاد درست و صحیح نہ ہو تو دونوں بے فائدہ اور بیکار ہیں -

۲۷ - کنیت ابو القاسم اور لقب سیّد الطائفہ ہے - آپ کے والد محمد بن جنید آبگینہ فروش تھے - اس لئے آپ کو قواریری اور زجاج بھی کہتے ہیں - نہاوند کے رہنے والے تھے - حضرت سفیان ثوری کے مذہب پر تھے اور حضرت سری سقطی کے مرید تھے - ۲۹۷ ھ میں وفات پائی - مزار بغداد میں ہے -

"الطبقات الکبریٰ" جلد اول محولہ بالا ، ص - ۷۲

"سفینۃ الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۵۹

شاہ صاحب آپ کے بارے میں لکھتے ہیں :

"طریقت کی یہ اصل جس سے آگے چل کر جملہ طرق تصوف نکلے ، سیّد الطائفہ جنید بغدادی کی طرف منسوب ہے - اس لئے کہ حضرت جنید ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے تصوف کے اکثر قواعد و قوانین کو مدون کیا - چناں چہ موصوف کے زمانے میں جو بھی اہل تصوف تھے ان سب نے اپنے سلوک کی نسبت حضرت جنید سے ٹھیک کی تھی - سچ پوچھئے تو طریقت کا جو بھی سلسلہ اس وقت موجود ہے اس کا اصل سرچشمہ حضرت جنید ہی کی ذات گرامی ہے -"

"ہمعات" محولہ بالا ، ص - ۲۰

۲۸ - احمد بن محمد یا محمد بن محمد نام ہے - منشا و مولد بغداد ہے - ابن البغوی کے عرف سے مشہور تھے - ۲۹۵ ھ میں وفات پائی -

"الطبقات الکبریٰ" جلد اول محولہ بالا ، ص - ۷۴

طریقہ نوریہ کی بنیاد ایثار پر ہے - حضرت نوری فرماتے ہیں کہ درویشوں

کے لئے صحبت فرض ہے اور گوشہ نشینی ناپسندیدہ اور یہ کہ ہم نشیں کا دوسرے ہم‌نشیں کے لئے ایثار بھی فرض ہے چناں چہ ان کا ارشاد ہے ۔

"گوشہ نشینی سے بچو کیوں کہ گوشہ نشینی شیطان کی ہم نشینی ہے اور بندگان خدا کی صحبت میں آؤ کیوں کہ صحبت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے ۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

و یؤثرون علیٰ انفسہم و لو کان بہم خصاصہ

(مسلمان اپنی جانوں کی نسبت دوسروں پر ایثار کرتے ہیں اگرچہ انہیں تنگی ہو)

ایثار کرنے والے اگرچہ خود اس کے ضرورت مند ہوتے ہیں ۔ یہ آیت کریمہ فقراء صحابہ کی شان میں خاص طور پر نازل ہوئی ۔

ایثار کی حقیقت

ایثار کی حقیقت یہ ہے کہ صحبت میں اپنے رفیق کے حق کی حفاظت رکھے اور اپنے حق سے اس کے حق کی خاطر دستبردار ہوجائے اور اپنے رفیق کو آرام و راحت پہنچانے میں خود تکلیف برداشت کرے اور اپنے آرام و راحت کو اس پر قربان کردے ۔ اس لئے کہ ایثار یہ ہے کہ دوسروں کی مدد کرنے میں قائم رہے باوجودیکہ وہ خود اس کا حاجت مند ہو ۔ یہ اس حکم خداوندی کے تحت ہے جو اس نے اپنے رسول ﷺ کو دیا کہ درگذر سے کام لو اور نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے دور رہو ۔

ایثار کے اقسام

ایثار کی دو قسمیں ہیں ایک صحبت میں ایثار کرنا دوسرے محبت میں ایثار کرنا لیکن ہم نشین اور رفیق کے حق میں ایثار کرنا ایک طرح سے رنج و

تکلیف ہے لیکن دوست کے حق میں ایثار کرنا سراسر راحت ہی راحت ہے -

غزوہ احد میں ایثار کی مثال

جس وقت اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد میں سختی و مشقت کے ذریعہ مسلمانوں کا امتحان لیا تو ایک انصاری عفت مآب عورت پانی کا پیالہ لے کر آئی تاکہ کسی زخمی مسلمان کو پلائے - وہ بیان کرتی ہیں کہ میدان جنگ میں ایک بزرگ صحابی کو زخموں سے چور دیکھا جو نزع کے عالم میں تھے - انہوں نے اشارہ کیا کہ مجھے پانی دو - جب میں پانی لے کر اس کے قریب پہنچی تو دوسرے زخمی نے پکارا مجھے پانی دو - پہلے زخمی نے پانی نہ پیا اور مجھ سے کہا اس کے پاس لے جاؤ - جب میں اس کے پاس پہنچی تو تیسرے زخمی نے پکارا پانی - دوسرے نے بھی پانی نہ پیا اور کہا اس کے پاس لے جاؤ یہاں تک کہ اس طرح میں سات زخمیوں کے پاس پہنچی جب میں ساتویں کے پاس پہنچی اور اس نے چاہا کہ پانی پیے تو وہ جان بحق ہوگیا - میں پانی لے کر چھٹے کے پاس پہنچی تو اس نے بھی جان دے دی - اسی طرح ہر ایک زخمی اپنی جان کو حق تعالیٰ کے حوالے کرتا رہا اور کسی نے ایک دوسرے کے ایثار میں پانی نہ پیا - اس سلسلے میں آیت کریمہ نازل ہوئی "و یؤثرون علی انفسہم و لو کان بہم خصاصة " (مسلمان اپنی جانوں پر ایثار کرتے ہیں اگرچہ وہ خود تنگی میں ہوں -)

۲۹ - ابو محمد کنیت ہے ، مذہباً حنفی تھے - آپ کے لئے علماء فرماتے ہیں کہ آپ شریعت و حقیقت کے جامع تھے - ۸۰ سال کی عمر میں محرم ۲۸۳ ھ میں وفات پائی -

"الطبقات الکبری" جلد اول ، محولہ بالا ، ص - ٦٦

"سفینة الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۱۶۴

مذہب سہلیہ کی خصوصیات اجتہاد ، مجاہدہ نفس اور ریاضت شاقہ ہے -

اس مذہب میں مرید مجاہدے سے درجہ کمال تک پہنچتہ ہیں ۔

نفس کی حقیقت

نفس کے لغوی معنیٰ وجود شی اور حقیقت و ذات کے ہیں ۔ لوگوں کی عادت اور ان کے استعمال میں اس کے معانی بہت ہیں جو ایک دوسرے کے بالکل خلاف بلکہ متضاد ہیں ۔ چناں چہ ایک گروہ کے نزدیک نفس کے معنیٰ روح ہیں اور ایک گروہ کے نزدیک اس کے معنیٰ جسم و بدن کے ہیں ۔ ایک گروہ کے نزدیک اس کے معنیٰ مؤدت ہیں ۔ اور ایک گروہ کے نزدیک اس کے معنیٰ خون کے ہیں لیکن طریقت کے محققین کے نزدیک اس لفظ کے مذکورہ معانی میں سے کوئی معنیٰ مراد نہیں ہے ۔ ارباب طریقت کااس پر اتفاق ہے کہ نفس در حقیقت تمام شر اور برائی کا سرچشمہ ہے لیکن ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ نفس وہ شے ہے جو قالب میں بطور امانت رکھا گیا ہے جیسے روح ۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ قالب ہی کی ایک صفت ہے جس طرح حیات و زندگانی اس کی صفت ۔ بایں ہمہ اس میں سب متفق ہیں کہ کمینہ خصلتیں اور برے افعال اسی سے ظاہر ہوتے ہیں ۔

افعال نفس کے اقسام

نفس کے افعال کی دو قسمیں ہیں ایک معصیت و نافرمانی دوسرے کمینہ خصائل جیسے تکبر ، حسد ، بخل ، غصہ اور کینہ وغیرہ ۔ اس کے علاوہ وہ سب باتیں جو عقل و شریعت کے نزدیک مذموم و رکیک ہیں ۔ یہ نفس کے افعال بد ہیں ۔ ریاضت و مجاہدے سے ان برے خصائل کو زائل کیا جاسکتا ہے اور جس طرح توبہ سے معصیت کو دور کیا جاتا ہے اور یہ کہ معاصی ، نفس کے ظاہری اوصاف میں سے ہیں اورکمینہ خصائل اس کے باطنی اوصاف میں سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ریاضات و مجاہدہ اس کے ظاہری افعال کو اور توبہ اس کے باطنی افعال کو نیست و نابود کرتے ہیں اور کمینہ خصائل سے باطن میں جو کدورت

پیدا ہوتی ہے وہ ریاضت و مجاہدے کے ذریعے پاک و صاف کی جاسکتی ہے اور کدورت ظاہری افعال بد سے پیدا ہوتی ہے وہ باطن کی صفائی سے جاتی رہتی ہے ۔ نفس و روح دونوں قالب میں اتنے ہی لطیف ہیں جتنے عالم شیاطین و فرشتے اور جنت و دوزخ ۔ لیکن ایک محل خیر ہے ایک محل شر ۔ جس طرح آنکھ محل بصر ، کان محل سماعت اور زبان محل ذائقہ ہے اسی طرح کچھ ایمان و اوصاف قالب انسانی میں بطور امانت رکھے گئے ہیں لہٰذا نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کی جڑ اور مجاہدوں کی اصل ہے اس کے بغیر بندہ راہ حق نہیں پاسکتا ۔ اس لئے کہ نفس کی موافقت میں بندے کی ہلاکت ہے اور اس کی مخالفت میں بندے کی نجات ہے چوں کہ حق تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی جیسا کہ اس کا ارشاد ہے "و نہی النفس عن الھویٰ فانّ الجنّۃ ھی الماوی" (جس نے نفس کو خواہش سے روکا بے شک جنت اس کا مسکن ہے ۔)

کامل تر انسان

محققین کے نزدیک کامل تر انسان باعتبار ترکیب تین معنیٰ سے ہوتا ہے ۔ ایک روح دوسرے نفس تیسرے جسم ۔ اور اس کے ہر ذات وجود کے لئے ایک صفت ہوتی ہے جو اس کے ساتھ قائم ہوتی ہے ۔ روح کے لئے عقل ، نفس کے لئے خواہش اور جسم کے لئے احساس ۔ انسان سارے عالم کا نمونہ ہے اور عالم دونوں جہان کا نام ہے ۔ انسان میں دونوں جہان کی نشانیاں موجود ہیں ۔ اس جہان کی نشانی پانی ، مٹی ، ہوا اور آگ ہے ، اسی سے بلغم ، خون ، صفراء اور سوداء کی ترکیب ہے اور اس جہان کی نشانی جنت و دوزخ اور میدان قیامت ہے ۔ انسان میں جنت کی لطافت کی قائم مقام روح ہے اور دوزخ کی آفت اور اس کی ہولناکیوں کا قائم مقام نفس ہے اور میدان قیامت کا قائم مقام جسم ہے ۔ ان دونوں معنیٰ کا جمال و پرتو قہر و محبت ہے لہٰذا جنت خدا کی رضا کی

تاثیر اور دوزخ اس کی ناراضگی کا نتیجہ ہے اسی طرح مومن کی روح معرفت کی راحت اور اس کا نفس حجاب و ضلالت سے ہے ۔ جب تک مومن روز قیامت دوزخ سے نجات حاصل کرکے جنت میں نہ پہنچے وہ دیدار الٰہی کی حقیقت سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا اور مراد کی تحقیق سے ہمکنار نہیں ہوسکتا اور نہ قربت و معرفت کی حقیقت ، جو روح ہی کی اصل ہے ، حاصل کرسکتا ہے ۔

جو شخص دنیا میں خدا کو پہچانتا ہے وہ دوسروں سے منہہ موڑ کر راہ شریعت پر قائم رہتا ہے ، وہ روز قیامت نہ دوزخ میں جائے گا اور نہ پل صراط کی دشواریوں سے دوچار ہوگا ۔

۳۰ ۔ کنیت ابو عبداللہ ہے ۔ صاحب تصانیف تھے ۔ خراسان کے مشائخ کبار میں سے تھے ۔ **۲۵۵ ھ** میں وفات پائی ۔

"الطبقات الکبری" جلد اول محولہ بالا ، ص ۔ ۶۸

تصوف و معرفت کے طریقہ کے اصول و قواعد اور تمام ولایتوں کی پہچان اور اس بات کے سلسلہ میں اتنا جان لینا کافی ہے کہ تمام مشائخ کا اس پر اتفاق ہے البتہ ہر ایک نے ولایت کا اثبات جداگانہ انداز سے کیا ہے چناں چہ حکیم ترمذی حقیقت و طریقت کے معانی کے بیان و اطلاق میں خاص کمال رکھتے تھے ۔

ولایت کی تحقیق

ولایت اگر واؤ کے زبر سے ہو تو اس کے لغوی معنیٰ تصرف کرنا ہے اور اگر ولایت واؤ کے زیر سے ہو تو اس کے معنیٰ امارت و حکومت کے ہیں ۔ دونوں کا مصدر بروزن ولیۃ ہے نیز ولایت کے معنیٰ ربوبیت کے بھی ہیں اور ولایت کے ایک معنیٰ محبت کے بھی ہیں ۔

لفظ ولی کی تحقیق

لفظ ولی فعیل کے وزن پر مفعول کے معنیٰ میں بھی ممکن ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے "و ھو یتولی الصالحین" (اللہ تعالیٰ نیکوں کا کارساز ہے) کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنےنیک بندوں کو ان کے افعال و اوصاف کے ساتھ نہیں چھوڑتا اور اپنی حفاظت و پناہ کی چادر میں چھپا لیتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ ولی اسم فاعل کے معنیٰ میں مبالغہ کے طور پر آیا ہو کیوں کہ بندہ طاعت میں خوب محبت کا اظہار کرتا ہے اور اس کے حقوق کی ہمیشہ نگہبانی کرتا ہے اور اس کے غیر سے منہ موڑ لیتا ہے - ایسا شخص مرید کہلائے گا اور اللہ تعالیٰ مراد - یہ تمام معانی ، حق کا بندہ کے ساتھ ہونا یا بندہ کا حق کے ساتھ ہونا دونوں صورتوں میں جائز ہے -

یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کا مددگار ہو کیوں کہ اس نے ان کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے .جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان دوستوں سے جو نبی کریم ﷺ کے صحابہ ہیں ، مدد کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا ہے "الا انّ نصر اللہ قریب" (آگاہ رہو اللہ کی نصرت قریب ہے) - نیز ارشاد ہے " و انّ الکافرین لا مولیٰ لھم" (یقیناً کافروں کا کوئی مولیٰ یعنی مددگار نہیں ہے) جب کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے تو لامحالہ مسلمانوں کا کوئی مددگار ضرور ہونا چاہیے جو ان کی مدد کرے اور وہ مددگار اللہ تعالیٰ ہے جو آیات و دلائل کے لانے میں ان کی عقلوں کے اور معانی کے بیان کرنے میں اور ان کے اسرار منکشف کرنے کے لئے ان کے دلوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور تمام مسلمانوں کو نفس و شیطان کی مخالفت اور احکام الٰہیہ کی متابعت کرنے میں مدد دیتا ہے -

یہ بھی جائز ہے کہ محبت و خلوت میں انہیں مخصوص فرما کر دشمنی کے مقامات سے محفوظ رکھے جیسا کہ ارشاد ہے "یحبّہم و یحبّونہ" (وہ خدا سے محبت رکھتے ہیں اور خدا انہیں محبوب رکھتا ہے) -

یہ بھی جائز ہے کہ کسی کو ولایت عطا فرما کر طاعت پر قائم رکھے اور اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے تاکہ وہ اطاعت الٰہی پر قائم رہیں اور اس کی مخالفت سے اجتناب کریں یہاں تک کہ ان کی حسن طاعت کو دیکھ کر شیطان ذلیل ہوکر بھاگے ۔

یہ بھی جائز ہے کہ کسی کو ولایت اس لئے عطا فرمائے کہ اس کی عقدہ کشائی سے ملک میں عقدہ کشائی ہو اور تمام بندوبست اور امور تکوینہ ان کے قبضہ میں دے کر ان کی دعاؤں کو مستجاب اور ان کے انفاس کو مقبول بنائے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "رُبّ اشعث اغبر ذی طمرین لا یعبا بہ لو اقسم علی اللّٰہ لابرّہ" (بکثرت بندگان خدا پریشان حال ، غبار آلود بال بکھرے ، کپڑے پھٹے ایسے ہوں گے لوگ جن کی پرواہ نہیں کرتے اگر وہ کسی معاملہ میں اللّٰہ کی قسم کھائیں تو اللّٰہ ان کی قسموں کو ضرور پورا کرتا ہے) ۔

فاروق اعظم کی حقیقی امارت

مشہور واقعہ ہے کہ سیّدنا فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطابؓ کے عہد خلافت میں حسب قدیم دریائے نیل کا پانی خشک ہوگیا ۔ چوں کہ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ ہر سال ایک جوان خوبصورت لڑکی زیورات سے آراستہ کرکے دریا کی بھینٹ چڑھائی جاتی تھی تب جاکر دریا جاری ہوتا تھا ، مصر کے گورنر نے یہ واقعہ لکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کیا ۔ آپ نے گورنر کے حکم کی توثیق کرتے ہوئےایک کاغذ کے پرچہ پر لکھ کر ارسال فرمایا اور گورنر کو حکم دیا کہ یہ رقعہ دریائے نیل میں پڑھ کر ڈال دیں ۔ اس رقعہ پر تحریر تھا کہ اے پانی ! اگر تو اپنی مرضی سے رکا ہے تو جاری نہ ہو اور اگر خدا کے حکم سے رکا ہے تو عمر کہتا ہے کہ جاری ہوجا ۔ جب رقعہ پڑھ کر پانی میں ڈالا گیا تو پانی جوش مارتا ہوا جاری ہوگیا ۔ اس کے بعد آج تک اس کا پانی خشک نہیں

ہوا ۔ حضرت فاروق اعظم کی یہ امارت حقیقی تھی ۔

ولی کا نام اسی کے لئے جائز ہے جس میں مذکورہ معانی موجود ہوں اور وہ صاحب حال ہو نہ کہ صاحب قال اور بلکہ بحث و جدال ۔ اسی لئے گذشتہ مشائخ نے اس سلسلہ میں بکثرت کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ۔ صاحب مذہب حضرت حکیم ترمذی کی مراد اور ان کے طریقے کی خوبیاں درج ذیل ہیں ۔

ولی نام کے اطلاقات

واضح رہنا چاہیے کہ لفظ ولی لوگوں میں بہت مستعمل ہے اور کتاب و سنّت اس پر ناطق و شاہد ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " الا انّ اولیاء اللہ لا خوف علیہم و لا ھم یحزنون " (خبردار اللہ کے اولیاء وہ ہیں جن پر نہ خوف ہوتا ہے اور نہ حزن و ملال) اور ارشاد ہے " نحن اولیاء کم فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ " (ہم تمہاری دنیاوی اور اخروی زندگانی میں مددگار ہیں) اور ارشاد ہے " اللہ ولی الذین آمنوا " (ایمان والوں کا مددگار اللہ ہی ہے) ۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "انّ من عباد اللہ لعباد یغبطھم الانبیاء و الشہداء" (بلا شبہ بندگان خدا میں سے کچھ بندے ایسے ہیں جن پر انبیاء و شہداء رشک کرتے ہیں) صحابہ نے عرض کی "یا رسول اللہ صنعھم لنا لعلّنا نحبّھم" (اے اللہ کے رسول ہمیں ان کی پہچان بتائیے تاکہ ہم ان سے محبت کریں) آپ ﷺ نے فرمایا :

"یہ وہ لوگ ہیں جو مال و محنت کے بغیر صرف ذات الٰہی سے محبت رکھتے ہیں ۔ ان کے چہرے نور کے مناروں پر روشن و تاباں ہیں ۔ لوگوں کے خوف کے وقت یہ بے خوف اور ان کے غموں کے وقت یہ بے غم ہیں ۔ " پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ بے شک اللہ کے اولیاء وہ ہیں جن پر نہ خوف ہے اور نہ حزن و ملال ۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

"جس نے میرے ولی کو ایذا دی اس سے میرا لڑنا حلال ہوگیا ۔"

کتاب و سنّت کے ان دلائل سے مراد یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی دوستی و ولایت سے مخصوص کرکے اپنے ملک کا والی بنایا ہے اور ان کے احوال کو برگزیدہ کرکے اپنے فعل و اظہار کا مرکز بنایا ہے اور متعدد کرامتوں سے سرفراز کرکے ان کو طبع کی آفتوں اور نفس و ہوا کی پیروی سے پاک و منزہ فرمایا ہے تاکہ ان کے تمام ارادے خدا کے لئے ہی ہوں اور ان کی محبت اسی سے ہو ۔ زمانہ ماضی میں اس سے پہلے بھی اولیاء گذرے ہیں ، آج بھی موجود ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے ۔ کیوں کہ اللہ تعالی نے اس امت کو تمام گذشتہ امتوں پر شرافت و بزرگی عطا فرمائی ہے اور ضمانت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ شریت محمدیہ کی ہمیشہ حفاظت فرمائے گا ۔ اس پر دلائل نقلیہ اور براہین عقلیہ ، علماء کے درمیان آج بھی موجود ہیں اور غیبی دلائل بھی کہ اولیاء اللہ اور خاصان خدا کا موجود ہونا ضروری ہے ۔ اس مسئلہ میں ہل سنّت کا اختلاف دو گروہوں سے ہے ایک معتزلہ اور دوسرے حشویوں سے ۔

معتزلہ ایمان داروں میں ایک کی دوسرے پر تخصیص کا انکار کرتے ہیں حالاں کہ ولی کے خاص ہونے سے انکار کرنا نبی کے انکار کو مستلزم ہے اور یہ کفر ہے اور عام حشوی اگرچہ تخصیص کو جائز تو رکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ ولی ہوئے تو ہیں لیکن آج نہیں ہیں حالاں کہ ماضی و حال و مستقبل کا انکار سب برابر ہے ۔ اس لئے کہ انکار کا ایک رخ دوسرے رخ سے زیادہ بہتر ہوتا ہے ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے براہین نبوت کو آج تک باقی رکھا ہے اور اولیاء کو اس کے اظہار کا سبب بنایا ہے تاکہ آیات حق اور حضور اکرم ﷺ کی صداقت کے دلائل ہمیشہ ظاہر ہوتے رہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو جہان کا والی بنایا ہے یہاں تک کہ وہ خالص سنّت نبوی کے پیروکار ہوکر رہے اور نفس کی

پیروی کی راہوں کو چھوڑ دیا ۔ آسمان سے رحمتوں کی بارش انہیں کے قدموں کی برکت سے ہوتی ہے اور زمین میں جو کچھ اگتا ہے وہ انہی کی برکت اور ان کے احوال کی صفائی کی بدولت پیدا ہوتا ہے ۔ کافروں پر مسلمانوں کی فتح یابی انہی کے ارادے سے ہے ۔

۳۱ ۔ نام احمد بن عیسیٰ ہے ۔ ابو سعید کنیت ہے ۔ ۲۷۹ ھ میں وفات پائی ۔
"الطبقات الکبریٰ" جلد اول محولہ بالا ، ص - ۷۸

مذہب خرازیہ کی بنیاد بقا اور فنا پر ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ "ما عندکم ینفذ و ما عند اللہ باق" (جو تمہارے پاس ہے وہ فنا ہوجائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے ، باقی رہنے والا ہے) ایک اور جگہ ارشاد ہے "کلّ من علیھا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال و الاکرام" (روئے زمین پر جو کچھ ہے وہ فانی ہے اور تمہارے رب کی عزت و جلال والی ذات باقی رہنے والی ہے ۔)

واضح رہنا چاہیے کہ علم زبان میں فنا اور بقا کے معنیٰ کچھ اور ہیں اور اصطلاح طریقت اور زبان حال میں اس کے معنیٰ اور ہیں ۔ علماء ظواہر ان کے معنیٰ میں جس قدر حیران ہیں اتنے اور کسی معنیٰ میں نہیں ہیں لہٰذا بقا کے معنیٰ علم زبان ، اقتضائے لغت میں تین قسم کے ہیں ۔

۱ ۔ بقا وہ ہے جس کا ابتدائی کنارہ بھی فنا ہو اور اس کا آخری کنارہ بھی فنا مثلاً دنیا کہ ابتدا میں نہیں تھی اور انتہا میں بھی نہیں ہوگی اور موجودہ وقت باقی ہے ۔

۲ ۔ بقا سرے سے موجود ہی نہ ہو اور جب موجود ہو جائے تو پھر وہ فنا ہی نہ ہو جیسے بہشت و دوزخ اور جہان آخرت اور اس کے رہنے والے ۔

۳ ۔ بقا نہ آگے معدوم ہو اور نہ پہلے معدوم تھی ۔ یہ حق تعالیٰ کی ذات قدس اور اس کی صفات ہیں جو ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ اپنی قدیم صفات کے

ساتھ باقی رہے گا اور دائمی بقا سے اس کا دائمی وجود ہے اور کوئی بھی کسی نوعیت سے ان کی ذات و صفات میں شریک و سہیم نہیں ہے -

فنا کا علم یہ ہے کہ دنیا فانی ہے اور بقا کا علم یہ ہے کہ آخرت باقی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "و الاخرۃ خیر و ابقیٰ" (آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے) اس آیت میں ابقیٰ کا کلمہ مبالغہ کے لئے ہے کیوں کہ آخرت کی عمر کے لئے اس جہان میں فنا نہیں ہے لیکن طریقت کی اصطلاح میں بقائے حال اور فنائے حال سے مراد یہ ہے کہ جہالت کے لئے یقیناً فنا ہے اور علم باقی رہنے والا ہے - چناں چہ معصیت فانی ہے اور طاعت باقی - بندہ جب اپنی طاعت کا علم حاصل کرلیتا ہے تو غفلت و جہالت معدوم ہوکر بقا کے ذکر میں باقی ہو جاتی ہے - مطلب یہ کہ بندہ جب حق تعالیٰ کو پہچان جاتا ہے تو وہ اس کے علم کے ساتھ باقی ہوجاتا ہے اور اس سے جہل فنا ہوجاتا ہے اور جب سے فنا ہوتا ہے تو وہ غفلت کے ذکر میں باقی ہوتا ہے - یہ بیان مذموم قبیح اوصاف کے دور کرنے اور محمود و پسندیدہ اوصاف کے قائم کرنے میں ہے لیکن خواص اہل طریقت کے نزدیک یہ مراد نہیں ہے - ان کے ارشادات ، اصل طریقت میں علم و حال سے متعلق نہیں ہیں وہ فنا و بقا کا استعمال ولایت کے درجہ کمال کے سوا نہیں کرتے -

خواص اہل طریقت کے نزدیک فنا و بقا سے متصف وہ حضرات ہیں جو مشاہدے کی مشقت سے آزاد ہیں اور مقامات کی قید سے اور احوال کے تغیر سے نجات پاکر حصول مقصود میں فائز المرام ہوچکے ہیں - ان کے دیکھنے کی تمام صلاحیتیں حق تعالیٰ کے دیدار کے ساتھ وابستہ ہیں - ان کے سننے کی تمام قوتیں کلام الٰہی کی سماعت کے ساتھ پیوست ہیں اور دل سے جاننے کی تمام استعداد ، اسرار الٰہی کے حصول میں منہمک ہوچکی ہے - یہ صاحبان ولایت اپنے اسرار کے حصول میں خود بینی کی آفت کو دیکھ چکے ہیں - وہ سب سے کنارہ کش ہو

کر مراد میں ہیں ۔ ان کے ارادے فنا ہوچکے ہیں ۔ وہ واصل بحق ہوکر ہر دعوے سے بیزار اور ہر لحاظ سے منقطع ، کرامتوں سے محجوب ، مقامات کو دیکھنے والے ہوتے ہیں اور عین مراد میں آفتوں کا لباس پہننے سے بے مراد ہوتے ہیں اور ہر مشرب سے جدا ہوکر ہر مانوس شے کی انسیت سے علیحدہ ہوتے ہیں ۔

۳۲ ۔ نام محمد کنیت ابو عبداللہ ہے ۔ شیرازی الاصل ہیں ۔ شاہی خاندان سے تھے ۔ شافعی المذہب تھے ۔ علم تصوف میں آپ کی بہت سی تصانیف ہیں ۔ ۳۷۱ ھ میں وفات پائی ۔

"سفینۃ الاولیاء" محولہ بالا ، ص ؛ ۱۴۹ ، ۱۵۰

خفیفیہ مذہب کی خصوصیت غیبت اور حضور ہے ۔ غیبت و حضور ایسی دو عبارتیں اور کلمے ہیں جو مقصود کے عین مفہوم کو بیان کرتے ہیں ، عکس و سایہ کے مانند ہیں ۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی ضد ہیں جو ارباب زبان اور اہل معانی کے درمیان بکثرت مستعمل ہیں لہٰذا حضور سے مراد وہ حضور قلب ہے جو یقینی ولایت کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کے لئے غیبی حکم عینی حکم کے مانند ہوجائے ۔

غیبت سے مراد ما سویٰ اللہ سے دل کا غائب ہونا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو کر اپنی غیبت سے بھی غائب ہوجائے اور اپنی غیبت کو بھی وہ خود نہ دیکھ سکے ۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ رسمی حکموں سے بھی کنارہ کش ہو جس طرح نبی ارتکاب حرام سے معصوم ہوتا ہے ۔ لہٰذا اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے اور حق سے حضوری اپنے سے غیبت ہے ۔ چناں چہ جو اپنے سے غائب ہوگیا وہ حق تعالیٰ کے حضور پہنچ گیا اور جو حق تعالیٰ میں حاضر ہوگیا وہ اپنے سے غائب ہوگیا کیوں کہ دل کا مالک حق تعالیٰ ہے جب کسی جذبہ حق سے طالب کا دل مغلوب ہوجائے تو اس کے نزدیک دل کی غیبت ،

حضور کی مثل ہوجاتی ہے اور اس وقت دل سے شرکت و قسمت اٹھ جاتی ہے اور اپنے سے بھی نسبت منقطع ہوجاتی ہے ۔

جب دل کا مالک اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں رہتا تو اس وقت وہ خواہ غائب ہو یا حاضر ، اسی کے قبضہ تصرف میں ہوتا ہے اور نظری حکم میں عین کے ساتھ ہوتا ہے تمام ارباب طریقت کی دلیل یہی سلوک ہے ۔ اختلاف اس میں ہے کہ ایک گروہ حضور کو غیبت پر مقدم رکھتا ہے اور دوسرا گروہ غیبت کو حضور پر ترجیح دیتا ہے جیسا کے سکر و صحو کی بحث میں بیان کیا گیا لیکن فرق یہ ہے کہ صحو و سکر صفات بشریہ کے باقی رہنے کی نشان دہی کرتے ہیں اور غیبت و حضور ان کے فنا ہونے کا پتہ دیتے ہیں لہٰذا میدان تحقیق میں اس کا بڑا اعزاز ہے ۔

ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ حضور غیبت سے مقدم ہے اس لئے کہ تمام خوبیاں حضور میں حاصل ہوتی ہیں اور اپنے سے غیبت تو حضور حق کا راستہ ہے جب حضور حق حاصل ہوگیا تو پہنچنے کا راستہ تو آفت ہے لہٰذا جو شخص اپنے سے غائب ہوگیا یقیناً وہ بارگاہ حق میں حاضر ہوگیا ۔ غیبت کا فائدہ تو حضور ہے ۔ بے حضور غیبت دیوانگی اور مغلوبیت ہے ۔ مناسب یہی ہے کہ تارک غفلت ہوجاؤ تاکہ غیبت کا جو مقصود ہے یعنی حضور ، وہ حاصل ہوجائے جس وقت مقصود حاصل ہوجاتا ہے اس وقت علت ساقط ہوجاتی ہے ۔

غیبت و حضور کے فرق میں مشائخ کے بکثرت لطائف ، حالات اور ظاہری اقوال ہیں جن کا مفہوم باہم قریب قریب ہے یعنی بارگاہ حق کا حضور اور اپنے سے غیبت برابر ہے کیوں کہ اپنے سے غیبت کا مقصود، حضور ہے اور جو اپنے سے غائب نہیں ہے و بارگاہ حق میں حاضر نہیں ہے اور جو حاضر ہے وہ غائب ہے ۔

۳۳ ۔ نام قاسم بن قاسم بن مہدی ہے ۔ مرو کے باشندے تھے ۔ ابوبکر واسطی کے

مرید تھے ۔ علوم ظاہر و باطن کے جیّد عالم تھے ۔ ۳۴۲ ھ میں انتقال کیا ۔ مرو میں دفن کئے گئے ۔

"سفینۃ الاولیاء" محولہ بالا ، ص - ۱۹۳

سیاری مذہب کی خصوصیت جمع و تفرقہ ہے جو تمام اہل علم کے درمیان مستعمل ہے ۔ ہر گروہ نے اپنی مراد اور عبارتوں کے سمجھانے میں ان دونوں کلمات کا استعمال کیا ہے لیکن ہر ایک کی وضاحت ایک دوسرے سے مختلف رہی ہے ۔ چناں چہ مذہب محاسبیہ میں جمع و تفرقہ سے مراد کسی کے شمار میں جمع و افتراق لیا گیا ہے اور نحوی اور اصحاب لغت ان سے مراد ناموں کا جمع کرنا اور ان کا فرق لیتے ہیں ۔ حضرات فقہاء نے نص کا جمع کرنا اور ان کی صفات کو جدا کرنا یا نص کو جمع کرنا اور قیاس کو جدا کرنا مراد لیا ہے اور اصول کلام والوں نے صفات ذات کا جمع اور صفات فعل کا تفرقہ مراد لیا ہے لیکن مشائخ طریقت کے نزدیک ان میں سے کوئی مراد نہیں ہے ۔

جمع و تفرقہ

جمع و تفرقہ سے مشائخ طریقت کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ تمام مخلوق کو جمع کرکے فرمایا "واللہ یدعوا الیٰ دارالسلام" (اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے) دوسری جگہ ہدایت حق میں انہیں تفرقہ کے ساتھ بیان کیا کہ "و یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم" (اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے) دعوت میں تو اللہ تعالیٰ نے سب کو جمع کرکے پکارا اور اظہار مشیت میں ایک گروہ کو حکم سے خارج کرکے بیان کیا اور باقی کو حکم میں جمع کردیا گویا ایک گروہ کو تو مردود و رسوا کرکے فرق کردیا اور انہیں جدا کردیا اور کچھ کو توفیق دے کر مقبول بنایا اور کچھ کو ممانعت کے ذریعہ جمع کرکے نکالا ۔ ایک گروہ کو عصمت دی اور ایک گروہ کو آفت کی طرف

میلان دیا لہٰذا اس معنیٰ میں حقیقت و اسرار اور حق تعالیٰ کی معلوم و مراد میں لفظ جمع ہے اور امر و نہی کے اظہار میں لفظ تفرقہ ہے ۔

جمع و تفرقہ کی تعریف

تصوف میں جمع و تفرقہ کی تعریف یہ ہے کہ "الجمع ما جمع باوصافہ و التفرقة ما فرق بافعالہ" (جمع وہ ہے جو اپنے اوصاف کے ساتھ جمع ہو اور تفرقہ وہ ہے جو اپنے افعال سے جدا ہو) اس سے مراد مکمل ارادہ کے انقطاع اور ارادہ الٰہی کے اثبات میں خلق کے تصرف کا مکمل ترک ہے ۔ اس تعریف پر معتزلہ کے سوا تمام اہِ سنّت و الجماعت اور تمام مشائخ کا اجماع ہے ۔ البتہ ان کے استعمال میں مشائخ کا اختلاف ہے ۔ چناں چہ ایک گروہ ان دونوں کلمات کو توحید پر محمول کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جمع کے دو درجے ہیں ایک حق تعالیٰ کے اوصاف میں ، دوسرا بندوں کے اوصاف میں ۔ حق تعالیٰ کے اوصاف سے جس کا تعلق ہے وہ توحید کا بھید ہے جس پر بندے کا کوئی اختیار نہیں ہے اور جو بندوں کے اوصاف میں ہے اس سے مراد توحید میں صدق عقیدت اور صحت عزیمت ہے ۔ یہ قول حضرت ابو علی رودباری کا ہے ۔ دوسرا گروہ اسے حق تعالیٰ کے اوصاف پر محمول کرتا ہے چناں چہ وہ کہتا ہے کہ جمع حق تعالیٰ کی صفت ہے اور تفرقہ حق تعالیٰ کا فعل ۔ حق تعالیٰ کے صفت و فعل میں بندے کو کوئی اختیار نہیں ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ کی الوہیت میں کوئی شے متنازعہ نہیں ہے ۔ جمع ذات و صفات اس کے لئے ہے کیوں کہ جمع اصل میں برابر کا مقتضی ہے ۔ حق تعالی کی ذات و صفات میں کوئی اس کا مساوی نہیں اور اس کی جدائی میں خلق کی تفصیل و عبارت مجتمع نہیں ہے اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے صفات قدیم ہیں اور وہ اسی کے ساتھ مختص ہیں اور ان کا قیام بھی اسی کے ساتھ ہے اور ان کی خصوصیات بھی اسی سے وابستہ ہیں ۔

چوں کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات میں دوئی نہیں اور نہ اس کی وحدانیت میں فرق و عدد روا ہے ۔ اس لحاظ سے جمع کا استعمال حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے جائز نہ ہوگا ۔

لیکن حکم میں تفرقہ اللہ تعالیٰ کے افعال سے متعلق ہے کیوں کہ تمام احکام متفرق ہیں ۔ کسی کے لئے وجود کا حکم ہے اور کسی کے لئے عدم کا ۔ اس لحاظ سے جمع کا استعمال ہوا ۔ ایک کو فنا کا حکم ہے دوسرے کو بقا کا حکم ۔

ایک گروہ وہ ہے جو تفرقہ کو علم الٰہی پر محمول کرتا ہے ۔ چناں چہ وہ کہتا ہے "الجمع علم التوحید و التفرقة علم الاحکام" (توحید کا علم جمع اور احکام کا علم تفرقہ ہے) اس لحاظ سے علم اصول جمع اور علم فروع تفرقہ ہوں گے ۔ ایک بزرگ کا قول ہے " الجمع ما اجتمع علیہ اہل العلم و التفرقة ما اختلفوا فیہ" (جس پر اہل علم کا اجماع ہو وہ جمع اور جس میں ان کا اختلاف ہو وہ تفرقہ ہے) لیکن جمہور محققین نے تصوف کے عبارات و اشارات میں تفرقہ سے مکاسب (بندے کے اختیاری اعمال) **اور جمع سے مواہب** (مجاہدے اور مشاہدے) مراد لئے ہیں لہٰذا جو بندہ مجاہدے کے ذریعے واصل بحق ہو وہ تفرقہ ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر جو خاص عنایت و ہدایت ہو وہ جمع ہے اور بندے کی عزت و تکریم اس میں ہے کہ وہ اپنے وجودی افعال اور جمال حق کے لئے مجاہدے کی قدرت میں اپنے افعال کی آفتوں سے محفوظ رہے اور اپنے افعال کو باعطائے فضل الٰہی جان کر مشاہدے کو ہدایت الٰہی کے دامن میں منفی دیکھے لہٰذا ایسا بندہ اپنی بر اقامت میں حق تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوکر اس کا نائب اور اوصاف میں اس کا وکیل ہوگا اور اس کے تمام افعال کی نسبت اسی کی طرف ہوگی یہاں تک کہ وہ اپنے کسب کی نسبت سے محفوظ ہوجائے گا ۔

۳۴ ـ ولی اللہ دہلوی ، شاہ "مکتوبات فارسی " مع ترجمہ اردو دہلی ، کتب خانہ نذیریہ عامہ ، ص - ۱۳

۳۵ ـ "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" محولہ بالا ، ص - ۵

۳۶ ـ "ہمعات" محولہ بالا ، ص - ۱٦

۳۷ ـ ولی اللہ دہلوی ، شاہ "القول الجمیل" ترجمہ اردو موسومہ شفاء العلیل ، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ، ص - ۲۰۳

۳۸ ـ ایضاً ص - ۳۵

باب پنجم

فصل اول:

سلوک کی ابتدائی منازل

فصل دوم:

اوراد و وظائف

فصل سوم:

توحید افعالی ، صفاتی ، ذاتی

فصل چہارم:

نسبتیں

طاعت

تمام بزرگ اس بات پر متفق ہیں کہ راہ طریقت کے سالک کو سب سے پہلے اپنے عقائد کو درست کرنا چاہیے ۔ عقائد کی درستگی کے لئے صحابہ کرام ، تابعین اور سلف صالحین کے عقائد کو مشعل راہ بنانا چاہیے ۔ اس سلسلے میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ۔

۱ ۔ بعد میں متکلمین نے جو نئی نئی تاویلیں کی ہیں ان سے بچنا ضروری ہے ۔

۲ ۔ سلوک کی ابتدا میں سالک وحدت الوجود اور وجود کے تنزلات خمسہ کی بحثوں سے بچے ۔ ان بحثوں سے نفع کے بجائے نقصان ہوگا ۔

۳ ۔ اگر سالک اتنی استعداد نہیں رکھتا کہ وہ حدیث کی کتابوں اور صحابہ و تابعین کے آثار کا براہ راست مطالعہ کرسکے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فقہ کے چار مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کرے لیکن اگر سالک میں احادیث و آثار سے استفادہ کرنے کی استعداد موجود ہے تو بہتر ہے کہ وہ خود ان کا مطالعہ کرے ۔ اس ضمن میں خاص طور پر وہ اس بات کی احتیاط کرے کہ بعد کے فقہاء نے طرح طرح کی جو بیکار موشگافیاں کی ہیں اور نئے نئے مسائل استنباط کئے ہیں وہ ان میں نہ الجھے ۔

عقائد کی درستگی کے بعد سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ :-

۱ - اسلام کے جملہ ارکان کو بجا لائے ۔

۲ ۔ گناہوں سے بچے ۔

۳ ۔ شریعت نے جن مفاسد کو ملعون قرار دیا ہے ان کا سد باب کرے ۔

یہ سلوک کی پہلی منزل ہے اور اس کا نام طاعت ہے ۔

آداب سلوک

سالک کو دن رات میں پچاس رکعتیں ضرور پڑھنا چاہیں ۔ ان کی تفصیل یہ ہے : سترہ رکعتیں فرض نمازوں کی ، بارہ سنّت مؤکدہ ، گیارہ رکعت تہجد ، دو رکعت اشراق ، چار رکعت ضحیٰ اور چار رکعت زوال کی ۔ اس کے علاوہ صبح و شام اور سوتے وقت کے جو اذکار و اوراد صحیح احادیث میں مروی ہیں ان کا بھی ذکر کرنا چاہیے ۔ شاہ صاحب کو ان کے والد شاہ عبدالرحیم نے ذکر نفی و اثبات یعنی لا الہ الا اللّٰہ کا ذکر مستقل طور پر ہزار بار روزانہ کرنے کی وصیت کی تھی ۔ ان کا ارشاد تھا کہ کچھ ذکر تو بلند آواز سے (ذکر جلی) ہو اور کچھ آہستہ آہستہ (ذکر خفی) ہو ۔ سالک کو چاہیے کہ جتنا زیادہ سے زیادہ وہ درود و استغفار پڑھ سکے ، پڑھے ۔ نیز سحر کے وقت سبحان اللّٰہ و بحمدہ سو بار اور اسی طرح لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ کا سو بار ورد کرنا اپنے اندر بڑی برکت رکھتا ہے ۔

سالک حج (۹ ذی الحج) اور عاشورہ (۱۰ محرم) کا روزہ رکھے ۔ اس کے علاوہ ہر مہینے جب بھی چاہے تین روزے رکھے اور شوال کے چھ روزے رکھے ۔

صدقہ کے ضمن میں سالک کو چاہیے کے وہ ہر روز اپنے مال سے ایک مسکین کو کھانا کھلائے ۔ سال میں ایک مسکین کو لباس پہنائے ۔ صدقہ فطر اور دوسرے صدقات و خیرات ادا کرے ۔

سالک اگر قرآن کا حافظ ہے تو ہفتے میں ایک بار اسے قرآن ختم کرنا چاہیے لیکن اگر اسے اوراد و وظائف اور دوسرے باطنی اشغال زیادہ کرنے پڑتے ہوں تو وہ دن میں زیادہ سے زیادہ جتنا قرآن پڑھ سکے ، پڑھے ۔ جو سالک حافظ قرآن نہ ہو

اسے چاہیے کہ ہر روز تقریباً سو آیتوں کی تلاوت کرے جو پاؤ پارے یا نصف پارے کے برابر ہوتی ہیں -

تعلیم و تعلم کے سلسلے میں سالک کو چاہیے کہ ہر روز حدیث کے دو تین صفحے پڑھے اور قرآن کے دو رکوع کا ترجمہ سنے -

اکل و شرب کے متعلق اسے چاہیے کہ اگر وہ مزاج کا قوی ہے تو وہ اتنا کھائے کہ اگر وہ اس سے کم کھانے پر رہے تو اسے ضعف محسوس ہو لیکن اگر وہ مزاج کا ضعیف ہے تو اس قدر کھائے کہ اسے پیٹ کے تردد سے نجات مل جائے - یعنی نہ اتنا کم ہو کہ اسے بھوک ستائے اور نہ اس قدر زیادہ کہ وہ سیری محسوس کرے -

جاگنے کے معاملے میں سالک کو چاہیے کہ وہ دن رات کے تین حصے کرے - ان میں سے دو حصے تو وہ جاگے اور ایک حصہ سوئے - اس کے جاگنے اور سونے کی ترتیب یہ ہو کہ دوپہر کو تھوڑی دیر استراحت کرے اور پھر چوتھائی رات تک جاگتا رہے - اس کے بعد سوئے اور رات کے آخری حصے میں جاگے اور پھر جب صبح کاذب ہو تو تھوڑا سا اونگھ لے - اس کے بعد بیدار ہو اور نماز فجر ادا کرے - رات کے پہلے حصے میں زیادہ جاگے یا آخر رات میں یہ سالک کے اپنے اختیار میں ہے -

عزلت اور گوشہ نشینی کے ضمن میں سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں میں بہت کم بیٹھے لیکن معاشرے کی طرف سے سالک پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے مثلاً اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیمار کی عیادت اور مصیبت زدہ کی تعزیت کرے - عزیز و اقارب کے صلہ رحمی کے جو حقوق ہیں ان کو بجا لائے - علم کی مجلسوں میں بیٹھے - سالک کو چاہیے کہ اپنی طبیعت کی درشتگی اور تنگی کو دور کرنے اور اس طرح کے

دوسرے امور کی اصلاح کے لئے وہ لوگوں سے ضرور ملے جلے لیکن اگر یہ مقاصد پیش نظر نہ ہوں تو اسے لوگوں سے میل جول کم رکھنا چاہیے ۔

سالک کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے لباس یا اپنے پیشے میں دوسروں سے ممتاز اور منفرد نظر آئے ۔ اسے چاہیے کے وہ اپنے بھائیوں اور خاندان والوں کی سی وضع قطع رکھے ۔ چناں چہ اگر علماء کے طبقے میں سے ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ علماء کی روش اختیار کرے اگر وہ اہل حرفہ میں سے ہے تو ان کی وضع پر رہے اور اگر وہ سپاہی ہے تو سپاہیوں کی وضع اختیار کرے ۔

آداب ذکر

سالک جب طاعات اور ذکر و اذکار کے معنوی نتائج کو اپنے اندر قائم و مستقر کرلے تو پھر اسے اوراد کو اوراد سمجھ کر ان کا وظیفہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ وہ اس طرح ذکر کرے جس طرح اہل عشق و محبت ذکر کرتے ہیں ۔ ذکر کے معاملے میں سب سے زیادہ خوش نصیب وہ ہے جو صحیح المزاج ہو ، جس میں جذبہ عشق و محبت کی شدت ہو لیکن جو شخص طبعاً کاہل ہو یا اس کے مزاج میں فطرتاً کوئی خلل ہو یا اس پر عشق و محبت کا زیادہ اثر نہ ہوتا ہو تو اسے ذکر و اذکار میں اعلیٰ مقام تک رسائی نصیب نہیں ہوتی ۔

جمہور اہل طریقت کے نزدیک سب سے افضل ذکر ، ذکر ذات یعنی اللہ اور نفی و اثبات یعنی لاالہٰ الااللہ کا ہے لیکن اس ذکر کے بھی اپنے آداب و شرائط ہیں اگر یہ ذکر ان آداب و شرائط کے ساتھ ہو تو پھر اس سے سالک کو جمیعت خاطر حاصل ہوتی ہے اور اس کے دل کو اِدھر اُدھر کے بیکار خیالات سے نجات مل جاتی ہے نیز اس کے اندر عشق و محبت کی گرمی پیدا ہوجاتی ہے ۔ اس ضمن میں سالک کو چاہیے کہ سب سے پہلے ذکر کے لئے مناسب اور موزوں وقت نکالے ۔ ذکر کے وقت نہ تو اس کا پیٹ بھرا ہوا ہونا چاہیے اور نہ ایسا ہو کہ اسے بھوک ستا رہی ہو ، نہ اسے بول و براز کی ضرورت محسوس ہو رہی ہو ۔ ذکر کے وقت نہ وہ غصے میں ہو اور نہ متفکر و مغموم ۔ الغرض اس طرح کے تمام عوارض سے وہ پاک ہو اور اپنے نفس کی ضرورتوں اور گرد و پیش کی مصروفیات سے فراغت پاچکا ہو ۔ اس کے بعد سالک کو چاہیے کہ وہ خلوت میں

جائے ، وضو اور غسل کرے ، صاف کپڑے پہنے ، پوری طرح پاک و صاف ہو پھر اپنے دل کو جوش میں لانے کے لئے ہر ممکن تدبیر کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ موت کا تصور کرے ، عشق و محبت کی کہانیوں کو پڑھے ، وعظ و نصیحت کی باتیں یا دل کش نغمے سنے ۔

یہ سب کچھ کرنے کے بعد جب سالک اپنے دل کو آمادہ جوش دیکھے تو اس وقت وہ دو رکعت نماز پڑھے اور جیسا کہ نماز میں دو زانو بیٹھا جاتا ہے ویسے ہی وہ قبلہ کی طرف منہہ کرکے بیٹھے اور زبان سے کلمہ لاالہٰ الااللہ کہے اور وہ اس طرح کہ لا تو حلق کے نیچے سے شروع کرے اور الہٰ کو دماغ میں کہے اور الااللہ کو اپنی پوری قوت سے اس طرح نکالے کہ اس کی ضرب بڑے زور سے دل پر لگے ۔ لاالہٰ الااللہ کے ذکر میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ لا پر جو مدّ ہے وہ پوری طرح کھینچی جائے اور الااللہ پر جو تشدید ہے اس پر پورا زور پڑے ۔ نیز جب سالک زبان سے لاالہٰ الااللہ کہے تو وہ اپنے دل سے غیر اللہ کی محض محبت ہی نہیں بلکہ سرے سے غیر اللہ کا وجود ہی خارج کردے ۔

ذکر کے وقت سالک کی حالت ایسی ہونی چاہیے جیسا کہ ایک محبت زدہ شخص ہوتا ہے جو اپنے دل کا راز چھپانے کی پوری کوشش کرتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس راز کو نہیں چھپا سکتا ۔ اب اگر سالک کے اندر وجد و بے خودی کی یہ حالت از خود پیدا نہیں ہوتی تو اسے چاہیے کہ وہ کم از کم اس وقت تو یہ کیفیت کوشش سے اپنے اوپر ضرور طاری کرے ۔

ذکر کے لئے ضروری ہے کہ ذاکر جب ذکر کرنے لگے تو وہ وجد و بے خودی کی کیفیت میں ڈوبا ہوا ہو اور ذکر کرتے وقت جب سالک اپنے دل میں زیادہ جوش و گرمی محسوس کرے تو اسی کے مطابق وہ لاالہٰ الااللہ کو اور زور سے کہے ۔ جوں جوں اس کے وجد میں حدت پیدا ہوتی جائے اسی حساب سے وہ

ذکر لاالہ الااللہ کو زیادہ بلند اور مسلسل کرتا جائے اور الااللہ کی ضربوں میں زیادہ زور پیدا کرے ۔ الغرض اگر سالک مزاج کا کامل اور عشق و محبت کی صلاحیت رکھتا ہوگا اور وہ ان آداب و شرائط کے ساتھ ایک دو گھڑی ذکر کرے گا تو یقیناً اسے پورا اطمینان خاطر نصیب ہوجائے گا ۔ اس کے دماغ کو پراگندہ خیالات سے نجات مل جائے گی اور شوق و محبت کی بے قراری اور گرمی بھی اسے ضرور حاصل ہوجائے گی ۔

جب ذکر کے دوران سالک میں یہ کیفیت پیدا ہوجائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی پوری کیفیت کو برابر نگاہ میں رکھے اور اسے اپنی نظر بصیرت سے اوجھل نہ ہونے دے ۔ سالک کو چاہیے کہ وہ اس کیفیت کو اچھی طرح سے جان لے اور اس کو خوب سمجھ لے ۔ جہاں تک ممکن ہو اپنی اس کیفیت کی حفاظت کرے اور اگر کبھی اسے محسوس ہو کہ اس کی یہ کیفیت اس کے اندر مفقود ہورہی ہے یا کمزور پڑ رہی ہے تو وہ اس کیفیت کو بڑھانے کی مزید کوشش کرے ۔ جو شخص صحیح الفہم اور مزاج کا کامل ہوگا وہ ذکر کی ایک ہی مجلس میں اس کیفیت کو سمجھ جائے گا لیکن اگر کوئی شخص طبیعت کاسخت ہو یا پہلوانوں کے سے قویٰ رکھتا ہو تو اس کے لئے مرشد کو چاہیے کہ اسے تین روزے رکھوائے اور روزوں کے دوران اسے کھانے کو کم دیا جائے ۔ اسی طرح وہ چند بار عمل کرے گا تو امید ہے کہ اسے ذکر میں یہ کیفیت ضرور حاصل ہوجائے گی وہ اس کیفیت کو ضرور سمجھ لے گا اور اسے اچھی طرح جان بھی لے گا لیکن فرض کیا اتنا کچھ کرنے کے باوجود بھی اسے یہ کیفیت حاصل نہ ہو تو ایسے شخص کو معذور سمجھ کر اوراد و وظائف میں لگا دینا چاہیے ۔ اس ضمن میں تین باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ۔

اول : جمہور اہل طریقت ذکر میں سر گھمانے ، قلب پر ضربیں لگانے اور

لاالٰہ الااللہ میں مدّ اور شدّ کی رعایت کرنے پر متفق ہیں ۔ ذکر میں ان چیزوں کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اس طرح ذکر کرنے سے سالک کو جمیعت خاطر حاصل ہوتی ہے ۔ اس کے دماغ سے پراگندہ خیالات دور ہوجاتے ہیں اور محبت و شوق کے جذبات اس کے دل میں بیدار ہوجاتے ہیں ۔

دوم : سلسلہ نقشبندیہ کے بعض پیرو کہتے ہیں کہ خواجہ نقشبند نے بلند آواز سے ذکر کرنے کی ممانعت فرمائی ہے ۔ یہ چیز تو اپنی جگہ صحیح ہے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ خواجہ نقشبند سے پہلے اس سلسلے کے سب بزرگ ذکر جہر اور ذکر خفی دونوں کرتے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں پر ذکر خفی سے زیادہ ذکر جہر غالب تھا اور خاص طور پر پیر اور جمعرات کے دن تو یہ بزرگ پوری دلجمعی سے ذکر جہر کیا کرتے تھے جب صورت حال یہ ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند نے ذکر جہر کی ممانعت کیوں فرمائی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چوں کہ مذہب حنفی میں ذکر جہر مکروہ ہے اس لئے خواجہ نقشبند نے ذکر جہر کے مقابلے میں ذکر خفی کو زیادہ مناسب اور بہتر سمجھا اور آپ نے اسی کو اختیار کیا ۔ اس کے علاوہ خواجہ نقشبند کی صحبت میں غیر معمولی تاثیر و برکت تھی اس لئے انہیں ذکر جہر کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حالات اور بعض اشخاص میں جذب و بے خودی کی کیفیت ذکر جہر کے بغیر پیدا نہیں ہوتی ۔ یہ جاننے کے بعد بھی اگر کوئی شخص ذکر جہر سے کلیۃً انکار کرتا ہے تو یہ محض ہٹ دھرمی ہے ۔

سوم : شارع علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اس سلسلے میں جس بات کا حکم دیا ہے اور مسلمانوں کو جس امر کی ترغیب دلائی ہے وہ دو چیزوں پر مشمل ہے ۔ ایک ذکر ، دوسرے فکر ۔ ذکر سے مراد زبانی ذکر ہے خواہ بلند آواز سے ہو

یا آہستہ ۔

ذکر جہر اور ذکر خفی دونوں کا تعلق زبان سے ہے لیکن چوں کہ زبان کے اس ذکر سے براہ راست فکر تک پہنچنا دشوار ہے اس لئے مشائخ تصوف نے ذکر زبانی اور فکر کے درمیان ذکر قلبی کو ایک واسطہ تسلیم کیا ہے ۔ ذکر قلبی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایک رخ تو زبان کی طرف ہوتا ہے اور دوسرا رخ دماغ کی طرف ۔ الغرض ذکر قلبی کی حیثیت ذکر زبانی اور فکر کے درمیان ایک برزخ کی ہے اگرچہ ذکر قلبی کا کوئی ثبوت شارع علیہ الصلوٰۃ و السلام سے نہیں ملتا ۔

راہ سلوک کی رکاوٹیں

جب سالک مذکورہ اشغال میں مصروف ہوتا ہے تو اس کے دل میں اِدھر اُدھر کے خیالات اور وساوس پیدا ہوتے ہیں ۔ خیالات و وساوس کی دو قسمیں ہیں ۔

اول ۔ انسانی ذہن بالارادہ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرے مثال کے طور پر ایک شخص کو روز دو روٹیاں اور ایک پیالہ شہد کا ملتا ہے وہ دل ہی دل میں سوچتا ہے کہ اگر روٹیاں کھا لیا کروں اور شہد بچاتا رہوں تو چند دنوں کے بعد اس کے پاس شہد کا ایک منکا جمع ہو جائے گا وہ اسے بیچ کر مرغیاں خرید لے گا اور جب مرغیوں کی نسل بڑھے گی تو ان سے فلاں چیزیں خرید لے گا ۔ غرضیکہ اسی طرح اس کے خیالات کا سلسلہ چلتا ہے ۔ اسی قسم کے خیالات میں فکر، شعر کے لئے تخیل آرائیاں اور نجوم کے زائچے بنانے کے سلسلے میں ذہن کی قیاس آرائیاں داخل ہیں نیز معقولات کی یہ بحثیں کہ ایسا کیوں ہوا ؟ اور یہ ہم کیوں تسلیم کریں ؟ اس قبیل سے ہیں ۔

دوم ۔ دوسری قسم یہ ہے کہ یا تو بلا قصد اور بغیر سوچے خیالات دماغ میں چلے آتے ہیں یا ان کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جو چیزیں آنکھوں نے کبھی دیکھی تھیں ، ان چیزوں کی صورتیں حس مشترک میں بھر جاتی ہیں ۔

مذکورہ وساوس کا علاج

پہلی قسم کے خیالات و وساوس کا علاج یہ ہے کہ سالک اپنی ہمت کے جذبے کو برانگیختہ کرے اور اس کی شکل یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی تدبیر کرے

جس سے اس کے دل میں جوش پیدا ہو ۔ جب سالک میں اس طرح کی کسی تدبیر سے جوش پیدا ہوجائے گا تو اس کے اندر نئے سرے سے اپنے نفس کی تہذیب و اصلاح کا جذبہ ابھرے گا ۔ اس حالت میں اسے چاہیے کہ وہ خلوت اختیار کرے اور اس امر کی کوشش کرے کہ کم سے کم کچھ وقت کے لئے اپنے دل میں باہر کے خیالات گھسنے نہ دے لیکن اگر اس کوشش کے باوجود اِدھر اُدھر کے خیالات پھر بھی یورش کریں تو اسے چاہیے کہ قبل اس کے کہ اس کے دل و دماغ ان خیالات کی لذت محسوس کریں ، وہ ان خیالات کو اپنے آپ سے دور ہٹا دے ۔ فرض کیا کہ اگر اس کا دل ان خیالات سے نہیں ہٹنا چاہتا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے دل کو سمجھائے اور اسے کہے کہ ابھی تو تم ان خیالات سے درگذر کرو ۔ تھوڑی دیر بعد پھر ان خیالات سے محظوظ ہولینا ۔ الغرض اس طرح ٹال مٹول کرکے وہ اپنے دل سے کچھ مدت کے لئے ان خیالات کو دور کرے پھر جس تدبیر سے پہلے اس نے اپنے اندر جوش اور تہذیب نفس کا جذبہ پیدا کیا تھا ، دوبارہ اس تدبیر کو عمل میں لائے اور اپنے دل سے خیالات و وساوس کو دور کرنے کی کوشش کرے ۔

دوسری قسم کے خیالات و وساوس کا علاج یہ ہے کہ سالک مذکورہ ذیل طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے اپنے دل میں جذب و شوق پیدا کرے ۔

اول ۔ وہ کسی قوی توجہ والے بزرگ کی صحبت میں بیٹھے اور اپنے دل کو اِدھر اُدھر کے خیالات سے خالی کرکے ایک دو گھڑی کے لئے اسے پوری طرح اس بزرگ کی طرف متوجہ کردے ۔

دوم ۔ مشائخ کی پاک روحوں کی طرف توجہ کرے ، ان پر فاتحہ پڑھے ، ان کی قبروں کی زیارت کرے اور ان بزرگوں کی ارواح سے جذب و شوق کی توفیق چاہے ۔

سوم ـ خلوت میں جائے ، غسل کرے ، نئے کپڑے پہنے ، دو رکعت نماز پڑھے اور پھر "اللهم نقنی من الخطایا - - - الخ " اور " اللهم اجعل فی قلبی نوراً " کا جہاں تک اس سے ہوسکے ذکر کرے اور نماز کے بعد "یا نور" کا چار ضربی یا سہ ضربی ذکر کرے ـ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی اگر خیالات اور وساوس پیچھا نہ چھوڑیں تو پھر پہلے کی طرح سالک کو چاہیے کہ وہ فوراً اٹھے ، دوبارہ وضو کرے ، پہلے کی طرح دو رکعت نماز پڑھے ـ اسی طرح پھر ذکر کرے اور اگر پھر بھی وساوس دل میں تشویش پیدا کریں تو پھر پہلے کی طرح وضو کرے ، نماز پڑھے اور ذکر کرے ـ اس میں ذرا شک نہیں کہ اگر سالک دو تین بار اس طرح کرے گا تو اسے ایک حد تک دل میں ٹھنڈک ، سکون اور اطمینان محسوس ہوگا ـ اس کے بعد سالک کو چاہیے کہ وہ لا الہ الا اللہ کا ذکر کرے اور تحصیل شوق میں لگ جائے ـ شاہ صاحب فرماتے ہیں :

"خیالات اور وساوس سے نجات پانے کا یہ حتمی اور مجرب علاج ہے اور اس کا ہمیشہ ایک سا اثر ہوتا ہے ـ"

۲ ـ جذب و سلوک کی راہ کی رکاوٹوں میں سے دوسری رکاوٹ قلق و اضطراب اور عزم و ارادہ کا ضعف بھی ہے ـ اس کی وجہ سے سالک کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ وظائف قلب میں مشغول ہونا چاہتا ہے لیکن اس کی طبعیت نہیں مانتی اور اس کے دل میں رہ رہ کر غم افزا جذبات بڑے زور سے فوارہ کی طرح پھوٹ پڑتے ہیں ـ قلق و اضطراب اور عزم و ارادہ کے ضعف کے حسب ذیل اسباب ہیں ـ

اول ـ مزاج کا اختلاج یعنی طبعیت میں سوداویت کا غلبہ ـ اس کا علاج یہ ہے کہ فصد یا مسہل کے ذریعے طبیعت میں اعتدال پیدا کیا جائے ـ اس کے علاوہ قلق و اضطراب اور عزم و ارادہ کے ضعف کا کوئی اور علاج نہیں ہے ـ

دوم ۔ جسم ناپاک ہے اور ایک عرصے سے غسل نہیں کیا گیا ۔ جس کی وجہ سے بدن پر میل کچیل جمی ہوئی ہے ۔ اس کا تدارک غسل سے کرنا چاہیے اور جسم اور کپڑوں کی صفائی کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے ۔

سوم ۔ گناہوں کے ارتکاب سے بھی طبیعت میں قلق و اضطراب پیدا ہوجاتا ہے ۔ یہ گناہ غریبوں پر ظلم کرنے کی شکل میں ہوں یا دوسروں کے حقوق غصب کرنے کی صورت میں ۔ ان کا علاج یہ ہے کہ سالک ان معاصی سے بچے ۔

چہارم ۔ شیاطین اور جادو کا اثر بھی طبیعت کو پراگندہ کردیتا ہے ۔ اس کا علاج "یا اللہ" کا ذکر ہے اور سالک اسے زیادہ سے زیادہ جتنا کرسکے ، کرے ۔

پنجم ۔ ایک سبب مشائخ طریقت کی شان میں بے ادبی کا ارتکاب ہے ۔ اس کا تدارک اس طرح ہوسکتا ہے کہ انسان اس سے باز رہے ۔

ششم ۔ دل میں دنیا کی محبت کی رگیں پوشیدہ ہیں اور برملا طور پر نظر نہیں آتیں لیکن جب بھی ان کو موقع ملتا ہے تو وہ ابھر کر اپنے تاریک اثرات دل پر ڈالتی ہیں ۔ چنانچہ اس سے طبیعت میں قلق و اضطراب اور عزم و ارادہ میں ضعف پیدا ہوتا ہے ۔ اس کا علاج یہ ہے کہ سالک مستقل طور پر ذکر کرے اور اس کی کوشش یہ ہو کہ جن اطراف و جہات سے دنیا کی محبت اس کے دل پر اپنا اثر ڈالتی ہے ، وہ ان اطراف و جہات کی نفی کرے ۔

ہفتم ۔ راہ سلوک میں سالک کو طرح طرح کی جو مشقتیں کرنا پڑتی ہیں کبھی ان کے خیال سے اس کا دل ڈر جاتا ہے ۔ اس کا علاج یہ ہے کہ سالک مشائخ کی حکایت سنے اور اپنے دل کو آس اور امید سے منقطع نہ ہونے دے ۔

الغرض ان تمام امراض کے معاملے میں سالک کو چاہیے کہ پہلے تو وہ اپنے دل کے اصل عارضے کا پتہ چلائے پھراس کا علاج کرے لیکن اگر سالک اپنے اس عارضے کی صحیح تشخیص نہ کرسکے تو مرشد کو چاہیے کہ وہ سالک پر نگاہ

رکھے ، مختلف مجالس میں اس کی حرکات و سکنات بڑے غور و تعمق سے دیکھتا رہے اور اس کی باتوں اور اس کے آثار و قرائن سے یا مرشد اپنی فراست سے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمائی ہے ، س کے عوارض کا کھوج لگائے اور ان کا تدارک کرے ۔

۳ ۔ اس سلسلے میں اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ سالک کو خواب یا بیداری میں طرح طرح کے واقعات اور احوال پیش آتے ہیں نیز ذکر و اذکار میں دور دور کے خیالات اس کے دماغ میں آن موجود ہوتے ہیں ۔ مزید براں وہ اپنے سامنے انوار کو روشن اور درخشاں دیکھنے لگتا ہے ۔ الغرض جب سالک کو اس قسم کے معاملات پیش آتے ہیں تو وہ انہیں بڑی عظمت و شان کی چیزیں سمجھتا ہے اور اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں بڑی متاع آگئی ہے چناں چہ اس کی وجہ سے سلوک کا جو اصل مقصود ہوتا ہے اس کے لئے جد و جہد کرنا چھوڑ دیتا ہے ۔ سالک کو چاہیے کہ جب وہ ان حالات میں سے گذر رہا ہو تو اپنے اوپر ضبط رکھے ۔ ان حالات میں سالک پر جو افکار و حوادث رونما ہوتے ہیں ان کی یہ صورتیں ہوسکتی ہیں ۔

یا تو سالک کو یقین ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے وہ حق تعالیٰ کی تجلی ہے یا وہ اس تجلی کی طرف منسوب ہے اگر سالک کو اس بات پر یقین ہو تو واقعی وہ تجلی ، تجلی حق ہوگی اور اگر سالک اس حالت میں اس تجلی کو ملائکہ یا مشائخ کی پاک روحوں کا نتیجہ سمجھتا ہے تو یہ تجلی اسی نوع میں شمار ہوگی ۔ ان تجلیات کی دوسری پہچان یہ ہے کہ اگر اس سے سالک کو انس ، سرور اور انشراح قلب حاصل ہو تو یہ تجلی ملائکہ کی سمجھی جائے گی ۔ اگر اس سے سالک کو وحشت و انقباض ہو تو یہ شیاطین کے وسوسے ہوں گے اور اگر اس سےج۳نہ سرور حاصل ہو اور سالک کو کوئی

خاص وحشت اور انقباض نہ ہو تو اس کی تجلیات کو طبیعت کا ایک خیالی ابھار سمجھنا چاہیے ۔ سالک اپنے ان احوال اور کوائف کو بھی ان صورتوں پر قیاس کرسکتا ہے ۔

بعض مشائخ نے جہات کے لحاظ سے بھی ملکی تجلیات اور شیطانی تجلیات میں فرق کرنے کی کوشش کی ہے یعنی اگر فلاں جہت سے افکار و تصورات رونما ہوں تو انہیں ملکی تجلیات سمجھا جائے گا اور اگر دوسری جہت سے کوئی چیز نازل ہو تو اسے شیطان کے وسوسوں اور اثرات کا نتیجہ قرار دیا جائے گا ۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے نزدیک جہات کے لحاظ سے تجلیات کی یہ تقسیم ٹھیک نہیں ۔

اوراد و وظائف

مقام طاعت کے بعد سالک کو چاہیے کہ وہ اپنا تمام وقت ذکر و اذکار ، تلاوت ، نماز اور نوافل میں صرف کرے ۔ اچھے اخلاق حاصل کرنے اور بری باتوں مثلاً ریاکاری ، حسد اور غیبت وغیرہ سے بچنے کی کوشش کرے ۔ اس ضمن میں سالک کے لئے تین باتوں کا جاننا ضروری ہے ۔

اول : صوفیاء کے ہر سلسلے کے اپنے اوراد و وظائف ہیں مثلاً

۱ ۔ سیّد عبدالقادر جیلانی نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں اوراد ، نوافل اور طاعات کا ایک طریقہ تلقین فرمایا ہے ۔

۲ ۔ چشتی مشائخ نے دوسرا طریقہ مقرر کیا ہے ۔

۳ ۔ شیخ ابوالحسن شاذلی نے اس سلسلے میں حزب البحر کا ورد تجویز کیا ہے ۔

۴ ۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے اپنے اوراد مشہور ہیں ۔

۵ ۔ امام محمد غزالی نے احیاء العلوم میں اوراد و وظائف کا ایک اور طریقہ لکھا ہے ۔

شاہ صاحب نے آل باعلوی کے بعض سادات سے سنا ہے کہ طریقہ عیدروسیہ کی بنیاد احیاء العلوم کے انہی اوراد پر ہے اور اس طریقے کے بزرگوں نے نسلاً بعد نسلِ اپنے بعد آنے والوں کو انہی اوراد کی تلقین کی ہے اور اسی کتاب کے مطالعہ کی ہدایت کرتے رہے ہیں ۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ گو یہ سب اوراد و وظائف اچھے اور مقبول ہیں

لیکن ان میں بہتر اور زیادہ پسندیدہ اوراد وہ ہیں جو صحیح کتب احادیث کے مطابق ہیں -

دوم : ابتدائے سلوک میں سالک کو ریاکاری کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات میں نہیں پڑنا چاہیے - اس ضمن میں اس کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ کتب حدیث و سنّت میں ریاکاری کے بارے میں بیان کی گئی موٹی موٹی باتوں کو جان لے - لیکن اگر سالک ریاکاری کی چھوٹی چھوٹی باتوں کی کرید میں رہے گا تو اسے نہ صرف یہ کہ نقصان پہنچے گا بلکہ اس کے دماغی توازن میں بھی خلل واقع ہوجائے گا - شاہ صاحب سالک کے ابتدائے سلوک میں ریاکاری کی تفصیلات کی کرید میں لگ جانے کو اس مثال سے واضح کرتے ہیں -

"کوئی شخص اپنے بیٹے کو بھیڑیے سے اتنا ڈرائے کہ بھیڑیے کے خیال سے ہی بیٹے کی نیند اڑ جائے اور ڈر کے مارے اس کا اطمینان یکسر جاتا رہے - اس کے برعکس باپ کا یہ فرض ہے کہ بیٹے تک بھیڑیے کے پہنچنے کے جو بھی ذرائع ہوسکتے ہیں ان کا سدّباب کردے اور اسے موقع نہ دے کہ وہ بھیڑیے کے متعلق وہم و احتمال میں پڑ جائے بلکہ باپ کو چاہیے کہ وہ بیٹے کی اچھی طرح تربیت کرے - اس کو توانا اور تندرست بنائے اور اس پر واضح کردے کہ مضبوط آدمی بھیڑیے کو خود اپنے بل بوتے پر زیر کرسکتا ہے -" (۱)

اس سلسلے میں سالک کی تربیت کا زیادہ مفید اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ مرشد اس کو ایسے اذکار و وظائف میں لگائے جو محبت انگیز ہوں جن کی وجہ سے سالک کی توجہ دنیا کی پست اغراض سے ہٹ کر اعلیٰ و ارفع مقاصد کی طرف مبذول ہوجائے - چناں چہ اس راہ کی سب سے پہلی ضرورت سالک کے اندر اس توجہ کو پیدا کرنا ہے -

سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل سے جاہ و مال کی محبت کو جہاں تک ممکن ہو اس طرح کم کرنے کی کوشش کرے کہ جب وہ ذکر و اذکار میں مشغول ہو تو اسے کوئی چیز دنیا کی طرف نہ کھینچ سکے تاکہ اسے ذکر و اذکار میں پورا اطمینان حاصل ہو اور اس دوران میں اِدھر اُدھر کے خیالات اس کے دل کی طرف راہ نہ پاسکیں نیز اس ضمن میں اسے اپنے اوپر اتنا قابو حاصل ہونا چاہیے کہ جب وہ اس بات کا دعویٰ کرے کہ اسے محبت ہے تو وہ صرف خدا سے ہے اور اس کا مقصود و مطلوب ہے تو صرف وہی ذات ہے ۔ الغرض جب وہ یہ دعویٰ کرے تو اس وقت اس کا دل اس دعویٰ کی تکذیب نہ کرے ۔ اس معاملے میں اس کا دل اس کی زبان کی پوری تائید کر رہا ہو اور اگر یہ نہیں ہے تو خواہ وہ کتنے ہی ورد اور وظائف کرے گا اسے کبھی حلاوت ذکر نصیب نہیں ہوگی ۔

سوم : سلسلہ نقشبندیہ کے بعض صوفیاء یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے طریقے میں سرے سے اوراد و وظائف ہی نہیں ہیں ۔ شاہ صاحب اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

"ان لوگوں کا یہ کہنا اس صورت اور ان معنوں میں ٹھیک نہیں اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ صبح و شام اور سوتے وقت کے اذکار و وظائف صحیح احادیث میں مروی ہوں اور روایات بھی بہت مشہور ہیں اور اس کے باوجود حضرت خواجہ نقشبند ان اوراد و وظائف کا کلیۃً انکار کردیں ۔ بات دراصل یہ نہیں ہے واقعہ صرف اتنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند اور ان کے پیروؤں نے اوراد و وظائف کے معاملے میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے اس مسئلے کو کتب حدیث کے حوالے کردیا ۔ وہ خود اوراد و وظائف کی ترتیب اور تعیین میں نہیں پڑے اور چوں کہ بعد کے

صوفیاء نے جو اذکار مقرر کرلئے تھے ، صحیح اور مشہور حدیثوں میں ان اذکار کی کوئی اصل موجود نہ تھی اس لئے خواجہ نقشبند اور ان کے متبعین نے ان اذکار کا حکم نہیں فرمایا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے سنّت کے مطابق جو اوراد و اذکار تھے صرف ان کی پیروی کو اہم سمجھا ۔" (۲)

حواشی

۱ ۔ ولی اللہ شاہ ، دہلوی "ہمعات" حیدرآباد ، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، ۱۹۶۴ ، ص - ۲۴

۲ ۔ ایضاً ، ص - ۲۵

مراقبہ اور اس کے احکام

جب سالک کو وجد و شوق کی کیفیت حاصل ہوجائے تو اسے چاہیے کہ لوگوں سے بات چیت کم کرے اور دنیا کے کاروبار سے کنارہ کشی کرلے نیز جسمانی لذتوں اور اس طرح کی دوسری باتوں کو ترک کردے ۔ اس طرح وجد و شوق کی کیفیت کو اپنے اندر راسخ اور مستحکم کرے تاکہ اس کی یہ کیفیت اس کے لئے کوئی ڈھکی چھپی چیز نہ رہے ۔ یہ بالکل واضح اور نمایاں ہوجائے ۔ جب سالک راہ طریقت میں اس مقام پر پہنچ جائے تو پھر اس کو مراقبہ کرنا چاہیے ۔

مراقبے سے بحیثیت مجموعی مراد یہ ہے کہ سالک اپنی قوت ادراک کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کے تصور میں لگا دے یا وہ نزع کی اس حالت کا دھیان کرے جب روح بدن کو چھوڑتی ہے یا اس طرح کی کسی اور کیفیت پر سالک اپنی توجہات کو یوں مبذول کردے کہ اس کی عقل اس کے وہم و خیال کی قوت اور اس کے تمام کے تمام حواس توجہ کے تابع ہوجائیں اور سالک پر ایسی کیفیت طاری ہوجائے کہ حو چیزیں مشہودات میں سے نہیں ہیں وہ بھی سالک کو نظر آئیں ۔

مراقبے کے معاملے میں سب سے زیادہ خوش نصیب وہ ہے جسے قدرت کی طرف سے غیر مشہود چیزوں پر توجہ کرنے کی طبعاً زیادہ استعداد ودیعت ہوئی ہو ۔ چناں چہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگوں پر قوت خیال غالب ہوتی ہے اور وہ خیال کو اپنے سامنے اس طرح مشہود دیکھتے ہیں کہ اس کی طرف وہ ہاتھ سے اشارہ کرتے ہیں بلکہ بعض تو زبان سے اس سلسلے میں ایسی باتیں کہہ

جاتے ہیں کہ لوگ انہیں پاگل کہنے لگتے ہیں ۔

مراقبے میں سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ آدمی کو ماسوا اللہ کلیۃً فراغت حاصل ہوچکی ہو ۔ اس کے بعد سالک کو چاہیے کہ وہ اس خیال کو اپنا نصب العین بنائے اور اس طرف اپنی پوری توجہ مبذول کردے کہ حق سبحانہ اس کو اور اس کے علاوہ تمام کی تمام چیزوں کو نیچے اوپر ، دائیں بائیں اور اندر باہر ، غرض ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور گو حق سبحانہ ہر جہت سے پاک اور منزہ ہے لیکن اس کے باوجود سالک کو چاہیے کہ وہ اس ذات اقدس کو مراقبے میں اپنے سامنے یوں دیکھے جیسے کہ فضا میں ہوا جاری و ساری نظر آتی ہے یا جس طرح گارے میں پانی رواں دواں ہوتا ہے ۔ غرضیکہ ذات باری کی ہمہ گیری کو وہ چشم بصیرت کے سامنے اس طرح متشکل کرے کہ اس کو ہر طرف حق سبحانہ ہی کا نور جلوہ گر نظر آئے اور وہ پوری دلجمعی سے اس بات پر یقین کرے کہ کون و مکان میں نور الٰہی کی یہ جلوہ گری میرے فکر و مجاہدہ کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ نور از خود بغیر میری کسی سعی و کوشش کے جلوہ فگن ہے ۔

مراقبے میں حق سبحانہ کے نور کو اس طرح جلوہ گر دیکھنا ہی مراقبے کا اصل مقصود ہے ۔ اب یہ سالک کی اپنی ذاتی استعداد پر منحصر ہے کہ وہ اس کیفیت کو چھ ماہ میں حاصل کرے یا تین ماہ میں یا اس کے حصول میں اسے صرف ایک ہفتہ لگے ۔ مرشد کو چاہیے کہ جب سالک حق سبحانہ کے نور کو اس طرح صاف طور پر دیکھنے لگے تو وہ اس کی نسبت بے رنگی کی طرف رہنمائی کرے ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مرشد سالک کو اس امر کی تلقین کرے کہ وہ حق سبحانہ کے نور کو اس مشہود تصور میں سے اشیاء کے وجود کو جنہیں یہ نور گھیرے ہوئے ہے ، خارج کرکے اور جہات کے خیال کو ذہن سے کلیّۃً نکال

کر حق سبحانہ کے نور کو اشیاء اور جہات سے بالکل پاک و منزہ دیکھے ۔ اس طرح اگر وہ تھوڑی سی کوشش کرے گا تو اس کو نسبت بے رنگی حاصل ہوجائے گی ۔ الغرض نور مشہود کا تصور مراقبے کا پہلا قدم ہے اور نسبت بے رنگی کا مقام اس کا دوسرا قدم ۔

مشائخ تصوف کے ہاں بہت سے مراقبے مروج ہیں بعض مراقبے دل کو اِدھر اُدھر کے خیالات سے فارغ کرکے پورے اطمینان کے ساتھ ذات واحد کی طرف متوجہ کرنے کے لئے استنباط کئے گئے ہیں ۔ اس قسم کے مراقبوں کے لئے ناک پر نظر جمائے رکھنے کی مشق کی جاتی ہے ۔ بعض مراقبے نفس کی خواہشات کو دبانے اور اسے اس قابل بنانے کے لئے کئے جاتے ہیں کہ وہ ذات مجرد کی طرف پوری طرح متوجہ ہوسکے ۔ اس قسم کے مراقبوں کے لئے آفتاب کو مسلسل دیکھنے یا خلا کی طرف نظر جمانے کی مشق کی جاتی ہے ۔ بعض مراقبوں سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ نفس درجہ بدرجہ اپنے اندر استعداد پیدا کرلے تاکہ وہ تصورات کو اپنے ذہن میں متشکل دیکھ سکے ۔ اسی غرض کے لئے اللہ کا نام کاغذ پر لکھ کر اس کو برابر دیکھنے کی مشق کی جاتی ہے ۔ اسی طرح بعض اور مراقبے ہیں جن میں ذات حق کی طرف توجہ کرنے کے لئے طریقے معین کئے گئے ہیں ۔

مشائخ نے اس توجہ کی دو قسمیں کی ہیں ۔ ایک توجہ اسم کی طرف اور دوسرے مسمیٰ کی طرف ۔ اسم کی طرف توجہ کی مثال نبض کی حرکت کی سی ہے کہ اس کی رفتار مسلسل نہیں ہوتی بلکہ آہرن پر ہتھوڑے کی چوٹوں کی طرح اس کی حرکت الگ الگ ہوتی ہے اور توجہ بہ مسمیٰ کو یوں سمجھئے کہ سالک کا خیال دور دراز پہنائیوں کی خبر لائے گویا کہ وہ ایک دھاگہ ہے کہ اسے جتنا بھی کھینچئے برابر کھنچتا چلا جاتا ہے یا اس کی مثال ایک ایسی آواز کی ہے جو برابر آرہی ہے اور کان قوت سماعت سے کام لئے بغیر اس آواز کا

تصور کررہا ہے ۔

مراقبے سے سالک کے اندر جب یہ کیفیت پیدا ہوجائے تو اس وقت اسے وہ مقام حاصل ہو جاتا ہے جس کو "لطائف کی زبان کھل جانے" کا مقام کہتے ہیں ۔ یعنی دل و دماغ اور انسان کی دوسری استعدادوں کو گویا قوت گویائی مل جاتی ہے اس ضمن میں بعض مشائخ مراقبوں میں سالک کو کسی ایک نسبت کو ملحوظ نظر رکھنے کی تلقین کرتے ہیں مثلاً وہ اسے "انت فوقی انت تحتی" کا ذکر کرنے کو کہتے ہیں ۔ اس سے سالک کے لئے نسبت توحید کی راہ نزدیک ہوجاتی ہے ۔ الغرض یہ میدان بڑا وسیع ہے اور ہر ایک اپنے اپنے ذوق اور ادراک کے مطابق مختلف قسم کے مراقبے تجویز کرتا ہے ۔

شاہ صاحب کا طریقہ

مراقبے کے بارے میں شاہ صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ ذکر و اذکار اور مراقبہ و مجاہدہ کے معاملے میں حق سبحانہ کو مطلوب یہ ہے کہ اذکار میں سے وہ ذکر کیا جائے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے ۔ اور مراقبہ ایسا ہو کہ سالک کی توجہ فوراً ذات باری کی طرف مبذول ہو جائے ۔ مراقبے کے سلسلے میں یہ نہیں ہونا چاہیے کہ سالک اسکی تمہیدی مشقوں ہی میں پھنس کر رہ جائے کیوں کہ اگر وہ اس حالت میں مرجائے گا تو اسے آخرت میں حسرت اور رنج ہوگا مثلاً اگر سالک مراقبے کی تمہیدی مشقیں کررہا ہو یعنی وہ مسلسل آواز سننے میں مصروف ہو یا خلا کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کی مشق میں لگا ہوا ہو یا وہ آفتاب کی طرف دیکھنے یا ناک پر نظر جمانے کی مشق کر رہا ہو اور اس کو موت آجائے تو اندازہ لگائیے کہ آخرت میں اسے اپنی محرومی کا کتنا صدمہ ہوگا ۔

توحید افعالی ، توحید ذاتی ، توحید صفاتی

سلوک کی ان منازل کو طے کرلینے کے بعد جب سالک اپنے اندر ایک حد تک بے نشانی یا بے رنگی کی حقیقت پالے تو اس کے سامنے دو راہیں کھلتی ہیں ایک راہ جذب (۱) کی اور دوسری سلوک (۲) کی ۔ اس مقام پر مرشد کو اختیار ہے کہ اگر مناسب سمجھے تو سالک کو جذب کی راہ پر چلائے اور اگر چاہے تو سلوک کی راہ پر ڈال دے ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔

"اس میں شک نہیں کہ تمام اکابر مشائخ کے نزدیک صاحب جذب کو صاحب سلوک پر ترجیح حاصل ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ طریقت کے ہر راہ نورد کو بلا استثنا سلوک کے بجائے جذب کی راہ پر چلانا چاہیے ۔ بعض سالک ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی طبیعت کو راہ سلوک سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے ۔ چناں چہ ان کے لئے سلوک ہی کی راہ قابل ترجیح ہوگی لیکن بعض سالک ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی طبعی استعداد جذب کا تقاضا کرتی ہے چناں چہ ان کے لئے جذب کا طریقہ اچھا رہتا ہے ۔ " (۳)

جذب کے حصول کا طریقہ

سالک جب اجمالی طور پر عالم غیب سے آشنا ہوجائے تو مرشد کو چاہیے کہ اس سے زبانی یا قلبی ذکر بکثرت کرائے ۔ اس دوران میں سالک اپنی چشم بصیرت کو عالم غیب کی طرف برابر لگائے رکھے اور اپنے دل کو بھی پوری طرح ادھر متوجہ کردے ۔ اس میں شک نہیں کہ اگر سالک چند روز عالم غیب کی طرف اس طرح توجہ کرے گا تو یقیناً اس پر توحیدافعالی کی حقیقت منکشف ہوجائے گی اور وہ محض فکر یا خیال سے توحید افعالی کی حقیقت کا ادراک

نہیں کرے گا بلکہ اس پر یہ حالت طاری ہوجائے گی کہ وہ کل عالم اور اس کی تمام حرکت اور نمو کو ایک ہستی واحد کی تدبیر کا اثر اور ایک ذات کے فعل کا نتیجہ سمجھے گا جیسے کہ پتلیوں کا تماشا ہوتا ہے کہ بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ پتلیاں از خود چلی پھر رہی ہیں لیکن اصل میں ان کے پیچھے پتلی والا بیٹھا ہوتا ہے جو تار سے نصب پتلیوں کو حرکت دیتا ہے ۔

اگر سالک پہلے ہی سے توحید افعالی کا معتقد ہے تو اس شغل سے اس پر فوراً ہی توحید افعالی کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں مثلاً اس میں توکل کی صفت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ اپنے سارے معاملات اللہ کے حوالے کردیتا ہے نیز وہ موت ، زندگی ، شفا اور مرض کو ان کے اسباب و عوارض میں منحصر نہیں سمجھتا بلکہ "کلّ من عند اللہ" کا قائل ہوجاتا ہے لیکن اس توکل کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اسباب و نتائج کے سلسلے ہی کو بالائے طاق رکھ دے ۔ اسباب و نتائج کا سلسلہ تو اللہ کی سنّت ہے اور اس پر کاربند ہونا شریعت کی طرف سے فرض ہے اگر سالک پہلے سے توحید افعالی کا معتقد نہ ہو تو جذب سے توحید افعالی کا عقیدہ وجدانی طور پراس کے اندر پیدا ہوجاتا ہے ۔

توحید افعالی کے ضمن میں عالم کے جملہ افعال و اعمال کو تدبیر خداوندی کی طرف منسوب کرنے کے سلسلے میں سالک عمومی افعال اور کلّی حوادث مثلاً فقر ، غنا ، شفا ، مرض ، موت ، زندگی ، عزت ، ذلت وغیرہ کو اللہ کی طرف منسوب کرے تو یہ مناسب اور عمدہ طریقہ ہے ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔

"درختوں کے پتوں کے ایک ایک ریشے میں اور اسی طرح اور چھوٹی چھوٹی چیزوں میں تدبیر خداوندی کے تصرف اور تغیر کے علم کو اس ضمن میں دیکھنا ہمارے نزدیک توحید افعالی کے

اصلی مقصد میں داخل نہیں اگرچہ سالکان طریقت کو اکثر ان
امور سے بھی سابقہ پڑتا ہے ۔ " (۴)

مشائخ اس منزل میں سالک کو کبھی ذکر کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور اسے اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ وہ ذکر میں "لا فاعل فی الوجود الا اللّٰہ" کو ملحوظ نظر رکھے ۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سالک کو توحیدافعالی کی کیفیت جلد سے جلد حاصل ہوجائے لیکن یہ بات یاد رہے کہ ذکر اذکار میں محض اس خیال کو ملحوظ نظر رکھنے سے کہ وجود کائنات میں اللّٰہ کے سوا اور کوئی ذات مؤثر و فاعل نہیں سالک کو توحید افعالی کی نسبت حاصل نہیں ہوتی ۔

بہرحال جس شخص کو توحید افعالی کی نسبت حاصل ہوجائے وہ ناسوت یعنی عالم مادیات کو اپنے سامنے یوں پاتا ہے جیسے کہ وہ عالم غیب کا سایہ اور ظلّ ہے ۔ شاہ صاحب ایک عقل مند آدمی کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر وہ سائے کو حرکت کرتا ہوا دیکھتا ہے تو وہ بلا کسی شک و شبہے کے واضح طور پر اس بات پر یقین کرلیتا ہے کہ کوئی جسم موجود ہے جس کا وہ سایہ دیکھ رہا ہے ۔ بعینہ یہی کیفیت اس شخص کی ہوتی ہے جسے توحید افعالی کی نسبت حاصل ہو ۔ یہ شخص جب اس دنیا میں جس کو کہ وہ عالم غیب کا سایہ اور ظلّ سمجھتا ہے ،اعمال و افعال ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو یقیناً اسے وہ تدبیر غیبی نظر آجاتی ہے جو ان سب اعمال و افعال کے پیچھے کام کررہی ہے ۔

توحید افعالی اس راہ سلوک کا پہلا مقام ہے ۔ اس کے بعد توحید صفاتی کا مرتبہ آتا ہے ۔ توحید صفاتی سے مراد یہ ہے کہ سالک مختلف صورتوں اور مظاہر میں صرف ایک اصل کو جلوہ گر دیکھے اور بغیر کسی شک و شبے کے اس چیز کو واضح طور پر مان لے کہ سارے کے سارے اختلافات ایک ہی اصل میں

ثابت اور موجود ہیں پھر وہ اس اصل کو نوع بہ نوع صورتوں میں جلوہ گر بھی دیکھے اور ہر جگہ اس اصل کو پہچانے ـ سالک کو چاہیے کہ وہ اس اصل کو ہر چیز میں بے رنگ دیکھے اور کسی مظہر کے مخصوص رنگ کو اس میں مؤثر نہ مانے لیکن اس کے ساتھ ہی سالک کو اس حقیقت سے بھی بے خبر نہ رہنا چاہیے کہ اصل کی اس بے رنگی اور بعد میں اس نے مختلف مظاہر میں جو الگ الگ صورتیں اور گونا گوں رنگ اختیار کئے ہیں ان دونوں حالتوں میں کوئی تضاد نہیں ـ نیز اصل کی یہ بے رنگی اس امر میں مانع نہیں کہ یہی اصل بعد میں مختلف صورتوں اور مختلف رنگوں میں ظہور پذیر ہو لیکن سالک کو ایک ہی اصل کی یہ بے رنگی اور ہمہ رنگی محض غور و فکر کے ذریعے نہیں بلکہ وجدانی طور پر اور بداہتہً مشاہدہ کرنی چاہیے ـ ایک ہی اصل کے وجود کو ہر مظہر میں دیکھنا دو طرح سے ہوتا ہے ـ

۱ ـ غور و فکر کے ذریعے

۲ ـ وجدانی طور پر اور بداہتہً

اصل کے مشاہدے کے یہ دونوں مقام باہم ملے جلے ہیں ـ جہاں ایک ختم ہوتا ہے وہیں سے دوسرے مقام کی ابتدا ہوتی ہے ـ اس راہ میں بعض سالک ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ ساری عمر مشاہدہ فکری کے مقام میں رہتے ہیں اور اس سے آگے کبھی ان کو ترقی نصیب نہیں ہوتی لیکن جو سالک قوی المحبت اور زکی الذہن ہو وہ ان حالات کے بعد پوری طرح اس ایک اصل کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے جس سے کہ ہر چیز ظہور پذیر ہوئی ہے وہ مختلف صور اور اشکال کی طرف مطلق التفات نہیں کرتا اور وجود کی کثرت اور مظاہر کی بوقلمونی سے اپنی نظر اس طرح پھیر لیتا ہے گویا وہ انہیں بالکل بھول ہی گیا ـ

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے یہ مقدر

ہوچکا ہے کہ وہ اپنے انا میں جو ان کی ہویّت سے عبارت ہے توحید صفاتی کا جلوہ دیکھیں یعنی ان کے لئے ان کا یہ انا آئینہ بنتا ہے اس اصل کا جس نے کہ مختلف مظاہر کائنات میں ظہور فرمایا ہے چناں چہ ہوتا یہ ہے کہ جب سالک اپنے انا پر نظر کرتا ہے تو اس کی نظر اپنے انا تک رک نہیں جاتی ہے بلکہ وہ اسی انا کے واسطے سے اصل وجود تک جو سب اناؤں کا مبدائے اول ہے ، پہنچ جاتی ہے - جب سالک اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کی نظر میں صرف اصل وجود ہی رہ جاتا ہے اور یہ تمام کے تمام مظاہر و اشکال بیچ سے غائب ہوجاتے ہیں - یہ توحید ذاتی کا مقام ہے لیکن جہاں کہیں ذوق ازلی کے ضمن میں توحید ذاتی کا نام آتا ہے تو اس سے مراد ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے جو اچک لینے والی بجلی کی طرح چمکتی ہے پھر چشم زدن میں غائب ہوجاتی ہے - بہر حال یہاں جس توحید ذاتی کا ذکر ہورہا ہے وہ سلوک کے مقامات میں سے ایک مقام ہے جہاں آکر سالک قرار پذیر ہوتا ہے -

عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ سالک پہلے توحید افعالی کی نسبت حاصل کرتا ہے پھر توحید صفاتی کے مقام پر پہنچتا ہے جہاں سے وہ توحید ذاتی کا مرتبہ حاصل کرتا ہے لیکن بعض سالک توحید افعالی سے براہ راست ایک ہی جست میں توحید ذاتی تک پہنچ جاتے ہیں اور انہیں اس راہ میں توحید صفاتی سے نہیں گذرنا پڑتا لیکن یہ چیز بہت کم سالکوں کے حصے میں آتی ہے -

جب سالک توحید ذاتی کی نسبت حاصل کرلیتا ہے تو پھر وہ بلا تاخیر بے نشانی یاد داشت اور ذکر خفیہ کی نسبت کو پہنچ جاتا ہے - اس نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ سالک حقیقت الحقائق یعنی ذات باری کی طرف کلّیہ ملتفت ہوجاتا ہے -

جب سالک اس مقام پر پہنچ جائے تو اسے چاہیے کہ وہ کچھ مدت اس

مقام میں ٹھہرے - اپنے آپ کو ہر خیال اور ہر جہت سے مجرد کرکے پوری ہمت سے زیادہ سے زیادہ ریاضت اور وظیفہ کرے اور نسبت بے نشانی کی اصل حقیقت کی طرف اس طرح متوجہ ہو کہ اس پر یہ بات منکشف ہوجائے کہ یہی ایک حقیقت ہے جس سے ایک خاص تعین نے صادر ہوکر سالک کی ہویّت یعنی اس کے انا پر نزول کیا نیز اس کے انا پر حقیقت ازلی کے اس تعین خاص کے نزول ہی کا نتیجہ ہے کہ اسے بقا حاصل ہوئی ہے - یہ مقام راہ جذب کی آخری منزل ہے - اس ضمن میں چند نکات کا جاننا ضروری ہے -

اول : جب سالک پر اس قسم کی وحدت منکشف ہوجائے تو اسے یقین کرلینا چاہیے کہ اس کے جذب کی راہ طے ہوچکی ہے خواہ وہ اس مرحلے پر توحید وجودی کا معتقد ہو یا نہ ہو -

دوم : یہ راہ سب کے نزدیک مسلّم ہے اور اولیائے کاملین سے ہر ایک کو اس راہ سے گذرنا پڑتا ہے گو ان مقامات کی تعبیر میں ان میں آپس میں اختلاف ہے -

سوم : شریعت میں سلوک کی راہ کی وضاحت تو کی گئی ہے لیکن راہ جذب کو بیان نہیں کیا گیا جیسے شریعت میں اسم اعظم اور لیلۃ القدر کی وضاحت کی صراحت نہیں کی گئی لیکن اس کے باوجود جو لوگ شارع علیہ الصلٰوۃ و السلام کے اقوال کو راہ جذب پر محمول کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی علم النحو کی مشہور کتاب "کافیہ ابن حاجب" سے تصوف کے قوانین اخذ کرے -

ب کے حصول کا طریقہ :

سالک اچھے ملکات میں سے کوئی ملکہ اپنے اندر اس طرح پیدا کرے کہ وہ ملکہ اس کی روح کو پوری طرح گھیر لے اور سالک اس کے رنگ میں اس طرح رنگا جائے کہ اس کا جینا ہو تو اسی حال میں اور مرے تو اسی حال میں -

حواشی

۱ ۔ جذب سے یہاں مراد وہ کیفیت نہیں جس میں کہ سالک کا دل عالم غیب کی طرف یکسر متوجہ ہوجاتا ہے ۔ اس کے دماغ سے اِدھر اُدھر کے خیالات بالکل نکل جاتے ہیں ۔ اس کی عقل اپنا کام کرنا چھوڑ دیتی ہے اور وہ شریعت کے احکام اور معاشرت کے آداب سے بالاتر ہوجاتا ہے ۔ یہاں جذب سے مراد وہ حالت ہے جس میں کہ وجود کے تعینات کے پردے ، جن کا سلسلہ اس کائنات سے لے کر ذات باری تک جو حقیقت الحقائق ہے ، پھیلا ہوا ہے ، سالک کی نظروں سے ہٹ جاتے ہیں ۔ چناں چہ اسی جذب ہی کے طفیل انسانی "انا" میں یہ استعداد پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ اس مقام اصلی کی طرف لوٹ جاتا ہے جو اس انا کا مبدائے اول ہے اور جہاں سے کہ اس انا کا صدور ہوا ہے ۔ غرضیکہ جذب سے سالک کی نظروں میں اجزائے وجود تحلیل ہوجاتے ہیں اور اس کے سامنے سے تعینات وجود کے پردے اٹھ جاتے ہیں ۔

۲ ۔ سلوک سے مراد خضوع ، طہارت اور عشق وغیرہ کی نفسی کیفیات ہیں ۔ سالک کا اپنے آپ کو رنگنا یا ان کیفیات کو اپنے اندر پیدا کرنا ہے ۔

۳ ۔ ولی اللہ شاہ ، دہلوی "ہمعات" حیدرآباد ، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، ۱۹۶۴ ، ص ۔ ۳۸

۴ ۔ ایضاً ، ص ۔ ۳۹

نسبتیں

راہ سلوک میں جو کیفیت اور حالت سالک کے نفس میں اس طرح جاگزیں ہوجاتی ہے گویا کہ وہ اس کی ذات کے لئے لازمی خصوصیت بن گئی ، اسے نسبت کہتے ہیں ۔ اس لحاظ سے اولیاء کے بہت سے مسلک ہیں ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔

> "میں نے باطنی طور پر عالم ارواح کی طرف توجہ کی اور تصوف کے ہر طریقے کی جدا جدا نسبت کا ادراک کیا ۔ یہ نسبتیں کیسے حاصل ہوں ، میں نے یہ چیز بذریعہ الہام معلوم کی ۔" (۱)

نسبتوں کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک قسم راہ جذب سے زیادہ مشابہ ہے گویا وہ ظلّ ہے جذب کا اور دوسری قسم وظیفہ و اوراد کی راہ سے زیادہ قریب ہے گویا کہ وہ اس کا حاصل اور خلاصہ ہے ۔ بعض سلف نے نسبت کی اس قسم کو نسبت علمیہ کا بھی نام دیا ہے ۔

ان نسبتوں کے ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ یہ نسبتیں اکثر ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہوتی ہیں مثلاً ایک شخص نے نسبت عشق حاصل کی اور جب وہ شخص اس نسبت کی فی الجملہ تکمیل کرلیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کے اندر طہارت کی نسبت بھی خود بخود بیدار ہوجاتی ہے چناں چہ جب وہ اپنے اندر نسبت طہارت کے آثار پاتا ہے تو چوں کہ اس کے حصول میں اس نے کوئی کوشش نہیں کی تھی اس لئے وہ اس کو محض عنایت الٰہی کی دین سمجھتا ہے ۔ اسی طرح نسبت طہارت رکھنے والا جب ملائکہ سے پوری

مناسبت پیدا کر لیتا ہے اور اپنے نفس کو پاکیزہ بنا لیتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کے دل پر اس کیفیت کے ساتھ ساتھ عشق و محبت کا رنگ بھی چڑھ جاتا ہے ۔ چناں چہ اس سے نسبت عشق کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں ۔ اس حالت میں وہ نسبت طہارت کے علاوہ اپنے اندر نسبت عشق کو اس طرح موجود پاکر سمجھتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی مزید عنایت ہے کہ اسے خود بخود نسبت عشق حاصل ہوگئی ۔

جن نسبتوں کو سالک اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کرتا ہے انہیں تو وہ اکتسابی نسبتیں سمجھتا ہے اور جن نسبتوں کے آثار ضمنی طور پر دوسری نسبتوں کے ساتھ ظاہر ہوجاتے ہیں انہیں وہ عطیہ الٰہی قرار دیتا ہے ۔

نسبت انوار طہارت

دوسری قسم میں سے ایک انوار طہارت کی نسبت ہے ۔ اس نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص غسل کرتا ہے ، اپنے بدن سے ناپاکی دور کرتا ہے اور وضو کرکے صاف کپڑے پہنتا ہے اور خوشبو لگاتا ہے تو اسے اپنے اندر ایک خاص قسم کا سرور اور انس محسوس ہوتا ہے ۔ یہ سرور و انس کا احساس اس شخص کے طبعی قویٰ کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ یہ اثر اور پرتو ہوتا ہے نفس کی ملکی قوت کا ۔ جب یہ شخص بار بار اس کیفیت سے بہرہ مند ہوتا ہے تو اس شخص کا نفس اس کیفیت کو بطور ایک ملکہ کے اپنا لیتا ہے اور یہ کیفیت اس کے لئے ایک مستقل خصوصیت بن جاتی ہے ۔ اس کے برعکس ناپاکی کی حالت میں اس شخص کو انقباض اور وحشت ہوتی ہے ۔

جب سالک اپنے اندر طہارت کا یہ ملکہ پیدا کرے تو اس کے سامنے حقیقت ملائکہ اور ان کے انس و سرور کی طرف ایک وسیع راہ کھلتی ہے اور وہ برف کی سی ٹھنڈک اور راحت کا ایک دریائے بے کراں مشاہدہ کرتا ہے ۔ چناں چہ اس

شخص پر ملائکہ کی طرح الہام ہوتا ہے اور اس کے لئے ملائکہ کو بذریعہ الہام ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ تدبیر الٰہی کے مطابق اس کی بہبود میں کوشاں ہوں ۔ مرنے کے بعد جب یہ شخص دار آخرت میں پہنچتا ہے تو وہاں اس کا شمار ملائکہ میں ہوتا ہے اور وہ انہی میں سے ایک ہوجاتا ہے ۔

نسبت طہارت کے دل پر جاگزیں ہونے کی علامت

اس کی علامت یہ ہے کہ سالک پر مَلَکی واقعات بڑی کثرت سے ظاہر ہوتے ہیں مثلاً وہ اپنے سامنے انوار کو روشن پاتا ہے اور اپنے دل اور منہ میں سورج اور چاند کو داخل ہوتے دیکھتا ہے ۔ نیز وہ خود اپنے آپ کو بلّور اور شفاف جواہر کی طرح پاتا ہے ۔ اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ لذیذ کھانے کھا رہا ہے ۔ دودھ ، گھی اور اس قسم کی اور لطیف چیزیں اسے میسّر ہیں اور وہ ریشمی کپڑوں میں ملبوس باغات میں زندگی گذار رہا ہے لیکن اس حالت میں ضروری ہے کہ اسے اپنے دل میں اطمینان ، خوشی اور تازگی بھی محسوس ہو اور اس معاملے میں اس کی مثال ایسی ہو جیسے بیداری میں بھوکے کو کھانا مل جائے تو اسے بڑا آرام ملتا ہے ۔

نسبت طہارت کے حصول کا طریقہ

سالک خلوت میں جائے ، پھر غسل کرے ، نئے کپڑے پہنے اور دو رکعت نماز پڑھے ۔ یا نور کا ذکر کثرت سے کرے ۔ اسی طرح وہ بار بار غسل اور وضو کرے اور بار بار نماز پڑھے اور ذکر کرے اور پوری طرح توجہ اور ہمت سے یہ سوچے کہ اس کی حالت پہلے جیسی ہے یا اس میں کوئی فرق آگیا ہے ۔ اگر وہ دو تین گھڑی تک یہی عمل کرے گا تو اسے نسبت طہارت حاصل ہوجائے گی ۔

وضو اور غسل کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو طہارت کے

حکم میں داخل ہیں جیسے صدقہ دینا ، فرشتوں اور بزرگوں کو نیکی سے یاد کرنا ، وہ کام سرانجام دینا جن میں عام لوگوں کا فائدہ ہو اور وہ لوگ اس وجہ سے اس کو دعائے خیر دیں ۔ اپنی وظع قطع کو مستحسن بنانا ، مقدس مقامات پر اعتکاف کرنا ۔ پاک اور سفید لباس پہننا ، خوشبو استعمال کرنا ، طہارت کی حالت میں سونا ، سوتے وقت ذکر کرنا ۔ ایسی چیزوں کا کھانا جو صالح غذائیت پیدا کریں تاکہ پریشانی اور اضطراب پیدا نہ ہو ۔ فواحش اور منکرات سے پرہیز ۔ یہ سب کی سب چیزیں طہارت کی کیفیت پیدا کرتی ہیں یا ان سے اس نسبت کو تقویت ملتی ہے ۔

نسبت سکینہ

ایک نسبت سکینہ ہے جس کو شاہ صاحب نور طاعت کا نام بھی دیتے ہیں ۔ اس نسبت کے تین شعبے ہیں ۔

۱ ۔ حلاوت مناجات

۲ ۔ شمول رحمت

۳ ۔ انوار اسمائے الٰہی

پہلا شعبہ حلاوت مناجات کا ہے ۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کو نماز ، ذکر و اذکار اور دعا و استغفار کے ضمن میں یاد کرتا ہے تو نماز و ذکر و اذکار کے اعمال و الفاظ میں غیب کا جو رخ پوشیدہ ہے ، سالک کی توجہ اس طرف مبذول ہوجاتی ہے ۔ اس کا نفس ناطقہ اجمالی اور ضمنی طور پر غیب سے آشنا ہوجاتا ہے اور اسے اس میں لذت ملنے لگتی ہے اس طرح توجہ غیب کا یہ ملکہ اس کے جوہر روح میں داخل ہوجاتا ہے ۔ اس ضمن میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بظاہر ساکت و خاموش ہے لیکن اس کا دل اس کیفیت سے پر ہے ۔ غیب کی طرف سالک کی یہ توجہ ایک اجمالی حیثیت رکھتی ہے ۔ اس

لئے اسے حلاوت مناجات ، آرام دل ، رغبت بہ ذکر اور اس طرح کے دوسرے ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

توجہ غیب کی اس اجمالی کیفیت کے حصول کے بعد سالک طبعاً کثرت سے ذکر و دعا کرتا ہے اور بہت زیادہ توبہ و استغفار میں مشغول رہتا ہے ۔ ان امور کو دلی رغبت سے بجا لاکر در حقیقت وہ اپنے فطری تقاضے پورا کرتا ہے ۔ اگر ایک گھڑی وہ ان مشاغل کو نہ کرے تو اس کا دل بے قرار ہوجاتا ہے اور اس کی حالت اس عاشق کی سی ہوجاتی ہے جو اپنے محبوب سے جدا ہوگیا ہو لیکن اس کے بعد اگر وہ پھر سے ان اشغال کو کرنے لگے تو اس کو وہی کیفیت حاصل ہوجاتی ہے اور پھر وہ اس سے لذت اندوز ہونے لگتا ہے ۔

توجہ غیب کی کیفیت کے حصول کا طریقہ

آنحضرت ﷺ نے اس کیفیت کے حصول کے لئے صبح و شام کا ذکر ، افتتاحی دعائیں ، رکوع و سجود ، دنیا اور آخرت کی بہبود کے لئے اصرار و الحاح سے دعائیں کرنا اور جن و انس کے شر سے خدا کی پناہ چاہنا وغیرہ امور کو لازمی قرار دیا ہے ۔

شاہ صاحب نے اس کیفیت کے حصول کا سب سے اچھا طریقہ یہ بتایا ہے کہ سالک رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی ۔ ۔ ۔ الخ کی حقیقت کو ملحوظ خاطر رکھے یعنی اسے اس بات پر یقین ہو کہ بندہ جو کچھ اللہ تعالی کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے خدائے رب العزت بندے کی ان معروضات کو سنتا اور ان کا جواب دیتا ہے جیسا کہ حدیث مندرجہ بالا میں وارد ہوا ہے ۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کردیا ہے ۔ جب بندہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد

کی اور بندہ الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا کی اور جب بندہ مالک یوم الدین کہتا ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور جب بندہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ چیز خاص میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے اور جب بندہ اھدنا الصراط المستقیم ۔ ۔ ۔ الی آخرہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ چیز خاص میرے بندے کے لئے ہے اور میں نے اپنے بندے کا سوال پورا کردیا ہے ۔

جو شخص توجہ غیب کی اس کیفیت کو حاصل کرنا چاہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ طویل سجدے کرے ، دعا و استغفار میں اصرار و الحاح کرے اور کثرت سے ذکر و اذکار کرے ۔

دوسرا شعبہ

دوسرا شعبہ شمول رحمت کا ہے ۔ جب نفس ناطقہ میں جبلی طور سے نیز کوشش و ہمت کی بدولت یہ استعداد پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ ملائکہ کے الہام کو قبول کرسکے تو اس منزل میں اس کے نفس کی صلاحیتیں اپنے کمال کو پہنچتی ہیں اور اس کی بہیمی قوت کے شعلے بجھ جاتے ہیں ۔ اس وقت اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ قوت بہیمی یکسر معدوم ہوجاتی ہے یا اس میں کوئی کمی آجاتی ہے بلکہ بہیمی قوت کے شعلے بجھ جانے سے مراد یہ ہے کہ نفس پر مَلکی قوت کا غلبہ ہوتا ہے اور انسان کی بہیمی قوت مَلکی قوت کے رنگوں میں سے کسی رنگ میں رنگی جاتی ہے ۔ یہ مقام انسانی کمالات میں سے ایک کمال ہے اور جو شخص اس کمال کی طرف پوری طرف متوجہ ہوجائے اس کے سامنے راحت اور پاکیزگی سے بھرا ہوا ایک دریائے بے کراں ظہور پذیر ہوتا ہے وہ اس میں سے جتنا زیادہ پیتا ہے اسی قدر اس کی پیاس بڑھتی جاتی ہے ۔

نسبت شمول رحمت کی اس کیفیت کے اکتساب کے لئے اول تو سالک کے دل پر ذات حق کے عقیدے کا پورا پورا تسلط ہو اس کے بعد سالک اپنے اعضاء و جوارح کو ان اعمال کا عادی بنائے جن کی صورتیں مدت ہائے دراز سے ملاء اعلیٰ کے ذہنوں میں متمکن ہیں اور ان اعمال کی خوبی کا نقش وہاں پوری طرح جم چکا ہے ۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بارہا اس امر کا مشاہدہ ہوچکا ہے کہ ذکر کی مجالس میں اور خاص طور پر جب وہ مجالس مساجد میں قائم ہوں ، ذاکرین کی جماعت جب نماز و ذکر میں مشغول ہوتی ہے تو ایک گھڑی بھی نہیں گذرتی کہ ان پر ملائکہ کی طرف سے برکات نازل ہوتی ہیں اور یہ برکات نسیم معطر کی طرح ان کے نفوس کا احاطہ کرلیتی ہے ، خواہ ذاکرین کی یہ جماعت اس وقت حضوری و مناجات کی صفت سے متصف ہوچکی ہو یا نہ ہوئی ہو ۔ اس ضمن میں اس امر کا بھی بار بار مشاہدہ ہوچکا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کا ذکر پوری طرح شدّ اور ترتیل کے ساتھ کرتا ہے تو اس اسم مبارک کی صورت شعلہ نور کے مانند ان ملائکہ کے نفوس میں نقش ہوجاتی ہے جو ذکر پر مؤکل ہیں ۔ جب یہ شخص بکثرت ذکرکرتا ہے تو اسم مبارک کی یہ صورت ان فرشتوں سے اوپر جو اور فرشتے ہیں ان کے نفوس میں نقش ہوجاتی ہے اس طرح یہ صورت ترقی کرتے کرتے حظیرۃ القدس کے مقام میں پہنچ جاتی ہے وہاں سے یہ صورت تجلّی الٰہی میں جاگزیں ہوجاتی ہے ۔ جو شخص اکبر کے لئے بمنزلہ دل ہے اور یہ جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ فرشتہ جب اسے لے کر اوپر چڑھتا ہے تو رحمٰن کا چہرہ اس سے شرما جاتا ہے تو اس سے یہی معنیٰ مراد ہیں ۔ (۲)

نسبت شمول رحمت کے حصول کے ضمن میں ہوتا یہ ہے کہ جوں جوں انسان ان اعمال و اذکار کو کرتا ہے ، اس کا نفس بتدریج شمول رحمت کے رنگ

کو قبول کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ رنگ اس کے لئے مستقل ملکہ کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ حدیث اس مطلب کی وضاحت کرتی ہے کہ "وہ قرب مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے جو کسی بندے نے فرائض کو انجام دینے سے حاصل کیا ہو نیز میرا بندہ نوافل سے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے ، اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے ۔

شمول رحمت کی یہ صفت چوں کہ فرائض میں زیادہ تر پائی جاتی ہے اس لئے حق سبحانہ کی محبت ملاء اعلیٰ کی وساطت سے فرائض کی اسی جانب زیادہ ملتفت رہتی ہے اور جب کوئی شخص کثرت سے نوافل ادا کرتا ہے تو حق سبحانہ کی طرف سے ایک نور ملائکہ کے نور کے توسط سے اس شخص کی روح میں داخل ہوتا ہے اور اس طرح اس شخص کی روح کو گھیر لیتا ہے کہ اس کی روح کا تمام تر قیام و انحصار اس نور پر ہوجاتا ہے یہی نور اس شخص کی دعاؤں کے قبول ہونے کا سبب بنتا ہے اور اس کے مکروہات اور بری چیزوں سے بچنے کا ذریعہ ہوتا ہے ۔

تیسرا شعبہ

تیسرا شعبہ اسمائے الٰہیہ کے انوار میں نفس کا رنگا جانا ہے ۔ جاننا چاہیے کہ اسمائے الٰہیہ خواہ وہ اسمائے بسیط ہوں جیسے اللہ ، رحمٰن اور رحیم ہیں یا وہ اسمائے مرکبہ ہوں جیسے قرآن مجید کی وہ آیتیں اور دعائیں ہیں جو ذات واجب کی صفات پر دلالت کرتی ہیں مثلاً آیت الکرسی ، قل ھو اللہ احد یا سورہ حشر کی آخری آیتیں ۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے یہ بسیط اور مرکب اسماء عالم مثال میں اپنی مستقل صورتوں کے ساتھ موجود اور قائم ہیں ۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے جب ان کی مثالی صورتوں کو بنظر تعمق دیکھا تو مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ اسمائے الٰہیہ کی ان صورتوں کی روح ان اسماء کی اپنی ذاتی اور اضافی صفات ہیں ۔ ذاتی صفات جیسے اللہ ، رحمٰن اور رحیم اور اضافی صفات جیسے رزاق اور قہار وغیرہ ہیں ۔ اس کے ساتھ میں نے یہ بھی دیکھا کہ عالم مثال میں اسماء کی یہ صورتیں اور قالب سرتا پا نور ہی نور ہیں ۔ (۲)

مرد مومن جب ان اسمائے الٰہیہ کا سچی نیّت اور پوری توجہ سے ذکر کرتا ہے اور اس کا دل ان اسماء کو اپنے اندر محفوظ کرنے کی جدّ و جہد میں کلیۃً مصروف ہوجاتا ہے تو اس شخص کے باطن کی طرف اسمائے الٰہی کی ان مثالی صورتوں سے ایک دروازہ کھلتا ہے جس سے اس کے دل پر نور اور ٹھنڈک کا نزول ہوتا ہے اور وہ اس کیفیت میں بڑی لذت محسوس کرتا ہے ۔ اس شخص کو جب ان اسماء کے ذکر میں لذت ملتی ہے تو وہ اور زیادہ تن دہی اور ہمت سے اس ذکر میں لگ جاتا ہے ۔ چنانچہ جتنی زیادہ تن دہی سے وہ ان اسماء کا ذکر کرتا ہے اسی حساب سے اس پر انوار کا فیضان بڑھتا جاتا ہے ۔

حصول کا طریقہ

اس نسبت کو حاصل کرنے کا سب سے یقینی طریقہ یہ ہے کہ اسم اللہ کا ذکر کیا جائے اور ضروری ہے کہ ذکر کے وقت اس کا دل اِدھر اُدھر کے پریشان کن خیالات سے خالی ہو اور وہ حوائج ضروریہ سے فراغت پاچکا ہو ۔ اس کو چاہیے کہ ذکر کرتے وقت نئے سرے سے وضو اور طہارت کرے اور ایک ہزار بار اسم اللہ کا ذکر کرنے کے بعد درود پڑھے ۔ ذکر کرتے وقت وہ لفظ اللہ کی تشدید پر زور دے ۔ اس لفظ کو اس کے صحیح مخرج سے نکالے اور تھوڑی دیر کے بعد دوران ذکر وہ اس نور کا تصور کرتا جائے جو فضا میں پھیلا ہوا ہے ۔ چناں چہ

جب وہ اس طریق سے چند ہزار بار اسم اللّٰہ کا ذکر کرے گا تو یقیناً اس نور سے اس کا اتصال ہوجائے گا ـ اس کے بعد یہ حالت ہوگی کہ اگر یہ شخص تسبیح ، تحمید ، تہلیل ، تکبیر ، استغفار اور لاحول پڑھنے کی طرف ذرا سی توجہ کرے گا تو وہ نور ان صفات کے رنگ میں جن کی طرف تسبیح و تحمید کے یہ کلمات اشارہ کرتے ہیں متشکل ہوکر اسے نظر آنے لگے گا اور اس کے آثار بھی جہان انفس و آفاق میں ظاہر ہوں گے ـ

اس نسبت کو نماز میں حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سالک نماز کو تو مختصر کرے لیکن نماز کی رکعات زیادہ سے زیادہ ہوں ـ نماز کے دوران وہ بار بار تازہ وضو کرے اور فضا میں پھیلے ہوئے نور الٰہی کا برابر تصور کرتا جائے ـ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ جملہ ارکان کے ساتھ نماز میں زیادہ رکعتیں پڑھنا اس نور کو پیدا کرتا ہے نیز استفتاحی دعاؤں کے پڑھنے سے بھی حلاوت مناجات کی نسبت حاصل ہوتی ہے ـ چناں چہ شارع علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ان امور میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ کردیا ہے ـ شاہ صاحب فرماتے ہیں ـ

”یہاں اس امر کی بھی صراحت کردینا ضروری ہے کہ ہمارے زمانے کے بعض صوفیاء یہ سمجھتے ہیں کہ چوں کہ نماز میں کمال خشوع و خضوع نہیں ہوتا اس لئے نماز سے کوئی فائدہ نہیں ـ ان لوگوں کی باتیں محض از قسم ظن ہیں اور ان کا نماز کو بے فائدہ سمجھنا اس لئے ہے کہ یہ لوگ حلاوت ذکر کی نسبت سے واقف نہیں ـ“ (۳)

حلاوت مناجات ، شمول رحمت اور انوار اسمائے الٰہی یہ تینوں کے تینوں شعبے طاعات کے ذیل میں آجاتے ہیں اور ان سہ گانہ نسبتوں کا حصول ہی طاعات

کا مقصد ہے ۔ بعض طاعات ایسی ہوتی ہیں جن میں حلاوت مناجات زیادہ ہوتی ہے ۔ بعض ایسی ہیں جن میں شمول رحمت زیادہ اور بعض میں انوار اسماء کا غلبہ ہوتا ہے ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔

"اس فقیر کو اس امر سے بھی مطلع کیا گیا ہے کہ مجذوب و غیر مجذوب دونوں کے دونوں عالم برزخ ، عالم قیامت اور اس کے جو منازل ہیں ان سب میں یکساں ہوں گے جس طرح کہ آج اس زندگی میں شرعی اور عرفی احکام کے معاملے میں عارف اور مبتدی میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا اور ان میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاتی ۔ اسی طرح مجذوب و غیر مجذوب کے درمیان کوئی تفاوت نہیں ہوگا ۔ باقی رہا مجذوب کی مجذوبیت کا مسئلہ ، سو وہ اس کا اپنا ایک ذاتی کمال ہے ۔ جس کا معاملہ اس کے اور اللہ کے درمیان ہے ۔ مجذوب نے یہ مجذوبیت کسی غرض کے لئے حاصل نہیں کی تھی اس کا مقصود تو مجذوبیت کو محض مجذوبیت کی خاطر حاصل کرنا تھا نہ کہ اسے کسی دوسری چیز کے حصول کا ذریعہ بنانا ۔" (۴)

اس زندگی کے بعد آخرت میں انسان کو جو بھی عزت و رفعت ملے گی وہ اس کی اسی نسبت سکینہ کنتیجہ ہوگی ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔

"اس ضمن میں مجھے اس شخص کی حالت پر بڑا تعجب ہوتا ہے جو سکینہ کی اس نسبت کی طرف مطلق التفات نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس نسبت سے اس کے کاروبار میں خلل پڑتا ہے چناں چہ اس کا کہنا یہ ہے کہ اس علمی نسبت سے اس کے خیالات میں تشویش پیدا ہوتی ہے لیکن یہ

شخص نہیں جانتا کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام اور ان کے بعد جو تابعین تھے ان کی زندگیوں میں یہی نسبت سب سے روشن تھی ۔" (۵)

نسبت اویسیہ

نسبت اویسیہ کو طہارت اور سکینہ کی نسبتوں کے درمیان برزخ کی حیثیت حاصل ہے ۔ اس نسبت کی تفصیل یہ ہے کہ انسان میں ایک نفس ناطقہ ہے جو ایک آئینے کی طرح ہے جس میں انسان کی روحانی کیفیتوں کا بھی عکس پڑتا ہے اور اس کے جسمانی احوال کا بھی ۔ قدرت نے انسان کو ان روحانی کیفیات اور اس کے جسمانی احوال میں سے ہر کیفیت اور ہر حالت میں ایک استعداد رکھی ہے چناں چہ اس کی دونوں کیفیات کی استعدادوں میں کلّی تنافر اور اختلاف ہے ۔ روحانی کیفیات میں سے ایک کیفیت یہ ہے کہ سالکین راہ طریقت جب عالم ناسوت کی پستی سے نکل کر عالم ملکوت کی بلندی پر فائز ہوتے ہیں اور خسیس اور ناپاک اعتبارات کو کلّیۃً ترک کردیتے ہیں تو اس حالت میں وہ لطیف اور خوش گوار کیفیات میں اس طرح سرشار ہوجاتے ہیں گویا کہ ان کی حالت ایک مشک کی سی ہے جس میں پوری قوت سے ہوا بھر دی گئی ہے اور اس وجہ سے وہ اس طرح پھول گئی ہے کہ خواہ اسے پانی میں ڈال دیں وہ کسی طرح تہہ آب نہیں ہوتی ۔

ان نفوس کو جب یہ کیفیت حاصل ہوجاتی ہے تو اس وقت ان کے آئینہ دل پر اوپر سے ایک رنگ کا فیضان ہوتا ہے جس کی برکت سے ان نیک روحوں سے خاص مناسبت پیدا ہوجاتی ہے اور ان نیک روحوں کی کیفیات مثلاً انس و سرور ، انشراح قلبی ، عالم غیب کی طرف جذب و توجہ کا انکشاف ہوتا ہے جو دوسروں کے لئے سربستہ راز کا حکم رکھتے ہیں ۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ سالک کو کسی خاص روح سے خصوصی مناسبت پیدا ہوجاتی ہے وہ اس طرح کہ سالک نے اس بزرگ کے فضائل سنے اور اسے اس بزرگ سے غیر معمولی محبت ہوگئی چناں چہ اس محبت کی وجہ سے سالک اوراس بزرگ کی روح کے درمیان ایک کشادہ راہ کھل جاتی ہے یا یہ ہوتا ہے کہ وہ خاص روح جس سے کہ سالک کو مناسبت خصوصی پیدا ہوگئی ، اس کے مرشد یا آباؤ اجداد میں سے کسی بزرگ کی روح تھی اور اس بزرگ کی روح میں ان لوگوں کے لئے جو اس سے منسوب ہیں ارشاد و ہدایت کی ہمت موجود ہے یا یوں ہوتا ہے کہ سالک اپنے فطری جذبے یا جبلی تقاضے جس کا سمجھنا نہایت مشکل ہے کسی خاص روح سے مناسبت پیدا کرلیتا ہے چناں چہ سالک اس بزرگ کو خواب میں دیکھتا ہے اور اس سے مستفید ہوتا ہے ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔

"یہ فقیر جب عالم ارواح کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے وہاں ارواح کے یہ طبقے دیکھے ۔ "ملاء اعلیٰ کا طبقہ" اس طبقے میں مَیں نے عالی مرتبہ اور کائنات کا انتظام کرنے والے فرشتوں مثلاً جبرئیل اور میکائیل کو پایا نیز میں نے اس مقام پر بعض ایسے انسانی نفوس کو دیکھا کہ وہ ان ملائکہ سے ملحق ہیں اور سرتا پا ان کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں ۔ جب کسی سالک کو اس طبقے کے ساتھ نسبت اویسی حاصل ہو تو اس کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ سالک کے لوح دل پر ذات باری کی صورت علمی اس طرح منقش ہوجاتی ہے کہ کائنات کے انتظام کے سلسلے میں قدرت الٰہی کے یہ چار کمالات یعنی ابداع ، خلق ، تدبیر اور تدلی ایک ہی بار اس صورت علمی کے ضمن میں اس کے دل پر ظاہر ہوجاتے ہیں

اور سالک کو قدرت الٰہی کے ان چار کمالات کا علم بغیر کسی ارادے اور قصد کے اور غور و فکر سے کام لئے بغیر حاصل ہوجاتا ہے - بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نظام عالم کے متعلق جو کلی تدبیریں اور عمومی فیصلے حظیرۃ القدس میں طے ہوتے ہیں ، نسبت اویسی کی تاثیر سے یہ خود بخود سالک کے دل پر نقش ہوجاتے ہیں - یہ نسبت بیشتر انبیاء کو حاصل ہوتی ہے جو علوم و معارف انبیاء سے ظاہر ہوتے ہیں اکثر وہ اسی نسبت کے سرچشمے سے پھوٹتے ہیں -

ملاء اعلیٰ کے بعد میں نے عالم ارواح میں ایک دوسرا طبقہ ملاء اسافل کا دیکھا - جس شخص کو اس طبقے سے نسبت اویسی حاصل ہو اس کی علامت یہ ہے کہ اسے خواب اور بیداری دونوں حالتوں میں فرشتے نظر آتے ہیں - فرشتوں کی یہ جماعت جن کاموں پر مامور ہے سالک انہی کاموں کو کرتا ہے اور اس ضمن میں ان کو آتے جاتے دیکھتا ہے اور انہیں جانتا اور پہچانتا بھی ہے -

عالم ارواح کا تیسرا طبقہ مشائخ صوفیاء کی ارواح کا ہے - یہ ارواح خواہ مجموعی طور پر یکجا ہوں یا فرداً فرداً الگ - جس شخص کو اس طبقے سے نسبت اویسی حاصل ہوتی ہے ، ضروری ہے کہ اسے اس نسبت کی وجہ سے صوفیاء کی ان ارواح سے عشق و محبت پیدا ہو اور وہ فنا فی الشیخ ہوجائے - اس حالت میں فنا فی المشائخ کی یہ کیفیت اس کی زندگی کے ہر ہر پہلو میں مؤثر ہوتی ہے جیسے درخت کی جڑوں میں پانی دیا جاتا ہے تو اس پانی

کا اثر تازگی کی صورت میں درخت کی ہر شاخ ، ہر پتی اور اس کے پھولوں اور پھل تک میں سرایت کرجاتا ہے لیکن فنا فی المشائخ کی اس نسبت سے ہر شخص میں ایک سی کیفیت پیدا نہیں ہوتی چناں چہ اس کی وجہسے ایک شخص پر ایک حال وارد ہوتا ہے اور دوسرے پر ایک دوسری کیفیت طاری ہوتی ہے ۔ فنا فی المشائخ کی نسبت کے سلسلے میں مشائخ کے عرسوں کا قیام ، ان کی قبروں کی پابندی سے زیارت کرنا ، وہاں جاکر فاتحہ پڑھنا ، ان کے ارواح کے نام سے صدقہ دینا ، ان کے آثار و تبرکات ، ان کی اولاد اور ان کے متعلقین کی تعظیم و تکریم میں پورا پورا اہتمام کرنا یہ سب امور داخل ہیں ۔" (٦)

اس سلسلے میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ نسبت اویسی رکھنے والے کو اس خاص نسبت کی جو ارواح ہیں ان سے اس طرح ربط پیدا ہوجاتا ہے کہ یہ چیز اس شخص کی روح کے جوہر اصلی میں داخل ہوجاتی ہے اور وہ بیداری اور حالت خواب میں اس کیفیت کو اپنے اندر پاتا ہے لیکن جب یہ شخص سوتا ہے تو اس کے ظاہری حواس نفسانی خواہشات کے اثر و تصرف سے امن میں ہوتے ہیں اور وہ فی الجملہ طبیعت کے تقاضوں اور اس کے احکام سے رہائی حاصل کرلیتا ہے تو اس حالت میں وہ تمام صورتیں جو اس کے دل کے اندر جمع ہوتی ہیں ، خواب میں برملا طور پر اپنے سامنے نظر آتی ہیں اور وہ ان کی طرف پوری طرح متوجہ ہوجاتا ہے چناں چہ سالک پر اس مقام میں عجیب عجیب چیزیں اور طرح طرح کے معاملات ظاہر ہوتے ہیں ۔

اس ضمن میں یہ بھی واضح رہے کہ اس سے پہلے اولیاء کی پاک روحوں کی بڑی کثرت تھی اور فضا ان سے بھری ہوئی تھی ۔ وہ لوگ جن میں استعداد

ہوتی انہیں ان پاک روحوں کے توسط سے ملائکہ مقربین کی یہ نسبت حاصل ہوجاتی اور اس مقام سے ان کے لئے نبوت اور حکمت کے علوم مترشح ہوتے چناں چہ اس نسبت رکھنے والوں میں جسے انسانوں کے لئے مبعوث کیاجاتا اسے لوگ نبی کہتے اور جو اس طرح انسانوں کے لئے مبعوث نہ ہوتا وہ حکیم اور محدّث کہلاتا ۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ کی بعثت عمل میں آئی اور آپ ﷺ کی بعثت کو جو صورت عالم مثال میں تھی وہ اس عالم اجسام میں منتقل ہوگئی اور اس سے یہ ساری فضا بھر گئی اور یہاں کثرت سے ارواح امت بھی پیدا ہوگئیں تو اس کی وجہ سے وہ کیفیت جو آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے تھی ' لوگوں کی نظروں سے روپوش ہوگئی بعینہ اس طرح جس طرح کہ فضا میں گھٹا چھا جانے سے آفتاب آنکھوں سے اوجھل ہوجاتا ہے ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔

"آنحضرت ﷺ کی امت میں سے جس شخص نے کہ سب سے پہلے جذب کا دروازہ کھولا اور اس راہ پر وہ سب سے پہلے گامزن ہوئے وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کے تمام سلسلے ان کی طرف منسوب ہیں مگر ان سلسلوں کا تعلق باعتبار روایت حضرت علی سے ثابت نہیں کیا جاسکتا اور نہ یہ معلوم ہوسکا ہے کہ آخر حسن بصری کے ساتھ حضرت علی کا کون سا خصوصی تعلق تھا جو آپ کا دوسروں کے ساتھ نہ تھا لیکن اس کے باوجود تمام کے تمام صوفیاء کا نسلاً بعد نسلٍ اس بات پر اتفاق چلا آتا ہے کہ طریقت کے سارے سلسلے حضرت علی کی طرف راجع ہیں ۔ ظاہر ہے ان بزرگوں کا یہ اتفاق کسی وجہ کے بغیر نہیں ہوسکتا ۔ فقیر کے نزدیک چوں کہ حضرت علی اس امت کے پہلے مجذوب ہیں اس لئے طریقت کے تمام سلسلے

آپ کی طرف منسوب ہیں -

حضرت علی کے بعد اولیائے کرام اور اصحاب طرق کا سلسلہ چلتا ہے ان میں سب سے زیادہ قوی الاثر بزرگ جنہوں نے راہ جذب کو باحسن وجوہ طے کرکے نسبت اویسی کی اصل کی طرف رجوع کیا اور اس میں نہایت کامیابی سے قدم رکھا ، وہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی ذات گرامی ہے - اسی بنا پر آپ کے متعلق کہا گیا ہے کہ موصوف اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں - اس ضمن میں فقیر کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر کا مسلک طریقت یہ ہے کہ جذب کی راہ طے کرنے کے بعد نسبت اویسی کا جو حاصل مقصود ہے اس کے رنگ میں سالک اپنے آپ کو رنگ دے - مزید براں ملت مصطفوی میں بالعموم اور اس زمانے میں خاص طور پر ان دونوں بزرگوں یعنی حضرت علی اور شیخ عبدالقادر جیلانی سے بڑھ کر کوئی اور بزرگ خرق عادات اور کرامات میں مشہور نہیں ہے - اس لئے ان کی یہ شہرت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ سالک جب عالم غیب کی توجہ اپنی طرف مبذول پائے تو وہ اس توجہ کو ان بزرگوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں متشکل دیکھے - الغرض ان امور کے پیش نظر آج اگر سالک کو کسی خاص روح سے مناسبت حاصل ہوجائے اور وہاں سے اسے فیض پہنچے تو اس واقعہ کی اصل حقیقت غالباً یہ ہوگی کہ اسے یہ فیض یا تو آنحضرت ﷺ کی نسبت سے حاصل ہوا یا امیر المومنین حضرت علی کی نسبت سے یا اسے یہ فیض حضرت غوث اعظم کی نسبت سے ملا -

یہ فقیر جب مشائخ صوفیاء کی ارواح کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے ان کی توجہ اور اس کے اثرات کو مختلف صورتوں میں اپنے اندر منعکس پایا ۔ اس توجہ کے اثرات میں سے ایک اثر یہ تھا کہ اس سے طبیعت کی بہیمی قوتیں یکسر ملکی رنگ میں اس طرح رنگی گئیں گویا کہ بہیمیت ملکیت میں بالکل فنا ہوگئی ۔ اس سلسلے میں فقیر کو بتایا گیا ہے کہ جب مشائخ صوفیاء کو انتقال فرمائے چار سو یا پانچ سو سال یا اس کے قریب گذر جاتے ہیں تو ان کے نفوس کی طبعی قوتیں جو زندگی میں ان کی ارواح کو خالص مجرد صورت میں ظاہر ہونے نہیں دیتی تھیں ، اتنا عرصہ گذرنے کے بعد یہ طبعی قوتیں بے اثر ہوجاتی ہیں اور اس دوران میں ان نفوس کے نسمہ یعنی روح ہوائی کے اجزا منتشر ہوجاتے ہیں ۔ اس حالت میں جب ان مشائخ کی قبور کی طرف توجہ کی جاتی ہے تو ان مشائخ کی ارواح سے اس توجہ کرنے والے کی روح پر ایک رنگ کا فیضان ہوتا ہے ۔ اس فیضان کی مثال ایسی ہے جیسے آفتاب کسی مرطوب چیز پر اپنی شعائیں ڈالے اور اس کی گرمی سے یہ رطوبت تحلیل ہوجائے اور اس مرطوب چیز سے پانی کے قطرات ٹپکنے لگیں یا اس کی مثال یوں سمجھیے کہ توجہ کرنے والے کی روح ایک حوض کے مشابہ ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہے اور آفتاب کی روشنی نے ہر طرف سے اس کا احاطہ کرلیا ہے چناں چہ و ہ حوض آفتاب کی شعاعوں سے اس طرح چمک اٹھتا ہے گویا کہ وہ حوض خود سرتاپا ایک شعاع بن گیا ہے ۔ ارواح مشائخ کی طرف توجہ کرنے والا سالک جب اس منزل میں پہنچتا ہے تو اس

میں یاد داشت یا توجہ بجانب غیب کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے اور یہ کیفیت اس شخص کی روح کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہے ۔" (۷)

اس سلسلے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو فطری طور پر ملائکہ مقربین سے ، جو کائنات کے مدبر اور منتظم ہیں ، خاص نسبت حاصل ہوتی ہے اور اسی نسبت کی وجہ سے انبیاء کے سامنے نفوس افلاک ، ملاء اعلیٰ نیز اس تجلی کی طرف جو کہ شخص اکبر کے دل پر قائم ہے ایک کشادہ راہ کھل جاتی ہے اور وہاں سے ان کے نفوس پر کل علم کی صورت کا فیضان ہوتا ہے ۔ چناں چہ کلی علم کی موجودگی میں انبیاء کو تفصیلی علوم کی ضرورت نہیں رہتی ۔ علمی صورت کا یہ فیضان انبیاء کے نفوس پر جس طریق سے ہوتا ہے یہ طریق راہ جذب اور راہ سلوک سے ایک الگ چیز ہے لیکن یہ جاننے کے باوجود جو لوگ انبیاء کے کلام کو وحدت الوجود پر محمول کرتے ہیں وہ نہ تو انبیاء کی حقیقت کو پہچانتے ہیں اور نہ انہیں انبیاء کے خصوصی مسلک کی کچھ خبر ہے ۔

نسبت یاد داشت

جن نسبتوں کا تعلق راہ جذب سے ہے ان میں ایک نسبت یاد داشت کی بھی ہے ۔ جب ہم کسی چیز کا علم حاصل کرتے ہیں (وہ چیز مجرد قسم کی ہو یا متحیز کے متعلقات میں سے) تو ہمارے اس علم کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ ہمارے ذہن میں اس چیز کی ایک صورت منقش ہوجاتی ہے اور یہ ذہنی صورت آگے چل کر اس چیز کی اصل حقیقت کے انکشاف کا ذریعہ بنتی ہے ۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جیسے عینک میں سے جب ہم کسی چیز کو دیکھتے تو ہماری نظر عینک میں سے گذر کر اصل چیز تک پہنچ جاتی ہے ۔ اس وقت عینک کا وجود ہمارے خیال سے بالکل غائب ہوجاتا ہے اور ہم یوں محسوس کرتے ہیں کہ

ہماری نظر براہ راست اس چیز کو دیکھ رہی ہے -

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ایک درخت نہر کے کنارے کھڑا ہے اور اس کا سایہ پانی میں پڑ رہا ہے - اب ایک شخص جو درخت کے سائے کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہا ہے اور وہ اس کے دیکھنے میں اتنا محو ہوگیا ہے کہ پانی کا خیال اس کے ذہن سے بالکل جاتا رہا -

کسی چیز کا علم حاصل کرنے کی مذکورہ شکل کے بارے میں اہل حکمت کے دو گروہ ہیں - قدیم حکماء کا یہ خیال تھا کہ جب نفس ناطقہ کسی چیز کا علم حاصل کرتا ہے تو اس وقت نفس ناطقہ اس چیز کے ساتھ جس کا اس نے علم حاصل کیا متحد ہوجاتا ہے - بعد کے حکماء کہتے ہیں کہ کسی چیز کو معلوم کرنے کے سلسلے میں ذہن میں اس چیز کی جو صورت بنتی ہے تو یہ صورت علمی بعینہ وہ اصل چیز ہوتی ہے جو معلوم ہوئی - اس ضمن میں درج ذیل دو حالتیں پیش آتی ہیں -

۱ - شے معلوم کی طرف ہماری پوری توجہ ملتفت ہوجائے اور اس شے کی جو علمی صورت ہمارے ذہن میں پہلے سے موجود ہے اس کی حیثیت عینک کی سی ہوجائے کہ ہماری نظر اس میں سے گذر کر شے معلوم کا علم حاصل کرتی ہے - اس نوعیت علمی کو علم شے کا نام دیا گیا -

۲ - شے معلوم کے بجائے اس شے کی جو علمی صورت ذہن میں ہو اس کی طرف ہماری پوری توجہ ہو - اس دوران میں اگر اصل شے کی طرف ہماری نظر جائے بھی تو محض ضمنی اور اجمالی طور پر - اس نوعیت علمی کو علم العلم کہا جاتا ہے - اس میں شک نہیں کہ دوسری حالت اور پہلی حالت میں زیادہ فرق نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر دوسری حالت کی پوری نگہداشت کی جائے تو اس سے پہلی حالت کی استعداد بھی پیدا ہوجاتی ہے اور اس کے پوشیدہ

ہونے کے بعد یہ اس کی قائم مقام بن جاتی ہے ۔

جب تجلی حق صورتوں اور اشکال کے رنگ میں ظہور پذیر ہو اور اس وقت انسان کے حواس نفسانی تقاضوں سے امن میں ہوں تو اس کی روح تجلی کی صورت کی طرف کلّیۃ متوجہ ہوجاتی ہے اور یہ صورت اس کے لئے نصب العین کی حیثیاختیار کرلیتی ہے ۔ یہ ضروری نہیں کہ انسان کو تجلی کی صورت کا مشاہدہ صرف خواب ہی میں ہو بلکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی جاگ رہا ہے اور اس کے حواس نفس کی خواہشات سے آزاد ہیں تو اس بیداری میں بھی اس کو تجلی کی صورت نظر آجاتی ہے لیکن یہ لازمی نہیں ہوتا کہ تجلی کی علمی صورت ہمیشہ کسی قسم کی شکل ، کیفیت اور تحیز کے بغیر ہی انسان کو نظر آیا کرے ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو قوتیں ودیعت فرمائی ہیں ۔ ان میں سے ایک تخیّل کی قوت ہے ۔ اس قوت کا کام یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کو نظروں کے سامنے متشکل کردیتی ہے جو ذاتی طور پر کوئی شکل نہیں رکھتیں ۔ چناں چہ قوت تخیّل کی مدد سے انسان غضب اور غصے کو درندے کی شکل میں اور حرص و طمع کو کوّے کی صورت میں متجسم کرلیتا ہے ۔

دوسری قوت متوہمہ ہے یہ قوت اشیاء کو شکل و رنگ سے مجرد کرکے انہیں معانی میں تبدیل کردیتی ہے ۔ قوت متوہمہ جس طرح کام کرتی ہے اس کی مثال دیتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔

> "ہم نے ایک شخص کو جسے ہم ایک عرصہ پہلے دیکھ چکے تھے جونہی یاد کیا تو معاً ہمیں اشتیاق ہوا کہ اس شخص کی صورت چشم تصور کے سامنے لائیں ۔ اب یوں ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس شخص کی ایک اجمالی اور کلّی صورت ہمارے سامنے

آتی ہے ۔ یہ صورت اتنی عام ہوتی ہے کہ نہ صرف اس شخص پر بلکہ اس کے علاوہ اور بہت سے اشخاص پر بھی یہ صورت منطبق ہو جاتی ہے ۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ صورت سمٹتی جاتی ہے اور آخر ک نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ خاص اس شخص کی صورت جسے ہم نے یاد کیا تھا ، ہمارے روبرو آ موجود ہوتی ہے ۔ اس طرح بعض دفعہ ایک حافظ قرآن کو اجمالی طور پر یہ یاد آتا ہے کہ فلاں آیت اس سورہ میں ہے ۔ اس ضمن میں پہلے تو اس کے ذہن میں اس آیت کی ایک اجمالی سی صورت نظر آتی ہے ۔ یہ اجمالی صورت اس مخصوص آیت کے علاوہ اور بہت سی آیات پر بھی محمول ہوسکتی ہے ۔ بعد ازاں بتدریج یہ صورت معین ہوجاتی ہے یہاں تک کہ آخر میں اس آیت کی خاص شکل ذہن میں آجاتی ہے ۔ الغرض انسان کی قوت متخیّلہ اگر مجرد معانی کو اشکال اور صورتوں کا لباس پہناتی ہے تو اس کی قوت متوہمہ متحیز اشیاء کو مجرد معانی میں بدل دیتی ہے ۔ چناں چہ ذہن کی سلبی مفہومات کاادراک اور افراد سے کلّی امور کا استخراج کرنا ، یہ سب کچھ انسان کا اسی قوت متوہمہ کی عجوبہ کاریوں کا نتیجہ ہے ۔" (۸)

عارف مجذوب جب نسبت بے نشانی کی حقیقت سے واقف ہوچکتا ہے اور اس کے بعد جب کبھی وہ اس نسبت کی طرف پوری دل جمعی سے متوجہ ہوتا ہے تو اس حالت میں اس کے تمام قویٰ اور احساسات کلّیۃً اس حقیقت کے تابع ہوجاتے ہیں جو اس کے ذہن نے ادراک کی تھی ۔ یہاں عارف کی قوت متوہمہ میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے جو اجمالی طور پر اس حقیقت بے نشانی کی طرف

اشارہ کرتا ہے ۔ اس منزل میں اس خیال کی کوئی مخصوص وضع ، شکل یا صورت نہیں ہوتی بلکہ اس کی نوعیت ایک خاص معنوی ہیئت کی ہوتی ہے ۔

یہی معنوی ہیئت تجلی حق جو عارف کی قوت متوہمہ میں نازل ہوئی ۔ اسی طرح جب یہ معنوی ہیئت قوت متوہمہ کے بجائے عارف کی قوت متخیلہ کو اپنی آماجگاہ بناتی ہے تو عارف کے خیال میں ایک صورت آ موجود ہوتی ہے اور اسے عارف تجلی حق سمجھتا ہے البتہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی قسم کی تجلی ، تجلی وہمی ہوتی ہے اور دوسری قسم کی تجلی ، تجلی تخیلی ۔

عارف جب تجلی وہمی کو پالیتا ہے تو پھر وہ اس کی باقاعدہ حفاظت کرتا ہے اور اس پر برابر نظر رکھتا ہے ۔ تجلی وہمی کی اس طرح حفاظت اور نگہداشت کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عارف کے سامنے مرتبہ بے نشانی کی طرف ایک کشادہ راہ کھل جاتی ہے اور اس سے اس کے اندر بڑی استعداد پیدا ہوجاتی ہے ۔

اہل جذب کے نزدیک اس نسبت کے دو رخ ہیں ۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی ۔ اس نسبت کے ظاہری رخ سے مراد ایک ایسی کیفیت ہے جو انسان کے نسمہ میں جاگزیں ہوکر اس سے کلیّۃً ملحق ہوجاتی ہے اور اسی نسبت کا باطنی رخ بے نشانی محض ہے جس کا صرف روح مجرد ہی ادراک کرسکتی ہے ۔ لیکن وہ لوگ جن کو جذب کی توفیق نہیں ملتی وہ اس نسبت کو صرف اپنے نسمہ ہی میں مؤثر اور غالب دیکھتے ہیں ۔ اس لئے وہ اس مقام سے اوپر اس نسبت کا کوئی اور وجود تسلیم نہیں کرتے ۔

نسبت یاد داشت کی خصوصیات

جس شخص کو یہ نسبت حاصل ہو وہ وجود عدم کی استعداد رکھتا ہے ۔ وجود عدم کے معنیٰ یہ ہیں کہ عارف جب مرتبہ بے نشانی کی طرف متوجہ ہو تو

اس میں نہ تو گرد و پیش کی اشیاء کا کچھ ادراک باقی رہے اور نہ اِدھر اُدھر کے خیالات اس کے ذہن میں داخل ہوں ۔

اس نسبت کی وجہ سے سالک پر ایسی قوی تاثیر طاری ہوجاتی ہے کہ وہ ایک نگاہ یا معمولی سی توجہ سے وجود عدم کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور حواس کی تشویشات سے اسے کلی نجات مل جاتی ہے ۔

اس نسبت سے سالک کی ہمت میں تیزی اور حدت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ اس کی قوت عزم شخص اکبر تک جا پہنچتی ہے ۔ چناں چہ کم ہمتوں کو ہمت بندھانا ، امراض کو دور کرنا اور اس طرح کے اور تصرفات کرنے کی توفیق اسی نسبت کے طفیل حاصل ہوتی ہے اور کشف و اشراف کے ذریعے دوسروں کے دلوں کے احوال جاننا بھی اسی نسبت کا ثمرہ ہوتا ہے ۔

نسبت توحید

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ زید عمرو اور بکر وغیرہ سب کے سب انسان ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ اور ان کے علاوہ باقی تمام افراد انسانی اس ایک بات میں کہ یہ سب کے سب انسان ہیں ، ایک دوسرے سے مشترک ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان میں سے ہر ایک فرداً فرداً ایک دوسرے سے جدا جدا بھی ہے ۔ الغرض یہ سب انسانیت کے اعتبار سے تو آپس میں مشترک ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک اپنی انفرادی خصوصیات کی وجہ سے ایک دوسرے سے ممتاز ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ زید ، عمرو اور بکر وغیرہ میں فرداً فرداً جو خصوصیات پائی جاتی ہیں یہ انفرادی خصوصیات ہیں ، انسان نہیں ہیں کیوں کہ اگر یہ خصوصیات عین انسان ہوتیں تو زید من حیث الکل مشابہ ہوتا عمرو کے اور عمرو مشابہ ہوتا بکر کے اور اسی طرح انسان کلیّۃً دوسرے انسان کی مثل ہوتا اور ان میں فرداً فرداً ایک دوسرے سے کوئی امتیاز نہ پایا جاتا لیکن

مشاہدہ یہ ہے کہ زید بعینہ بکر نہیں اور نہ بکر بعینہ عمرو ہے ۔ علی ھٰذا القیاس ہر انسان وہ نہیں جو دوسرا ہے ۔ اس کے باوجود اگر ہم نوع انسانی کے ان افراد کی الگ الگ خصوصیات کو عین انسان قرار دیتے ہیں تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ ایک چیز بیک وقت دوسرے کی عین ہے اور اس سے مختلف بھی اور ظاہر ہے یہ بات صریحاً و بداہۃً غلط ہے ۔

لیکن افراد کی یہ انفرادی خصوصیات بر حیثیت سے غیر انسان بھی نہیں ہیں کیوں کہ جس ذات میں یہ خصوصیات جمع ہوتی ہیں اس پر انسان کا اطلاق ہوسکتا ہے اور یہ انفرادی خصوصیات اس امر میں مانع بھی نہیں ہیں کہ ان پر انسان کا اسم صادق نہ آسکے ۔ الغرض کل انسانیت میں بحیثیت مجموعی اور افراد کی ان جدا جدا خصوصیات میں ایک خاص نسبت پائی جاتی ہے جسے ظاہریت اور مظہریت سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

انسانیت میں بحیثیت مجموعی اور افراد کی انفرادی خصوصیات میں جو نسبت ہے اس نسبت کو کبھی مادہ و صورت کی مثال دے کر واضح کیا جاتا ہے مثلاً ایک بھبھکا ہے جو آگ پر رکھا ہوا ہے اس کے اندر پانی ہے ۔ پانی حرارت سے بخارات یعنی ہوا بنا اور ہوا سے پھر عرق یعنی دوبارہ پانی بن گیا ۔ اب واقعہ یہ ہے کہ ایک صورت جسمیہ ہے جو کہ تمام اجسام میں مشترک ہے ۔ یہ صورت جسمیہ پہلے پانی تھی پھر یہ ہوا ہوئی اور اس کے بعد پھر پانی ہوگئی ۔ صورت جسمیہ میں ضم ہوگئی کیوں کہ صورت جسمیہ تو خود اپنی جگہ متعین ہے اور اس تعین میں نہ وہ پانی کی محتاج ہے اور نہ ہوا کی ۔ بے شک یہ صورت جسمیہ جب انواع کے مرتبہ میں ظہور پذیر ہوتی ہے تو اس کے لئے متشکل اور متلون ہونا ضروری ہوتا ہے اور ظاہر ہے اس صورت جسمیہ کا اس حالت

میں پانی یا ہوا کے علاوہ کسی اور شکل میں متشکل ہونا ممکن نہیں ۔ الغرض جب ہم صورت جسمیہ کو صورت جسمیہ کے مرتبہ میں دیکھیں گے تو بے شک وہ تمام اجسام میں مشترک نظر آئے گی لیکن جب صورت جسمیہ کو ہم اس اعتبار سے دیکھیں گے کہ مرتبہ انواع میں وہ کیوں کر متشکل ہوئی تو اس حالت میں اس صورت جسمیہ کا خود پانی یا ہوا ہونا ضروری ہوگا ۔ یہ نہیں کہ صورت جسمیہ ایک الگ چیز ہے اور پانی اور ہوا الگ ، اور پانی اور ہوا بعد میں اس سے ضم ہوگئے اگرچہ اپنی جگہ ان کے ضم ہونے کی وجہ ہوسکتی ہے ۔

صورت اور مادے کے درمیان جو خاص نسبت ہے اس کے لئے ایک نام کی ضرورت ہے جس سے کہ اس نسبت کو تعبیر کیا جائے ۔ شاہ صاحب نے اس نسبت کو ظہور کا نام دیا ہے ۔ اور ظہور سے مراد یہ ہے کہ ایک چیز اپنی جگہ ایک موطن اور مرتبے میں قائم اور متحقق ہے اور پھر وہی چیز اس مرتبے سے اتر کر دوسرے مرتبے میں ایک اور وجود کا جامہ پہن لیتی ہے اس کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے کہ ایک چیز کی ایک نوعی صورت ہے جو اس نوع کے ہر ہر وفرد میں ظہور کرتی ہے یا پھر موم کی مثال لیجئے کہ اس سے مسدس اور مربع شکلیں اور انسان اور گھوڑے کے مجسمے بنائے جاسکتے ہیں ۔ اس طرح ان تمام چیزوں میں موم اپنے مومی جسم کا اظہار کرتا ہے یا پھر اس کی مثال ملکہ علم کا اس علمی صورت میں جو ابھی ہمارے ذہن میں نقش پذیر ہوئی ، ظہور کرنا ہے ۔

زید ایک فرد ہے اس سے اوپر نوع انسان ہے اور نوع سے اوپر جنس کا مرتبہ ہے ۔ یہ جنس حیوان ہے ۔ حیوان کی جنس میں انسان بھی داخل ہے اور جملہ حیوانات کی انواع بھی ۔ جنس سے آگے جنس عالی کا مرتبہ ہے اس میں حیوانات کے ساتھ ساتھ نباتات بھی شامل ہیں اور اس سے اوپر جسم یعنی عرض

کا مرتبہ ہے اور عرض سے اوپر جوہر ہے ۔ لیکن حکماء اس حقیقت کا ادراک کرنے سے اس لئے عاجز رہے کہ اور حقائق کی طرح اس حقیقت کے احکام و آثار متعین نہیں کہ ان کی مدد سے یہ حکماء اس حقیقت کا سراغ لگا لیتے جو عرض اور جوہر دونوں پر حاوی ہے ۔ اس حقیقت جامع کا موزوں ترین نام حقیقت وحدانیت ہے اگرچہ کبھی کبھی اس حقیقت کو وجود بھی کہتے ہیں ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حقیقت آخر ہے کیا ؟ ایک گروہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ حقیقت عین ذات الٰہی ہے چناں چہ انہوں نے اس حقیقت کو لا بشرط بشی ذات بحت سمجھا اور اسی کو وہ بشرط لا شی احدیت کہتے ہیں اور یہی ان کے نزدیک بشرط لا شی واحدیت ہے ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔

"ہمارے خیال میں ان لوگوں میں عقل و تدبر کی کمی تھی کہ انہوں نے اس غلط بات پر یقین کرلیا ۔ ان کے برعکس فقیر نے اس امر کی تحقیق کی تو اس پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ وجود کے جس مرتبے پر جا کر ان لوگوں کی نظر رکی اسے ہی انہوں نے غلطی سے ذات بحت ، احدیت اور واحدیت سمجھ لیا وہ مرتبہ تو ظاہر الوجود کا تھا جس کو ہم نفس کلّیہ کہتے ہیں ۔ اس کو بعض اہل کشت نے وجود بسیط کا بھی نام دیا ہے ۔ حقیقت میں اس وجود بسیط کی حیثیت تو محض اصل وجود کی طبائع میں سے ایک طبع ہے ۔ بے شک وجود کی یہ طبیعت سب چیزوں سے زیادہ بسیط ہے اور یہی سب کا مبدا اور اصل بھی ہے ۔ بہر حال یہ نفس کلّیہ یا وجود بسیط یا اسے آپ کوئی اور نام دے دیجئے اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ ہر شے میں جاری و ساری ہے

اور ان کی تمام الائشوں سے منزہ ہے ۔

اس سلسلے میں فقیر کو بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں کثرت سے وحدت کی دید کا شوق فوارے کی طرح جوش زن ہوتا ہے تو ان کی نظریں جس وحدت تک پہنچتی ہیں وہ نفس کلّیہ کی وحدت کے سوا کوئی دوسری وحدت نہیں ہوتی لیکن جب چشم بصیرت ذات الٰہی کو اپنا مطمع نظر بنالے تو یہ توحید ذاتی کی کیفیت ہے ۔ توحید ذاتی کے معنیٰ یہ ہیں کہ ذات حق کو ہر نسبت اور ہر چیز سے الگ کرکے صرف حق میں دیکھا جائے باقی ذات الٰہی اور نفس کلّیہ میں جو نسبت ہے اسے ام النسبات کا نام دیا گیا ہے اور ان دونوں کے باہمی علاقے کو کسی خاص نسبت سے متعین کرنا ایک طرح کی زیادتی ہے ۔" (۹)

نفس کلّیہ اور ذات الٰہی میں جو نسبت ہے سالک کو چاہیے کہ اس نسبت کو اس نسبت کے ساتھ جو افراد اشیاء اور نفس کلّیہ کے درمیان ہے خلط ملط نہ ہونے دے ورنہ اس کی حالت اس شخص کی سی ہوجائے گی جس نے کہ سبز یا سرخ شیشہ آنکھ پر لگا لیا اور وہ ہر چیز کو سبز اور سرخ دیکھنے لگا ۔ اس طرح شیشے کا رنگ اس چیز کے رنگ سے جس کو وہ شیشے میں سے دیکھ رہا ہے مخلوط ہوگیا اور وہ اس چیز کا صحیح رنگ نہ دیکھ سکا ۔ سالک کی یہ حالت اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ صحیح معنوں میں فنا فی الحال نہیں ہوتا بلکہ حال کے ساتھ اس کے دماغ کی سوچ و بچار بھی شامل ہوجاتی ہے ۔ اس سلسلے میں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اگر سالک نفس کلّیہ کا مشاہدہ چشم حال سے کرتا ہے تو لا محالہ اسے مظاہر کائنات میں اتحاد و وحدت نظر آئے گی اور اگر وہ ذات الٰہی کو چشم حال سے دیکھتا ہے تو کائنات کا وجود اس کی نظر سے

یکسر غائب ہوجاتا ہے لیکن اگر وہ نظر شامل رکھتا ہے اور نفس کلّیہ اور ذات باری دونوں کا مشاہدہ چشم حال سے کرتا ہے تو یہ وجود کے ایک مظہر کو دوسرے مظہر کے حکم سے خلط ملط نہیں ہونے دیتا ۔ الغرض نفس کلّیہ اور ذات باری ہر دو کو اپنے مشاہدے میں جمع کرلینا یہ مقام افراد کاملین کا ہے ۔

نوع انسانی میں بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن پر وجود کا حکم زیادہ مؤثر ہوتا ہے یعنی ان کی طبیعت کا اقتضا فطری طور پر کچھ ایسا ہوتا ہے کہ وہ کائنات کی تمام اشیاء کو اصل وجود میں فنا ہوتے دیکھتے ہیں ۔ وہ ہر چیز میں اس وجود کو جاری و ساری دیکھتے ہیں اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ دنیا میں جو چیز بھی موجود ہے اس کے موجود ہونے کا تمام تر انحصار اس وجود پر ہے ۔ یہ لوگ مظاہر وجود کے دیگر مراتب کے احکام کو بھی جانتے اور پہچانتے ہیں لیکن ان کا یہ احساس علم کہ ایک ہی وجود سب مظاہر اور اشیاء میں جاری و ساری ہے ان کی باقی تمام معلومات اور ان کے دوسرے تمام رجحانات پر ہمیشہ غالب رہتا ہے ۔ چناں چہ ایک ہی وجود کے ہر چیز میں جاری و ساری ہونے کا یہ احساس لحظہ بہ لحظہ ان کے علم و شعور کے اس خرمن کو جو دوسرے مراتب وجود کے متعلق وہ اپنے ذہنوں میں جمع کرتے ہیں ، جلاتا رہتا ہے اور انہیں نسسیاً منسیا کرتا رہتا ہے ۔ گو ضرورت کے وقت ان لوگوں کے ذہنوں میں دوسرے مراتب وجود کے احکام بھی نقش ہو جاتے ہیں لیکن ان کی طبع کا فطری تقاضا رہ رہ کر ابھرتا ہے اور وہ ان مراتب کے وجود کے احکام کو بجلی کی طرح جلا دیتا ہے ۔ چناں چہ ان کا یہ احساس علم کہ ایک ہی وجود ہر شے میں جاری و ساری ہے از سر نو ان پر غالب آجاتا ہے ۔

شروع شروع میں تو یہ ہوتا ہے کہ سالک وجود کے ہر شے میں جاری و ساری ہونے کا ادراک کرتا ہے لیکن آہستہ آہستہ یہ ادراک ملَکہ کی صورت اختیار

کرلیتا ہے چناں چہ سالک اس ملکہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے ۔ یہ ملکہ جب اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو اس کے دو رخ ہوتے ہیں ۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی رخ ۔ وجود کے اس علم کا یہ رنگ اور اس کا یہ ملکہ جب صرف سالک کے نسمہ میں جاگزیں ہوتا ہے اور اس کا اثر نسمہ سے آگے نہیں بڑھتا تو یہ اس کے کمال کا ظاہری رخ ہے اور اس کا باطنی کمال یہ ہے کہ سالک کے اندر نسمہ سے پرے جو نقطہ وجود ہے وہ نہ صرف خود اپنے تمام آثار و احوال کے ساتھ بیدار ہو بلکہ اس کے اس نقطے سے بیداری کے اثرات و احکام بھی رونما ہوں نیز سالک کی نظر سے تعینات کے تمام پردے اٹھ جائیں ۔ راہ طریقت کے سالکوں میں سے جو غیر کامل ہوتے ہیں وہ تو اس ضمن میں صرف ظاہری کمال تک ہی پہنچ پاتے ہیں اور باطنی کمال سے آشنا نہیں ہوتے گویا کہ وہ وجود کے اس علم کی صورت کو تو پالیتے ہیں لیکن اس کے ج٢معنیٰ کو نہیں جان سکتے ۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص اپنی سوچ و بچار سے یا عارفوں کی تقلید سے اس نتیجے پر پہنچا کہ تمام اشیاء ایک وجود میں فنا پذیر ہیں اور یہ وجود سب اشیاء میں جاری و ساری بھی ہے ۔ اب وہ بار بار اس نتیجے کو اپنے ذہن میں حاضر کرتا ہے یہاں تک کہ یہ چیز اس کے اندر ایک ملکہ کی صورت اختیار کرلتی ہے اور وہ اس ملکہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے گویا اس کا نقطہ وجود بیدار نہیں ہوتا ۔ غرضیکہ علم وجود کی یہ ساری کشش اور اس کی دھن میں سالک کی یہ تمام محویت اسے اس مرتبے تک نہ پہنچا سکی جہاں کہ اس علم کا ملکہ سالک کے اصل نفس اور اس کی جڑ میں جاگزیں ہوجاتا ۔ اس سالک کی مثال اس تالاب کی سی ہے کہ وہ سیلاب کے پانی سے بھر گیا لیکن اس میں زمین کے مسامات سے پانی نہیں پھوٹا ۔ سالک کا اس طرح وجود کو ایک ماننا توحید علمی کہلاتا ہے اور علم وجود کی پہلی شکل جب کہ یہ علم

سالک کے نسمہ سے پرے اس کے اندر جو نقطہ وجود ہے اسے بیدار کر دیتا ہے توحید حالی کہلاتی ہے ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔

"فقیر کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں کے لئے توحید علمی نفع مند نہیں ہوتی بلکہ اس سے الٹا انہیں نقصان ہوتا ہے ۔ بات یہ ہے کہ بیکار کی دلیل بازی جسے سوفسطائیت کہتے ہیں ۔ اس توحید علمی سے پیدا ہوتی ہے ۔ اسی توحید علمی کی وجہ سے لوگ شرعی اور عرفی احکام و مصالح میں تساہل کے مرتکب ہوتے ہیں ۔ باقی رہا توحید حالی کا معاملہ ' سو توحید حالی تو ایک بہت بڑا کمال ہے کہ زبان اس کے مطالب کو ادا کرنے سے عاجز ہے ۔" (۱۰)

نسبت عشق

تعارف

مومن جب حق سبحانہ کے متعلق یہ یقین کرلے کہ وہی ذات تمام اوصاف کمال کی حامل ہے ۔ وہ حق سبحانہ کے ذکر کو اپنے لئے وجہ کمال سمجھے ' وہ ہمیشہ اس کے مبارک نام کا ذکر کرتا رہے اور حق سبحانہ کی نعمتوں اور بخششوں کو بھی پیش نظر رکھے ۔ تو ذکر و فکر میں اس کا برابر اس طرح لگے رہنا اس کے دل میں بے قراری ' اضطراب اور شوق و قلق کا جذبہ پیدا کردیتا ہے اور اس کی حالت روز بروز اس شعر کا مصداق ہوتی جاتی ہے ۔

و یدرکنی فی ذکرھا قشعریرہ
لھا بین جلدی والعظام دبیب

حق سبحانہ کا ذکر کرتے کرتے آخر کار نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ جب بھی مومن کی زبان پر اللہ تعالیٰ کا مبارک نام آتا ہے تو اس پر اس طرح کی

کیفیت طاری ہوجاتی ہے گویا کہ ابھی روح اس کے بدن سے نکلی - چناں چہ جب یہ کیفیت مومن کے نفس میں متمکن ہوجائے اور اس کا نفس اسی کیفیت کے رنگ میں یکسر رنگا جائے تو اس کیفیت کو نسبت عشق کہتے ہیں -

افراد کاملین کا وہ گروہ جو فنا و بقا کے مقامات پر فائز ہے ان کے نزدیک اس نسبت عشق کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن - اس نسبت کا ظاہر تو یہ ہے کہ جس طرح نفس کی اور کیفیتیں انسان کے نسمہ میں اپنی جگہ بنا لیتی ہیں اسی طرح نسبت عشق بھی اسی نسمہ میں جاگزیں ہوجاتی ہے - نسبت عشق کا باطن اس محبت ذاتی سے عبارت ہے ، جس کاحامل انسان کا نفس مجرد ہوتا ہے بلکہ یہ محبت تو انسان کے اندر روح کے وجود میں آنے سے پہلے ہی پیدا ہوگئی ہوتی ہے -

نفس کی اور کیفیات کی طرح مومن کے نسمہ میں نسبت عشق جاگزیں ہوجاتی ہے - اس کے ساتھ اس میں محبت ذاتی بھی شامل ہوتی ہے اور اس طرح دونوں کے ملنے سے وہاں ایک مرکب سا بن جاتا ہے - اس مرکب کا جسم تو نسمہ کی یہ کیفیت عشق ہوتی ہے اور اس مرکب کی روح محبت ذاتی بن جاتی ہے - لیکن جس شخص پر یہ احوال و کوائف وارد ہوتے ہیں وہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کرپاتا - بہر حال اگر نسمہ کی اس کیفیت اور محبت ذاتی کا فرق سمجھ میں آجائے تو پھر صوفیاء کے ان دو متضاد اقوال میں مطابقت کرنا ممکن ہوجاتا ہے - صوفیاء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ قلق و اضطراب ایک عذاب ہے جسے محبوب کا وصل نصیب ہوگیا اسے پھر یہ عذاب کیوں دیا جانے لگا - دوسرے گروہ کا قول یہ ہے کہ عشق اور قلق و اضطراب ایسی کیفیات ہیں کہ نہ سالک سے یہ اس دنیا میں چھٹیں گی اور نہ دوسری دنیا میں یہ کیفیات اس سے دور ہوں گی -

بات یہ ہے کہ پہلا گروہ جب یہ کہتا ہے کہ محبوب کے وصال کے بعد قلق و اضطراب کیسے باقی رہے گا تو اس سے دراصل ان کا مطلب نسمہ کا قلق و اضطراب ہوتا ہے کیوں کہ وصال کے بعد نسمہ میں قلق و اضطراب کا رہنا تصور میں نہیں آسکتا ۔ دوسرا گروہ جب کہتا ہے کہ نہ صرف اس دنیا میں بلکہ دوسری دنیا میں بھی قلق و اضطراب کی کیفیت باقی رہے گی تو اس سے ان کی مراد محبت ذاتی ہے لیکن اس ضمن میں صورت حال یہ ہے کہ اکثر عارفوں کو نسمہ اور محبت ذاتی باہم مخلوط نظر آتے ہیں اور وہ ایک کو دوسرے الگ نہیں کرسکتے چناں چہ اسی بنیاد پر جب وہ اصل حقیقت کی تعبیر کرنے لگتے ہیں تو وہ ٹھیک طرح ان کی وضاحت نہیں کرپاتے ۔ اس مقام پر دو نکتوں کا سمجھنا ضروری ہے ۔

۱ ۔ اگر کسی عارف میں محبت ذاتی کم ہوجائے خواہ یہ کمی اس وجہ سے ہو کہ اس نے ذات حق کے وجود کو تمام اشیاء میں جاری و ساری دیکھا اور اس سے اس کے دل میں وہ اضطراب و شوق نہ رہا جو محبوب کی دوری سے پیدا ہوتا ہے ۔ بہرحال محبت ذاتی کی کمی کی کوئی بھی وجہ ہو ، یہ کمی عارف نہ فائز ہو ۔

۲ ۔ استقامت مزاج اور وفور عقل کے ہوتے ہوئے کسی شخص کا دنیا و آخرت کو ترک کردینا ، اس سے تجرد اختیار کرلینا اور اہل و عیال کی فکر سے درگذرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ نسبت عشق کی کیفیت اس شخص کے نسمہ میں مؤثر نہ ہو ۔ جس شخص کو یہ نسبت حاصل ہوتی ہے وہ تمام ما سوا اللہ پر پورا قابو پالیتا ہے اور ان سب چیزوں سے جو ما سوا اللہ کے حکم میں آتی ہیں وہ کلیّۃً اعراض بھی کرسکتا ہے ۔ چناں چہ اسی وجہ سے

نسبت عشق رکھنے والے عارف کی شان یہ ہوتی ہے کہ جو بھی اسے دیکھتا ہے اس سے عجز و فروتنی سے پیش آتا ہے -

نسبت وجد

نفس ناطقہ اپنی فطرت میں کچھ اس طرح واقع ہوا ہے کہ جو حالات اس پر گذرتے ہیں یہ ان حالات کا رنگ قبول کرلیتا ہے مثلاً محبت و نفرت ، غصہ و رضا مندی اور خوف و طمانیت کی کیفیات وغیرہ - ان میں سے بعض کیفیات تو پاک اور ملکی ہیں اور بعض ناپاک اور حیوانی و بہیمی - جب ان میں سے کوئی کیفیت نفس ناطقہ پر مؤثر ہوتی ہے تو اس سے دوسری کیفیت جو اس کی ضد ہو ، نفس ناطقہ سے از خود زائل ہوجاتی ہے -

انسان کی یہ نفسی کیفیات مختلف حالات کا نتیجہ ہوتی ہیں اور ان حالات کے اپنے اسباب ہوتے ہیں - جب سالک ان اسباب پر دسترس حاصل کرلے جو ملکی حالات کو پیدا کرتے ہیں اور ان کو تقویت بخشتے ہیں تو لامحالہ اس سے اس کے نفس ناطقہ میں اس قبیل کی کیفیات کی استعداد بھی پیدا ہوجاتی ہے اس ضمن میں اس کا نفس ناطقہ اتنا حساس ہوجاتا ہے کہ ایک ذرا سی تحریک جسے عرف عام ہم کسی شمار میں نہیں لاتے ، اس کے اندر غیر معمولی تاثیر پیدا کردیتی ہے -

جس شخص کا نفس ناطقہ ملکی اور الٰہی مؤثرات قبول کرنے میں ایسا ہی حساس ہو اس کے لئے ادنیٰ سا محرک بھی بڑی تاثیر رکھتا ہے لیکن جو شخص کند ذہن اور جامد طبیعت کا ہو اس کے نفس ناطقہ میں کسی ایسی بے حد لطیف کیفیت کا پیدا ہونا مشکل ہوتا ہے - اس شخص کو اپنے اندر اس قسم کی کیفیات پیدا کرنے کے لئے کسی سے عشق و محبت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ عشق و محبت پاک ہو اور اس میں شہوانیت

کی موزوں اور متناسب چال ڈھال اور اس کی رنگین عبارتیں اس پر بڑا اثر کرتی ہیں ۔ اس شخص کو محبوب کے وصال سے راحت اور اس کے فراق سے وحشت ہوتی ہے ۔ جب محبوب اس کی طرف التفات کرے تو اس کے دل کی کلی کھل جاتی ہے اور جب وہ اس سے بے التفاتی برتے تو وہ پژمردہ سا ہوجاتا ہے ۔ غرضیکہ عشق و محبت کے سلسلے میں اس شخص کو اس طرح کے یا ان سے ملتے جلتے احوال و معاملات سے سابقہ پڑتا ہے ۔

نفس ناطقہ میں لطیف کیفیات پیدا کرنے کے لئے کند ذہن اور جامد طبیعت والے کو سماع کی بھی ضرورت پڑتی ہے ۔ بہتر یہ ہے کہ سماع میں رنگین اشعار ہوں ۔ وہ نغمے اور زیر و بم کے ساتھ گائے جائیں ۔ خاص طور پر وہ اشعار زیادہ مؤثر ہوتے ہیں جن میں اچھے استعارے ہوں ، قافیے عمدہ ہوں اور ان کا اسلوب بیان بڑا وجد آور ہو ۔ اس ضمن میں اس شخص کے لئے رباب اور طنبورے کی موسیقی بھی مفید ہے کیوں کہ موسیقی سرور و مستی پیدا کرنے میں وہی تاثیر رکھتی ہے جو شراب میں ہوتی ہے ۔

شہوانیت سے پاک عشق ہو یا سماع شعر و نغمہ ، اگر کند ذہن اور جامد طبیعت والا برابر ان سے متمتع ہوتا رہے تو وقتاً فوقتاً اس کے نفس ناطقہ میں اس سے ایک نہ ایک کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے اور آہستہ آہستہ اس کا نفس ناطقہ ان کیفیات سے متصف ہوتا جاتا ہے ۔ چناں چہ اس طرح کند ذہن آدمی کی طبیعت کا جمود ٹوٹ جاتا ہے ۔

نفس ناطقہ کو متاثر کرنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ،اب وجد میں سے اکثر لوگ اس کی طرف راغب نظر آتے ہیں لیکن اس سلسلے میں شارع علیہ السلام نے وجد کے طالبوں کے لئے جو راہ تجویز فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی وعظ

سنے ، قرآن کی تلاوت کرے اور ساتھ ساتھ اس کے معانی پر غور کرے ۔ دوران تلاوت جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت کا ذکر آئے وہاں وہ اس سے رحمت چاہے ۔ جہاں عذاب کا ذکر ہو وہاں اس کے عذاب سے پناہ مانگے اور جن آیات میں صفات الٰہی کا بیان ہے ان کی تلاوت کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تمجید کرے ۔ اس کے علاوہ وہ رقت پیدا کرنے والی احادیث اور حکایات کو پڑھے اور ان کے مطالب کو اپنے ذہن میں بار بار دہرائے ۔

طبیعت کا جمود دور کرنے کے اس کے علاوہ بھی طریقے ہیں ۔ بعض دفعہ دریا کے جوش و خروش ، صحرا اور سمندر کی بے کنار وسعت دیکھ کر یا دل میں کسی خیال کے آنے سے جو کسی کیفیت کی یاد تازہ کردیتا ہے ، انسان پر یہ کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور اسی طرح بعض لطیف مضامین سننے سے بھی انسان کو وجد آجاتا ہے ۔

اہل کمال کے نزدیک نسبت وجد کے دو پہلو ہیں ایک ظاہر اور ایک باطن ۔ ظاہر سے مراد وجد کی کیفیات کا صرف نسمہ میں جاگزیں ہونا ہے اور اس کے باطن کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا لطیفہ مجردہ یعنی اس کی روح ایک معرفت کے بعد دوسری معرفت حاصل کرے اور خدا تعالیٰ کے ایک اسم میں فنا ہونے کے بعوہ اس کے دوسرے اسم میں فنا ہو ۔ خواجہ نقشبند نے اس کا نام قبض و بسط رکھا ہے ۔

جن لوگوں کو یہ نسبت حاصل ہوتی ہے ان میں سے اکثر سماع و وجد پر فریفتہ ہوتے ہیں ۔ ان میں سے جو فنا و بقا کے مقام پر سرفراز ہوتے ہیں ان پر نسبت وجد کی وجہ سے ایسے حقائق و معارف کا فیضان ہوتا ہے کہ زبان ان کو ادا کرنے سے قاصر ہے ۔

نسبت طریقہ ولی اللٰہیہ

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کا جس طرح تمام سلاسل سے ارتباط تھا اور آپ کو ان سلاسل سے نسبت خرقہ و بیعت تھی اسی طرح آپ ان تمام نسبتوں کے جامع تھے ۔ آپ نے تصوف کا جو نیا طریقہ نکالا اس کی نسبت میں بھی سب نسبتوں کی جامعیت پائی جاتی ہے ۔ اس نسبت کی وضاحت اور اس کے حصول کا طریقہ بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔

"جب فقیر نے جذب کی راہ طے کرلی تو اس کے سامنے ان تمام اکابر کی طرف ایک کشادہ راستہ کھل گیا اور اس نے اوپر بیان کردہ ساتوں کی ساتوں نسبتیں بطریق ذوق و وجدان اور واسطہ بحث و نظر معلوم کیں اور ان میں خوب تحقیق بھی کی چناں چہ اس فقیر کو جو نسبت عطا کی گئی ہے وہ انھی سات نسبتوں سے مرکب ہے ۔اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب میں خود اپنے آپ میں ہوتا ہوں تو مجھ پرایک ایسی اجمالی صورت ظاہر ہوتی ہے جو انھی ساتوں نسبتوں کا خلاصہ ہے ۔ جب میں اپنے آپ کو ان نسبتوں میں سے کسی ایک کے سپرد کردیتا ہوں اور اس کی طرف پوری طرح اپنے دل کو متوجہ کرلیتا ہوں تو مجھے خاص اسی نسبت میں استغراق حاصل ہوجاتا ہے ۔ چناں چہ ان دو حالتوں میں سے جہاں تک پہلی حالت کا تعلق ہے اس میں مجھ پر ان سات نسبتوں میں سے ہر نسبت کے آثار اجمالی طور پر اور ایک دوسرے سے ملے جلے ظاہر ہوتے ہیں اور دوسری حالت میں جبکہ میں صرف ایک نسبت کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تو خاص اس نسبت کے آثار بڑی تفصیل سے اور علیحدہ حیثیت میں مجھ پر ظاہر ہوتے ہیں ۔ بہر حال ان تمام نسبتوں میں اور خاص طور پران میں

اجمالی لحاظ سے مجھے بڑا رسوخ اور ثبات عطا کیا گیا ہے -

و لو انّ لی فی کلّ منبت شعرہ
لساناً لما استوفیت واجب حمدہ

اب اگر کوئی شخص ہماری نسبت کا طالب ہے تو سب سے پہلے اسے یہ کرنا چاہیے کہ وہ راہ جذب کو تا آخر تمام کرے لیکن یہ چغالباً کسی مجذوب کے فیض تربیت کے بغیر میسر نہیں آتی - اس کے لئے سالک کو چاہیے کہ وہ کسی مجذوب کے زیر عاطفت ، اس کی پر تاثیر شخصیت کی مدد سے اس مرحلے کو طے کرے - یاد رہے کہ اس معاملے کا تعلق تعلیم و تعلم اور گفت و شنید سے زیادہ نہیں - جب سالک راہ جذب کو تمام کرلے تو پھر مذکورہ ساتوں نسبتوں میں سے ایک ایک علیحدہ علیحدہ حاصل کرے اور ہر ایک سے فرداً فرداً اپنا ربط پیدا کرے - یہ سب کچھ کرنے کے بعد جب وہ مراقبے میں جائے تو سب سے پہلے طہارت ، سکینہ اور اویسیہ نسبتوں کی طرف متوجہ ہو - جب اس کی چشم بصیرت ان نسبتوں کو دیکھنے لگے تو سالک ان نسبتوں کو جاننے اور ان کے رنگ میں رنگے جانے کے بعد ایک قدم اور آگے بڑھے اور نسبت یاد داشت کو اپنا ممطع نظر بنائے اور کوشش کرے کہ اس کا اپنا نقطہ وجود یعنی وہ اصل حقیقت جس سے خود اسکی ذات عبارت ہے یا دوسرے لفظوں میں اس کا "انا" ذات باری تعالیٰ کی طرف جو تمام وجودوں کا سرچشمہ یعنی وجود خالص ہے ، متوجہ ہو اور اس امر میں وہ پوری طرح کوشاں رہے - یہی لب لباب ہے توحید کا اور یہی عشق کا مقصود ہے -

جب سالک تکمیل کی یہ منزل طے کرلے گا تو لا محالہ اس کے اندر حقیقت وجد بروئے کار آئے گی کیوں کہ اس نسبت کا یہ لازمی نتیجہ ہے ۔" (۱۱)

حواشی

۱ ۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی "ہمعات" حیدرآباد ، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، اول ، ۱۹۶۴ ع ، ص - ۴۳

۲ ۔ ایضاً ، ص - ۵۳

۳ ۔ ایضاً ، ص - ۵۵

۴ ۔ ایضاً

۵ ۔ ایضاً ، ص - ۵۶

۶ ۔ ایضاً ، ص - ۵۷ ، ۵۸

۷ ۔ ایضاً ، ص - ۶۰ تا ۶۴

۸ ۔ ایضاً ، ص - ۶۶

۹ ۔ ایضاً ، ص - ۷۳ ، ۷۴

۱۰ ۔ ایضاً ، ص - ۷۷

۱۱ ۔ ایضاً ، ص - ۸۷ ، ۸۸

ضمیمه جات

شجره طریقت ---- طریقه نقشبندیه

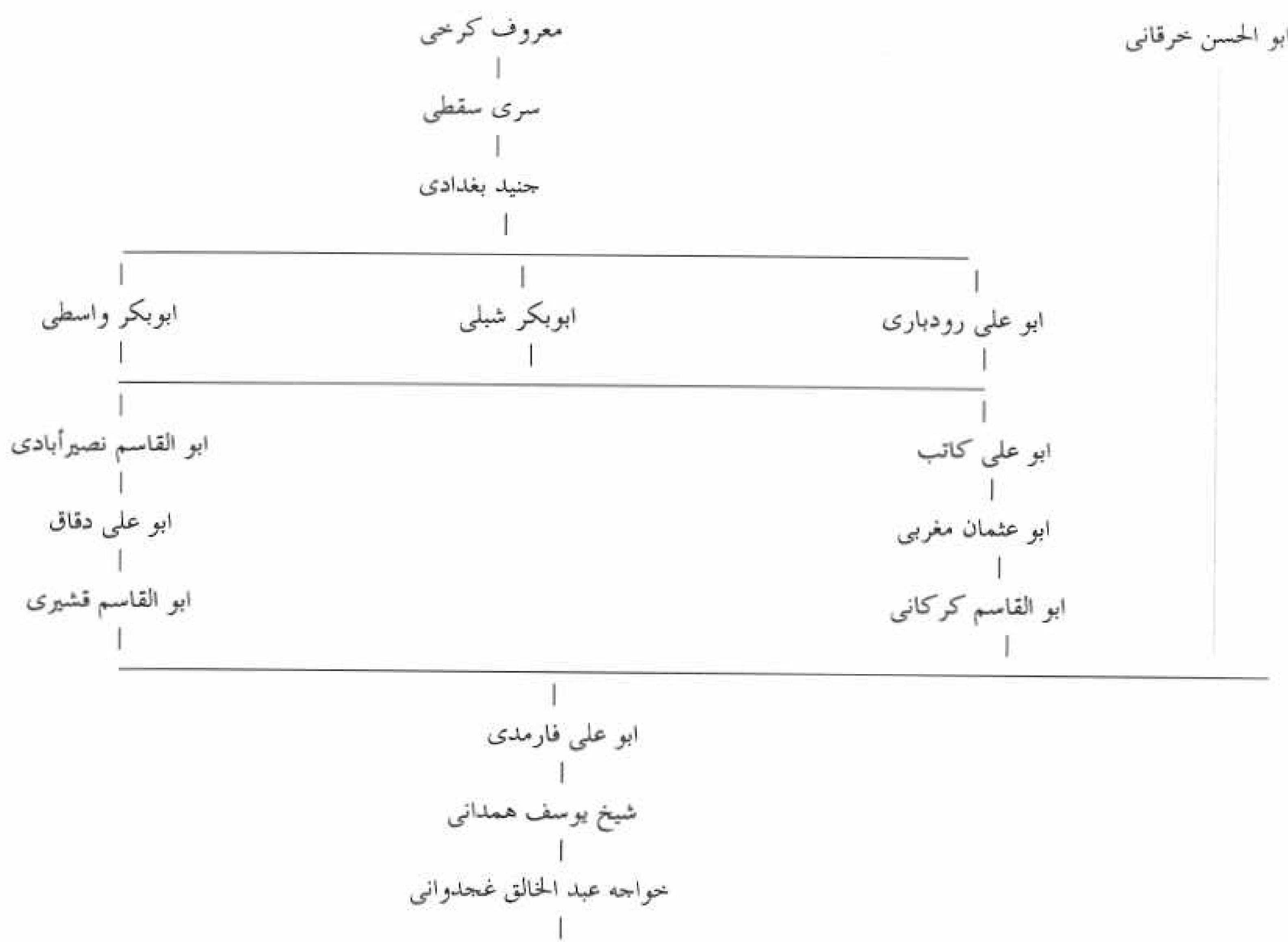
حضرت محمد مصطفی صلّی اللہ علیه و سلّم

- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنه
  - حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنه
    - قاسم بن محمد
- حضرت علی رضی اللہ عنه
  - حضرت حسین رضی اللہ عنه
    - زین العابدین
      - محمد باقر
- حضرت انس رضی اللہ عنه
  - حسن بصری
    - حبیب عجمی
      - داود طائی

قاسم بن محمد + محمد باقر ← جعفر صادق

جعفر صادق:
- با یزید بسطامی
- موسی رضا
  - علی بن موسی رضا

داود طائی + علی بن موسی رضا ← |


معروف کرخی
سری سقطی
جنید بغدادی
ابوبکر واسطی
ابوبکر شبلی
ابو علی رودباری
ابو القاسم نصیرأبادی
ابو علی دقاق
ابو القاسم قشیری
ابو علی کاتب
ابو عثمان مغربی
ابو القاسم کرکانی
ابو الحسن خرقانی
ابو علی فارمدی
شیخ یوسف همدانی
خواجه عبد الخالق غجدوانی

خواجه عارف ریوکری

خواجه علی رامیتنی

محمد بارسا

خواجه عزیزان

خواجه محمد بابا سماسی

خلیفه امیر کلال

خواجه بهاء الدین نقشبند

علاء الدین غجدوانی

عبیدالله احرار

خواجه یحیی

ملا محمد زاهد

مولانا محمد قاضی

علاء الدین عطار

مولانا نظام الدین خاموش

مولانا سعید الدین کاشغری

مولانا عبد الرحمن جامی

مولانا علاء الدین محمد
مولانا شیخ غیاث الدین احمد
ملا محمد امین
شیخ محمد بن محمد تهنیسی
شیخ احمد شناوی
شیخ احمد قشاشی
شیخ ابراهیم کردی
شیخ ابراهیم کردی

مخدوم الاعظم ملا خواجکی
ملا خورد عزیزان
ملا اکته الشیرغانی
ملا محمد عرب البلخی
سیّد میر کلال بلخی
شیخ احمد نخلی

ملا درویش محمد
ملا خواجه امکنکی
خواجه محمد باقی

تاج الدین سنبهلی
شیخ عبدا لله باقشیرمکی

شیخ احمد سهرندی

شیخ عبدا لله
میر موسی بهتی کوتی

شیخ محمد معصوم

خواجه خورد
سیّد عبدا لله

شیخ أدم بنوری

خواجه عبدالحق
امیر عبدا لله
میر ابو العلاء

ملا ولی محمد اکبر أبادی
میر ابوالقاسم اکبرأبادی

میر نور العلاء

شیخ ابو طاهر مدنی

ملا دلیل محمد

شاه عبدالرحیم

شاه ولی اللہ

شجره طریقت - - - طریقه حشتیه

حضرت علی رضی الله عنه

|

خواجه حسن بصری

|

شیخ عبدالواحد بن زید

|

شیخ فضیل بن عیاض

|

سلطان ابراهیم بن ادهم بلخی

|

خواجه حذیفه مرعشی

|

خواجه هبیره البصری

|

خواجه ممشاد علو دینوری

|

خواجه ابو اسحاق شامی

|

خواجه ابو احمد حشتی

|

شیخ ابو محمد حشتی

|

خواجه ابو یوسف حشتی

|

خواجه قطب الدین مودود حشتی

|

حاجی شریف زندنی

|

خواجه عثمان هرونی

خواجه معین الدین سجزی چشتی

خواجه قطب الدین بختیار کاکی

شیخ فرید الدین گنج شکر

- خواجه نظام الدین اولیاء
  - خواجه نصیر الدین چراغ دهلی
    - خواجه محمد رساوی
      - خواجه شیخ اختیارالدین عمر
        - خواجه سالار فاروقی
    - سیّد جلال الدین مخدوم جهانیان
      - سیّد صدر الدین راجو قتال
        - سیّد محمود
  - سراج عثمان اودهی
    - علاء الحق بن اسعد
      - خواجه نور قطب عالم
        - شیخ حسام الدین مانکپوری
          - سیّد راجی حامد شاه
- مخدوم علی صابر
  - شمس ۰ الدین ترك
    - شیخ جلال الدین بانی پتی
      - شیخ احمد عبدالحق
        - شیخ عارف
          - شیخ محمد بن عارف
            - شیخ عبدالقدوس

- خواجه حسن سرمست
  - خواجه اسماعيل بن حسين
    - خواجه خانو كواليارى
      - شيخ نظام الدين نارنولى
        - شيخ ابو الفضل
          - شيخ محمد عاقل
            - شيخ محمد
              - شيخ عبيد الله بهلتى

- سيّد عبدالوهاب بخارى
- حسن بن طاهر
  - قاضى خان يوسف ناصحى
    - شيخ عبدالعزيز
      - شيخ قطب عالم
        - شيخ رفيع الدين محمد
      - شيخ بدر الدين
        - شيخ عبد اللطيف
          - شيخ عظمت الله اكبر أبادى

- شيخ ركن الدين
  - شيخ عبد الاحد
    - شيخ احمد سرهندى
      - شيخ أدم بنورى
        - سيّد عبدالله

شيخ رفيع الدين محمد — شيخ عظمت الله اكبر أبادى — سيّد عبدالله

- شاه عبد الرحيم

شيخ عبيد الله بهلتى — شاه عبد الرحيم

- شاه ولى الله

شجره طریقت - - - طریقه قادریه

حضرت علی رضی اللہ عنه

حضرت حسن رضی اللہ عنه

- حسن مثنّی
- سیّد عبداللہ
- سیّد موسی الجون
- سیّد عبداللہ
- موسی ثانی
- سیّد داود امیر محمد اکبر
- میر محمد رومی
- سیّد یحیی زاهد

جنید بغدادی

- ابوبکر محمد بن دلف شبلی
- ابو الفضل عبدالواحد بن عبدالعزیز تمیمی
- ابو الفرج محمد بن عبداللہ طرطوسی
- شیخ ابو سعید مبارک بن علی بغدادی

سيّد عبدالله
|
ابو صامح موسى جنطى دوست
|
سيّد عبد القادر جيلانى
|

- سيّد عبدالرزاق
  - ابو صالح
    - ابو نصر
    - حسن
    - محمد
    - على
  - سيّد شرف الدين قتال
    - سيّد ثبدالوهاب
    - سيّد بهاء الدين
    - سيّد عقيل
    - شمس الدين صحرائى
- شيخ ابو محمد عبدا لله على اسدى يمنى
  - شيخ عبدا لله بن قاسم بن زريه
  - عبيدا لله بن يوسف اسدى
  - ابو محمد احمد اسدى
  - شيخ ابو احمد محمد بن احمد اسدى
  - شيخ فخر الدين ابوبكر محمد
  - شيخ محى الدين احمد بن محمد اسدى
- جمال الدين يونس بن يحيى هاشمى عباسى
  - اتان ةحى الدين محمد بن على عربى
  - عز احمد بن ابراهيم فاروقى
  - عمر بن حسن بن اميله المراغى
  - شمس الدين محمد بن محمد جزرى
  - شيخ كمال الدين عرف امام الكامللية
  - جلال الدين سيوطى

موسي
|
حسن
|
ابو العباس احمد
|
شيخ بهاؤالدين قادری
|
سيّد ابراهيم ايرجى
|
شيخ عبدالعزيز
|
شيخ عبداللطيف
|
شيخ عظمت الله اكبرأبادى

سيّد كدا رحمان
|
سيّد شمس الدين عارف
|
سيّد كدا رحمان
|
سيّد فضيل
|
شيخ كمال
|
شيخ عبدالاحد
|
شيخ احمد سهرندى
|
شيخ أدم بنورى
|
سيّد عبدالله

شاه عبدالرحيم

شيخ سراج الدين ابوبكر بن محمد سلامى
|
شيخ اسماعيل بن ابراهيم جبرتى يمنى
|
شيخ محمد اعز حاجى
|
شيخ اسماعيل بن صديق جبرتى
|
احمد بن موسى مسرع يمنى
|
جنيد بن احمد
|
شيخ عبدالقادر مسرع
|
شيخ سراج الدين عمر جبرئيل
|
شيخ امين بن صديق
|
شيخ محمد المدنى

شيخ عبدالوهاب شعراوى
|
شيخ قدوس
|
على بن القدوس
|
شيخ احمد شناوى

شيخ احمد قشاشى

شیخ ابراهیم کردی

شیخ ابو طاهر کردی

شاہ ولی اللہ

شجرہ طریقت – – – طریقہ قادریہ

شجره طریقت - - - طریقه سهروردیه

ابو القاسم جنید بغدادی

ابو علی رودباری

ابو علی کاتب

شیخ ابو عثمان مغربی

شیخ الو القاسم کرکانی

شیخ ابوبکر نساج

شیخ احمد غزالی

ابو نجیب سهروردی

ابو محمد رویم بن احمد البغدادی

ابو عبدالله محمد بن خفیف الشیرازی

ابو العباس نهاوندی

شیخ ممشاد علو دینوری

اخی الفرج زنجانی

شیخ احمد اسود دینوری

معمر محمد عمویه بن عبدالله سعد

قاضی وجیهه الدین عمر بن محمد

شیخ شهاب الدین سهروردی

شیخ نجیب الدین علی بن بزغش

شیخ نور الدین عبدالصمد طنزی

شیخ بهاؤالدین زکریا

شیخ صدر الدین

شیخ حسام الدین شمشیری — نجم الدین اصفہانی

شیخ جمال الدین یوسف کورانی

شیخ مور الدین عبدالرحمن مصری

ابوبکر بن محمد خوافی

فقیہہ علی بن محمد دمیاطی عرف زلیانی

شہاب احمد

شیخ الاسلام زکریا بن محمد انصاری

شیخ عبدالوہاب شعراوی

شیخ القدوس

شیخ علی بن القدوس

شیخ احمد شناوی

شیخ احمد قشاشی

شیخ ابراہیم کردی

شیخ ابو طاہر کردی

شیخ رکن الدین ابو الفتح

شیّد جلال الدین مخدوم جہانیان

سیّد صدر الدین راجو قتال

سیّد عبدالوہاب بخاری

شیخ عبدالعزیز

شیخ بدر الدین

شیخ عبداللطیف

شیخ عظمت اللہ اکبرآبادی

شاہ عبدالرحیم

شاہ ولی اللہ

شجره طریقت - - - طریقه شطاریه

حضرت جعفر صادق

|

شیخ بایزید بسطامی

|

شیخ محمد مغربی

|

شیخ ابو یزید عشقی

|

شیخ ابو المظفر ترک طوسی

|

شیخ ابو الحسن خرقانی

|

شیخ خدا قلی ماوراء النهری

|

شیخ محمد عاشق

|

شیخ محمد عارف

|

شیخ عبدا لله شطاری

|

شیخ محمد قاضی

|

شیخ هدیة ا لله سرمست

|

شیخ طهور

|

شیخ محمد غوث کوالیری

شیخ محمد غوث گوالیری

شیخ وجیهه الدین گجراتی
|
شیخ صبغة الله
|
شیخ احمد شناوی
|
شیخ احمد قشاشی
|
شیخ ابراهیم کردی
|
شیخ ابو طاهر کردی

شیخ لشکر محمد
|
شیخ عیسی سندهی برهانپوری
|
سیّد میر کلال
|
شیخ احمد نخلی

شاه ولی الله

شجره طریقت - - - طریقه شطاریه

شیخ بهاء الدین شطاری
|
سیّد ابراهیم ایرجی
|
شیخ لال میرتهی
|
شاه عبدالرحیم
|
شاه ولی الله

شجرہ طریقت - - - طریقہ شاذلیہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ

|

حضرت حسین رضی اللہ عنہ

|

شیخ ابو محمد جابر

|

شیخ سعید القروانی

|

شیخ فتح السعود

|

شیخ ابو القاسم مروانی

|

شیخ ابو اسحاق ابراھیم البصری

|

شیخ زین الدین محمد قزوینی

|

شیخ شمس الدین محمد

|

شیخ تاج الدین محمد

|

شیخ ابو الحسن علی

|

شیخ فخر الدین

|

شیخ تقی الدین صوفی عرف فقیهه مصفر

|

شیخ سیّد عبدالرحمن بن زیات مدنی

|

شیخ عبدالسلام بن مشیش

شیخ ابو الحسن شاذلی

سیّد ابو العباس المرسی

سیّد احمد بن عطاءا للہ اسکندری

تاج سبکی

علامہ محمد بن محمد جزری

شیخ الاسلام کمال الدین

شیخ ابراهیم العلقمی — سیّد محمد بن زین الدین

سیّد احمد بن قاسم العلامہ — سیّد حسن الانجیهی

شیخ احمد قشاشی

شیخ ابراهیم کردی

شیخ ابو طاهر کردی

شاہ ولی اللہ

شجرہ طریقت - - - طریقہ شاذلیہ

شجره طریقت --- طریقه مدینیه (مغاربه و عیدروسیه)

حضرت علی رضی اللہ عنہ

- جعفر صادق
  - علی عریضی
  - محمد
  - عیسی
  - احمد
  - عبداللہ
  - علوی
  - محمد
- سری سقطی
  - ابو حسین نوری
  - ابو عبداللہ حسین جوہری
  - شیخ عبد الجلیل
  - شیخ ابو شعیب ایوب
  - ساریه بن سعید
- سهل بن عبداللہ تستری
  - ابو الحسن محمد بن احمد بصری
- ابو القاسم جنید بغدادی
  - ابوبکر شبلی

(سهل بن عبداللہ تستری و ابوبکر شبلی)
- ابو طالب مکی محمد بن علی بن عطیه حارثی
  - شیخ امیر محمد عبداللہ بن یوسف جومینی
  - عبدالملك
  - ابو حامد محمد غزالی
- شاشی
  - ابوبکر طرطوسی

علوی

علی خالع قسم

محمد صاحب موباط

علی

ابوبکر محمد بن عبدالله المعروف به

ابوبکر بن عربی اندلسی اشبیلی

شیخ علی بن ملی حرزهم

ابو یعزا

ابو مدین مغربی

شیخ عبدالله صالح مغربی

شیخ عبدالرحمن مقتدا مغربی

محمد بن علی

علوی بن محمد

علی بن علوی

محمد بن علی الدویله

ابو محمد مغربی

قطب ابو محمد صالح

شریف ابو محمد ناجوزی

0368

شیخ جماعة طویل نامدی
ابو عبدالله عریان
شیخ مغلطائی بن فلیج
شیخ معمر محمد بن مخلص
سیّد صامح بن موسی زوادی
سیّد ابراهیم تازی
شیخ احمد محی دهرانی
شیخ سعید بن مصری
شیخ سعید بن ابراهیم جزائری
شیخ عیسی مغربی

سیّد عبدالرحمن بن محمد شفاف
سیّد عمر محضار
سیّد عفیف الدین عبدالله عیدروس
سیّد ابوبکر عیدروس
سیّد عبدالله بن شیخ
شیخ بن عبدالله عیدروس
سیّد عبدالله بن علی
سیّد محمد بن علوی
سیّد عبدالله بن علوی حداد
سیّد عبدالرحمن بن علی باعلوی

شیخ عبدالله بن سالم بصری
شیخ احمد نخلی

شیخ ابو طاهر کردی
شاه ولی الله

شجره طریقت - - - طریقه کبرویه

حضرت علی رضی اللہ عنه

ابو القاسم جنید بغدادی	شیخ کمیل بن زیاد
ممشاد دینوری	شیخ عبد الواحد بن زید
احمد بن یسار	شیخ ابو یعقوب سوسی
محمد بن عویه	شیخ ابو یعقوب نهرجوری
عمر بن محمد	شیخ ابو القاسم بن رمضان
شیخ عبدالله سهروردی	شیخ ابو العباس بن ادریس
شیخ ابو نجیب عبد القاهر سهروردی	شیخ داود بن محمد
شیخ عمار یاسر	محمد بن مالکیل
	شیخ اسماعیل قصری

شیخ نجم الدین کبری احمد بن عمر بن محمد خوارزمی

شیخ بابا کمال حیدری	مجد بغدادی
شیخ احمد مولانا	رضی الدین علی لالا بن سعید غزنوی
شیخ سلطان الدین	

خواجه بهاؤالدین محمد نقشبند	احمد رودباری	شیخ جمال الدین احمد جوزفانی

خواجه علاء الدین عطار سمرقندی
|
سیّد علی جرجانی
|
حافظ نور الدین احمد طاؤس
|
شیخ تاج الدین عبدالرحمن
بن مسعود کازرونی
|
سیّد غصنفر بن جعفر نهروانی

عبدالرحمن شرقی
|
شهاب دمشقی
|
ابو العباس احمد امزاهد
|
شیخ محمد بن عمر واسطی
|
شیخ الاسلام زین الدین زکریا
|
شیخ عبدالوهاب شعراوی
|
شیخ القدوس
|
شیخ علی بن القدوس

شیخ احمد شناوی
|
شیخ احمد قشاشی

شیخ نور الدین عبدالرحمن کسرفنی اسفرائینی
|
شیخ علاء الدین بن احمد بن محمد السمنانی

شیخ تقی الدین علی
دوستی السمنانی

شیخ شرف الدین محمود
بن عبدا لله مزدقانی

امیر سیّد علی همدانی
|
شیخ اسحاق ختلانی
|
سیّد عبدا لله برزش أبادی
|
شیخ رشید الدین محمد بیداوزی
|
شاه علی بیداوزی
|
شیخ حاجی محمد صدیق خبوشانی

شیخ ابراهیم کردی

|

شیخ ابو طاهر کردی

شیخ حسین خوارزمی

|

شیخ یعقوب صرفی کشمیری

|

شیخ احمد سهرندی

|

شیخ أدم بنوری

|

سیّد عبدا للہ

|

شاہ عبدالرحیم

|

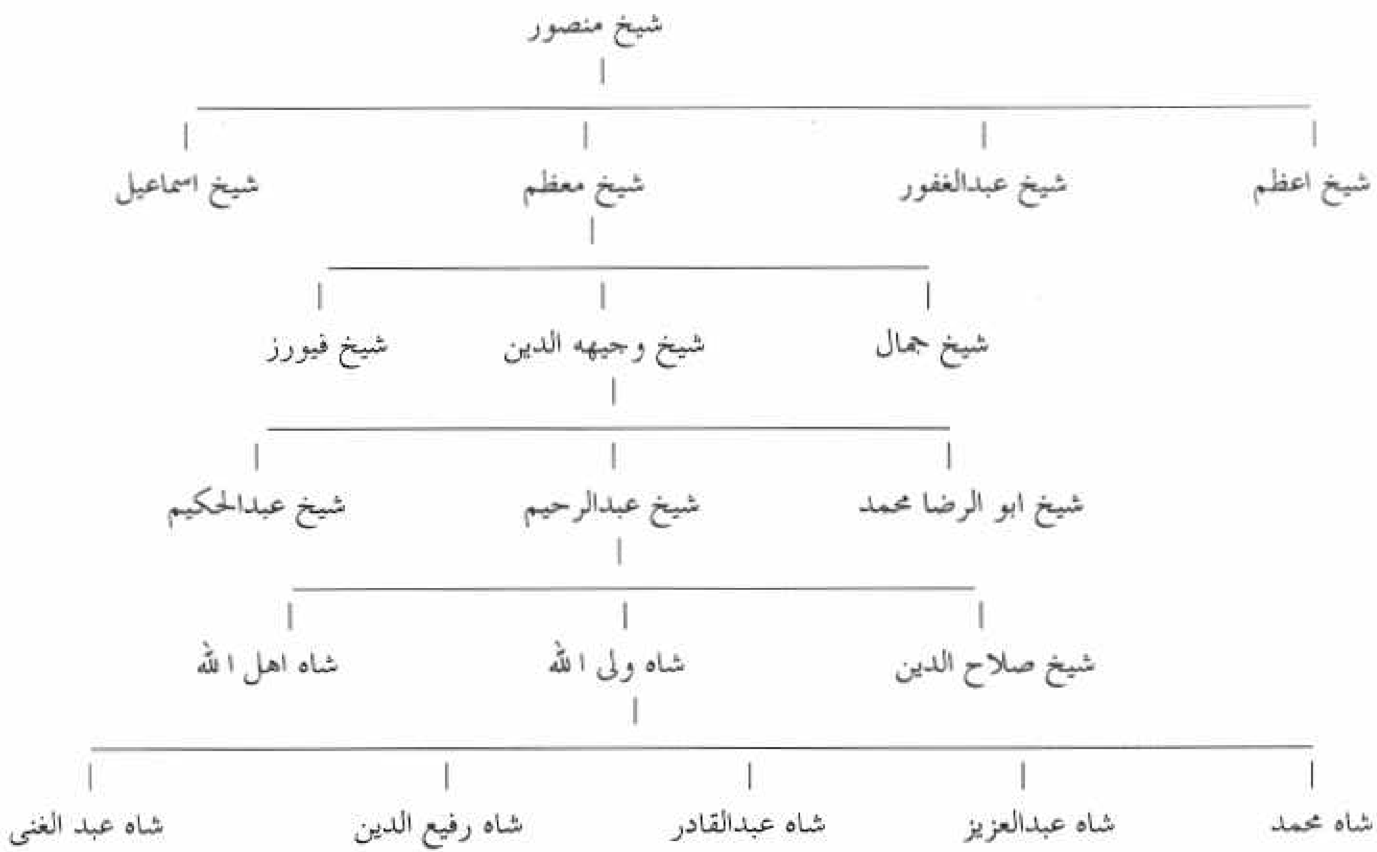
شاہ ولی اللہ

شجرہ طریقت - - - طریقہ کبرویہ

شجره نسب شاه ولی اللہ محدّث دهلوی

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه
|
حضرت عبداللہ رضی اللہ عنه
|
عفان
|
سلیمان
|
قریش
|
همایون
|
هامان
|
عثمان
|
محمد شهر یار
|
احمد
|
جرجیس
|
فاورق
|
عادل ملك
|
عمر حاکم ملك
|
ابو الفتح ملك
|
محمد عطا ملك
|

- شیر ملک
  - شمس الدین مفتی
    - کمال الدین مفتی
      - قطب الدین
        - عبدالملک
          - قاضی کبیر عرف قاضی بدها
            - قاضی قاسم
              - قاضی قوام الدین عرف قاضی قادن
                - شیخ أدم
                - شیخ محمود
                  - شیخ احمد
                    - شیخ منصور
                    - شیخ حسین
                      - محمد سلطان
                      - محمد مراد
              - کمال الدین
                - نظام الدین
            - قاضی منکن


شیخ منصور
شیخ اعظم
شیخ عبدالغفور
شیخ معظم
شیخ اسماعیل
شیخ جمال
شیخ وجیهه الدین
شیخ فیورز
شیخ ابو الرضا محمد
شیخ عبدالرحیم
شیخ عبدالحکیم
شیخ صلاح الدین
شاہ ولی اللہ
شاہ اہل اللہ
شاہ محمد
شاہ عبدالعزیز
شاہ عبدالقادر
شاہ رفیع الدین
شاہ عبد الغنی

شجره نسب اجداد مادری شاه عبدالرحیم

- شیخ طاهر
  - شیخ حسن
    - شیخ محمد خیالی
    - شیخ عبدالعزیز
      - شیخ قطب العالم
        - شیخ رفیع الدین

شجرہ نسب اجداد مادری شاہ ولی اللہ

- شیخ یوسف
  - شیخ احمد
  - شیخ محمود
    - شیخ فرید
      - شیخ فیروز
      - شیخ ابوالفتح
        - شیخ ابو الفضل
          - شیخ ابو الکرم
          - شیخ محمد عاقل
            - شیخ محمد (شاہ ولی اللہ کے نانا)
              - شیخ عبیداللہ (شاہ صاحب کے ماموں اور سسر)
                - شیخ عاشق
      - شیخ عبدالرحمن
    - شیخ محمد

سند القران الكريم

رب العالمين تبارك و تعالى

|

جبرئيل عليه السلام

|

محمد النبي صلى الله عليه و سلم

|

عثمان بن عفان

|

ابو عبدالرحمن عبدالله بن حبيب السلمى

|

عاصم

|

حفص

|

عبيد بن الصباح

|

احمد بن سهل الاشنانى

|

على بن محمد الهاشمى

|

الطاهر بن غلبون

|

عثمان بن سعيد الدال

|

سليمان بن نجاح الاموى

|

على بن محمد البلنسى

|

محمد بن ايوب الغافقى

|

القاسم بن احمد الزرقى

|

حسين الدمشقى

|

ابو العباس احمد بن حسین الدمشقی

|

محمد بن محمد الجزری

|

رضوان بن محمد العقبی

|

زکریا بن محمد الانصاری

|

ابو نصر الطبلاوی

|

عبدالرحمن بن شحاذة الیمانی

|

محمد بن قاسم البقری

|

عبد الخالق المنوخی

|

محمد فاضل سندهی

|

شاه عبدالرحیم

|

شاه ولی اللہ

سند القران الکریم

سند الموطا

امام مالك

يحيى الليثى

محمد بن وضاح

قاسم بن اصبغ

سعيد بن نصر

الحافظ ابن عبد البر

ابو على الغسانى — موسى بن تليد

القاضى عياض

يحيى بن محمد الصائغ

الفخر ابن البخارى

الصلاح المقدسى — ابو حفص المراغى

الحافظ ابن حجر العسقلانى

الزين الانصارى

محمد بن احمد الغيطى

سالم بن محمد السنهوری

محمد بن العلاء البابلی

حسن بن علی العجیمی | عبدالله بن سالم البصری | احمد بن محمد النخلی المکی | ابراهیم بن حسن الکردی

ابو طاهر محمد الکردی المدنی

شاه ولی الله

سند الموطا

سند ابو داود

امام ابو داود

اللؤلؤى

القاسم بن جعفر الهاشمی

الخطیب البغدادی

ابراهیم الکرخی

عمر بن طبرزد البغدادی

الحافظ عبد العظیم المنذری

ابو علی المطرز بن یوسف

الحافظ ابن حجر العسقلانی

الزین الانصاری

النجم الغیطی

سالم بن محمد السنهوری

محمد بن العلاء البابلی

حسن بن علی العجیمی | عبدالله بن سالم البصری | احمد بن محمد النخلی المکی | ابراهیم بن حسن الکردی

ابو طاهر محمد الکردی المدنی

شاه ولی الله

سند نسائی

امام نسائی

|

ابوبکر بن العنسی

|

ابو نصر الکسار الدینوری

|

ابو محمد الدوری

|

ابو زرعة طاهر بن محمد المقدسی

|

عبداللطیف

|

الحجار

|

البرهان التنوخی

|

حافظ ابن حجر العسقلانی

|

الزین الانصاری

|

النجم الغیطی

|

سالم بن محمد السنهوری

|

محمد بن العلاء البابلی

|

حسن بن علی العجیمی | عبدالله بن سالم البصری | احمد بن محمد النخلی المکی | ابراهیم بن حسن الکردی

|

ابو طاهر محمد الکردی المدنی

|

شاه ولی اللہ

سند ترمذی

امام ترمذی
|
ابو العباس المحبوبی
|
عبدالجبار الجراحی
|
ابو عامر
|
ابو الفتح الکروخی
|
عمر بن طبرزد البغدادی
|
الفخر بن البخاری
|
ابو حفص المراغی
|
حافظ ابن حجر العسقلانی
|
الزین الانصاری
|
النجم الغیطی
|
سالم بن محمد السنهوری
|
محمد بن العلاء البابلی
|

حسن بن علی العجیمی | عبداللہ بن سالم البصری | احمد بن محمد النخلی المکی | ابراهیم بن حسن الکردی

|
ابو طاهر محمد الکردی المدنی
|
شاه ولی اللہ

سند ابن ماجه

امام ابن ماجه

|

ابو الحسن القطان

|

القاسم بن ابى المنذر

|

محمد بن الحسن المقدسى

|

ابو زرعة طاهر بن ابى الفضل المقدسى

|

النجب بن ابى السعادات

|

الحجار

|

على بن ابى المجد

|

حافظ ابن حجر العسقلانى

|

الزين الانصارى

|

النجم الغيطى

|

سالم بن محمد السنهورى

|

محمد بن العلاء البابلى

|

حسن بن على العجيمى | عبدالله بن سالم البصرى | احمد بن محمد النخلى المكى | ابراهيم بن حسن الكردى

|

ابو طاهر محمد الكردى المدنى

|

شاه ولى الله

سند سنن بیهقی

امام بیهقی

زاہر بن طاہر بن محمد الشحامی

ابو القاسم عبدالصمد بن محمد امہرستانی

الفخر بن البخاری

الصلاح المقدسی — ابو حفص المراغی

حافظ ابن حجر العسقلانی

الزین الانصاری

النجم الغیطی

سالم بن محمد السنہوری

محمد بن العلاء البابلی

حسن بن علی العجیمی — عبدالله بن سالم البصری — احمد بن محمد النخلی المکی — ابراهیم بن حسن الکردی

ابو طاہر محمد الکردی المدنی

شاہ ولی اللہ

سند الدارمی

امام الدارمی

|

ابو عمران عیسی بن عمر السمرقندی

|

السرخسی

|

ابو المظفر الداوودی

|

ابو الوقت عبد الاول السجزی

|

عبدالله بن عمر اللیثی

|

الحجار

|

البرهان التنوخی

|

حافظ ابن حجر العسقلانی

|

الزین الانصاری

|

النجم الغیطی

|

سالم بن محمد السنهوری

|

محمد بن العلاء البابلی

|

حسن بن علی العجیمی | عبدالله بن سالم البصری | احمد بن محمد النخلی المکی | ابراهیم بن حسن الکردی

|

ابو طاهر محمد الکردی المدنی

|

شاه ولی الله

سند الدارقطنی

امام الدارقطنی

|

ابو الحسن ابن المهتدی

|

المبارک ابن الحسن

|

احمد بن عمر القطیعی

|

الحجار

|

البرهان التنوخی

|

حافظ ابن حجر العسقلانی

|

الزین الانصاری

|

النجم الغیطی

|

سالم بن محمد السنهوری

|

محمد بن العلاء البابلی

|

حسن بن علی العجیمی | عبدالله بن سالم البصری | احمد بن محمد النخلی المکی | ابراهیم بن حسن الکردی

|

ابو طاهر محمد الکردی المدنی

|

شاه ولی الله

سند - - - مسند امام احمد بن حنبل

حافظ ابن حجر العسقلانی

|

الزین الانصاری

|

النجم الغیطی

|

سالم بن محمد السنهوری

|

محمد بن العلاء البابلی

|

حسن بن علی العجیمی — عبدالله بن سالم البصری — احمد بن محمد النخلی المکی — ابراهیم بن حسن الکردی

|

ابو طاهر محمد الکردی المدنی

|

شاہ ولی اللہ

سند دعائی سیفی و جواهر خمسه

شیخ محمد غوث گوالیری

|

شیخ وجیهه الدین گجراتی

|

شیخ بایزید ثانی

|

شیخ عبدالملك

|

شیخ محمد اشرف لاهوری

|

شیخ محمد سعید لاهوری

|

شاه ولی الله

سند کتاب قوت القلوب

ابو طالب مکی

|

عمر بن ابی طالب مکی

|

ابو علی محمد بن محمد بن عبدالعزیز مهدوی

|

ابو الفتح محمد بن یحیی بروانی

|

عبدالعزیز بن دلف

|

ابو العباس احمد بن ابو طالب حجازی

|

ابو اسحاق برهان تنوخی

|

شهاب احمد بن محمد حجازی

|

ابو الفضل جلال الدین سیوطی

|

علی بن ابوبکر القرانی

|

احمد بن عیسی بن جمیل الکلبی

|

شیخ محمد بن علاء البابلی

|

شیخ احمد نخلی

|

شیخ ابو طاهر مدنی

|

شاه ولی اللہ

سند تسبیح

حسن بصری

|

عمر مکی

|

بشر حافی

|

معروف کرخی

|

سری بن مفلس سقطی

|

جنید بغدادی

|

ابو الحسن المالکی

|

ابو الحسن علی بن حسین بن قاسم صوفی

|

ابو نصر عبدالوهاب بن عبدا للّٰه بن عمر

|

ابوبکر محمد بن علی سلامی حداد

|

ابو محمد عبدا للّٰه سمرقندی

|

ابو الفضل محمد بن ناصر

|

ابو الجیش مقری

|

مجددالدین عبدالصمد بن ابو الجیش مقری

|

تقی الدین بن ابو ثنا محمود بن یعلی

|

جمال الدین یوسف بن محمد الامیری

|

مجددالدین محمد بن یعقوب بن محمد الفیروزآبادی

|

ابو العباس احمد بن ابوبکر الرداد

|

ابو الفتح مراعی

|

سیّد ابراهیم تازی

|

سیّد احمد حجی

|

ابو عثمان المقری

|

ابو عثمان جزائری

|

محمد بن محمد بن سلمان المغربی

|

شیخ عبدالله بصری مکّی

|

شیخ عمر

|

شاه ولی الله

سند عوارف المعارف و اوراد ر اشغال سهروردیه

شیخ شهاب الدین سهروردی

|

تقی سلیمان بن حمزة مقدسی

|

ابو الحسن بن ابو المجد دمشقی

|

حافظ شهاب الدین احمد بن حجر عسقلانی

|

زین زکریا

|

شیخ عبد الوهاب شعراوی

|

شیخ قدوس

|

شیخ علی بن قدوس

|

شیخ احمد شناوی

|

شیخ احمد قشاشی

|

شیخ ابراهیم کردی

|

شیخ ابو طاهر مدنی

|

شاه ولی الله

سند حزب البحر

ابو الحسن شاذلی

|

امام ابو العباس احمد بن عمر موسی

|

شیخ احمد بن عطاء اللہ

|

تقی علی بن کافی سبکی

|

تاج عبدالوهاب بن علی سبکی

|

عز عبدالرحیم بن فرات

|

شیخ الاسلام زکریا

|

نجم غیطی

|

سالم سنهوری

|

شیخ محمد بن علاء

|

شیخ احمد نخلی

|

شیخ ابو طاهر مدنی

|

شاه ولی اللہ

سند قصیدہ بردہ

شرف الدین محمد بن سعید حماد البوصیری

|

علی بن جابر ہاشمی

|

صلاح محمد بن محمد بن الحسن شاذلی

|

ابو اسحاق صالحی

|

شیخ الاسلام زکریا

|

نجم غیطی

|

سالم سنہوری

|

محمد بن علاء العاملی

|

شیخ احمد نخلی

|

شیخ ابو طاہر کردی

|

شاہ ولی اللہ

سند دلائل الخیرات

سیّد شریف محمد بن سلیمان جزولی

|

احمد

|

محمد

|

احمد

|

سیّد عبدالرحمٰن ادریسی

|

شیخ احمد نخلی

|

شیخ ابو طاهر مدنی

|

شاه ولی الله محدث دہلوی

اختتامیه

اختتامیہ

اس عاجز پر اللہ تعالیٰ کے ان گنت احسانوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس ذات وحدہ لا شریک نے اس مقالے کو تکمیل کے مرحلے تک پہنچایا ۔

شاہ صاحب کا مسلک ہر معاملے میں اعتدال پسندی ہے ۔ تصوف میں بھی آپ کا یہی مسلک ہے ۔ آپ نے کسی گروہ کی محض تعصب کی بنا پر تکفیر نہیں کی ۔ شاہ صاحب مجدد کے منصب پر فائز تھے ۔ اس احسان خداوندی کا ذکر آپ نے ان الفاظ میں کیا ہے ۔

"و لما تمت بی دورة الحکمة البسنی اللہ سبحانہ خلعة المجددیة فعلمت علم الجمع بین المختلفات ، و علمت انّ الرای فی الشریعة تحریف و فی القضا مکرمة ۔" (۱)

حدیث نبوی ﷺ کے مطابق ہر سو سال کے بعد امت مسلمہ کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مامور کردیتا ہے جسے اصطلاح میں مجدد کہا جاتا ہے ۔ (۲) شاہ صاحب نے دین کے ہر شعبے میں پیدا ہوجانے والی خرابیوں کی اصلاح کی ۔ قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کرکے عوام الناس کو براہ راست قرآن میں تدبر و تفکر کی طرف مائل کیا ۔ علم حدیث جو بر صغیر پاک و ہند میں تقریباً متروک ہوگیا تھا ،اس کو از سر نو ترویج دیا ۔ فقہ میں علماء کی سختیوں کو کم کرکے اہل سنّت کے چاروں مذاہب میں باہمی توافق پیدا کرنے پر زور دیا ۔ اسی طرح آپ نے تصوف میں پیدا ہوجانے والی خرابیوں کو بھی دور کرنے کی سعی کی ۔ تصوف میں آپ کا طریقہ اس وقت دنیا میں موجود تمام

طرق تصوف کا جامع ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے دل پر بذریعہ الہام القا کیا گیا (۳) اور حضور اکرم ﷺ سے بذریعہ کشف آپ کو معلوم ہوا (۴) ۔ شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں ۔

"اما انا فالھمنی اللہ انی اعطتک طریقاً من السلوک ھو اقرب الطرق و اوثقھا ۔" (۵)

شاہ صاحب کے اس طریقے کا حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے بھی ذکر کیا ۔ (٦) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے طریقے ہی کو افراط و تفریط سے خالی قرار دیا ۔

"شاہ عبدالعزیز نے خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ۔ امیرالمومنین نے انہیں یقین دلایا کہ عام طور پر فقہا اور صوفیہ کے مروّجہ طریقے افراط و تفریط سے خالی نہیں لیکن قرون اولیٰ کے مطابق صرف وہی طریقہ ہے جس کی دعوت امام ولی اللہ دیتے ہیں ۔" (۷)

اس کار مشکل کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فائز کیا تھا اس لئے آپ پیدائشی طور پر ہی غیر معمولی ذہن و ذکاوت کے مالک تھے ۔ ظاہری مروجہ علوم کی تکمیل آپ نے پندرہ برس کی عمر ہی میں کرلی تھی ۔ باطنی علوم کے فیضان اور تحقیق کے سلسلے میں بھی ان کا وہ بلند مقام اور مرتبہ تھا کہ آنے والے دور کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو "فاتحیت کا خلعت" پہنایا ۔" (۸) شاہ صاحب نے ہر پرانے بوسیدہ نظام کو توڑنے کا اعلان کیا ۔ (۹)

شاہ صاحب نے تصوف کی اصلاح تو یقیناً کی لیکن جہاں آپ نے قرآن و حدیث کے خلاف مروجہ تصوف کی تعلیمات کو پیش کیا تو وہاں یہ بھی بتا دیا کہ شارع علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اس موقعے کے لئے کیا احکام دیے ہیں ۔

شاہ صاحب کی تعلمات کو سمجھنا انتہائی مشکل کام ہے ۔ میں اس سلسلے میں صرف یہی عرض کرسکتا ہوں کہ اگر توفیق ایزدی شامل حال نہ ہوتی تو یہ مقالہ کبھی تکمیل کے مراحل تک نہ پہنچتا ۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ، والصلوٰۃ و السلام علیٰ رسولہ الکریم ۔

حواشی

۱ ـ ولی اللہ شاہ ، دہلوی "التفہیمات الالٰہیۃ" الجز الاول ، حیدرآباد ، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، ۱۹٦۷ ـ ص - ۵۴

۲ ـ سنن ابی داؤد بحوالہ مندرجہ بالا

۳ ـ ملاحظہ کیجئے مقالہ ھٰذا ، ص -

۴ ـ ولی اللہ شاہ ، دہلوی "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ" دہلی ، آرمی برقی پریس ، ۱۳۴۴ ھ ، ص - ۸

۵ ـ "التفہیمات الالٰہیۃ" محولہ بالا ، ص - ٦۱

٦ ـ ملاحظہ کیجئے مقالہ ھٰذا ، ص -

۷ ـ سندھی ، مولانا عبیداللہ ، "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" لاہور ، سندھ ساگر اکادمی ، اکتوبر ۱۹۵۲ ع ، ص - ۵۹

۸ ـ ولی اللہ شاہ ، دہلوی "الجز اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف" مشمولہ انفاس العارفین ، دہلی ، مطبع مجتبائی ، ۱۳۳۵ ھ

۹ ـ ولی اللہ شاہ ، دہلوی "فیوض الحرمین" ، کراچی قرآن محل ، ص - ۲٦۸

كتابيات

آزاد، مولانا ابوالکلام، تذکرہ، کلکتہ ، البلاغ پریس، اول ۱۹۱۹ء

احمد الرفاعی، حالۃ اھل الحقیقۃ مع اللہ، حلب، مکتبہ ربیع، ۱۳۸۲ھ

احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی، امرتسر، مطبع مجددی ۱۳۲۹ھ

احمد، شمس الدین، اصطلاحات صوفیہ، لکھنؤ، مطبع نامی، ۱۳۲۲ھ

اختر، خواجہ عباد اللہ، علم تصوف، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۳۷۲ھ

اختر، مرزا احمد، تذکرہ اولیائے ہندو پاکستان، دہلی کتاب خانہ رشیدیہ، ۱۹۶۶ء

الازرقی، ابن احمد، ابوالولید محمد ابن عبداللہ، اخبار مکۃ المشرفۃ، بیروت، مکتبہ خیاط، ۱۹۶۴ع

اقبال، علامہ ڈاکٹر محمد، بال جبریل، لاہور، پاکستان ٹائمز پریس، دسمبر ۱۹۵۹ء

اکرام، شیخ محمد، رود کوثر، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۵۸ء

ابوالامان امرتسری، سکھ مسلم تاریخ حقیقت کے آئینہ میں، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان، ۱۹۵۸ء

امیر خورد، محمد مبارک علی سیدّ، سیر الاولیاء، دہلی، مطبع محبّ ہند، ۱۳۰۲ھ

انصاری، خواجہ عبداللہ ہروی، طبقات الصوفیہ، کابل، انجمن وزارت و معارف، ۱۳۴۱ھ

انصاری، عبداللہ، کتاب منازل السائرین، قاہرہ، مطبع معہد العلمی، ۱۹۶۲ء

ایرانی، باقوی، سیر و سلوک، اصفہان، چاپ خانہ، فردوسی، ۱۳۲۳ھ

باباشاہ، مسافر، ملفوظات نقشبندیہ، اورنگ آباد، نظامت امور مذہبی سرکار عالی، ۱۳۵۸ھ

باقر لاہوری، محمد، کنز الہدایت، لاہور، سیفی عبد المجید احمد حکیم، ۱۳۷۶ھ

بخاری، ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، مصر، ادارہ الطباعۃ المنیریۃ

برکاتی، محمود احمد، شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، لاہور، مجلس اشاعت اسلام، ۱۹۷۶ء

برکاتی، محمود احمد (مرتب) سیرت فریدیہ (از سر سید احمد خان)، کراچی، پاک اکیڈمی، ۱۹۶۴ع

بلال زبیری، فرقے اور مسالک، جھنگ، ادبی اکیڈمی، اعوان منزل، دوم دسمبر ۱۹۷۶ء

البنیان المشید ترجمہ البرہان المؤید، رسالہ ہادی، جمادی الثانی، ۱۳۵۷ھ، دہلی، کتب خانہ اشرفیہ

تاراچند، ڈاکٹر، (مترجم مسعود احمد)، تمدن ہند پر اسلامی اثرات، لاہور، مجلس ترقی ادب، اول ۱۹۶۴ء

توکلی، نور بخش علامہ، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، لاہور، نوری بک ڈپو، دوم، ۱۹۷۶ء

تھانوی، اشرف علی مولانا، ارواح ثلاثہ، لاہور، اسلامی اکیڈمی، ۱۹۷۶ء

تھانوی، اشرف علی مولانا، شریعت اور طریقت، کراچی، مکتبہ تھانوی

تھانوی، اشرف علی مولانا، حقیقت تصوف و تقویٰ، ملتان، عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، ۱۹۷۱ء

تھانوی، اشرف علی مولانا، روح تصوف، دار الاشاعت، ۱۳۸۳ھ

جامی، عبد الرحمن، نفحات الانس، مطبع لیسی، ۱۸۵۸ء

جلباني، غلام حسین، شاہ ولي اللہ جي زندگي، حيدر آباد، شاہ ولي اللہ اکيڈمي

جلبانی، غلام حسین، شاہ ولی اللہ کی تعلیم، حیدر آباد، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی، ۱۹۶۳ء

جمعہ، محمد لطفی، (مترجم ڈاکٹر میر ولی الدین)، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، کراچی، مسعود پبلشنگ ہاؤس، ستمبر ۱۹۶۴ء

ابن الجوزی، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن، تلبیس ابلیس، کراچی، نور محمد اصح المطابع

جیلانی، شیخ عبد القادرؒ (مترجم ثناء اللہ ندوی) الفتح الربانی، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، اول ۱۹۶۲ء

جہانگیر، نور الدین محمد، تزک جہانگیری، لکھنؤ، منشی نولکشور

حضرت الہدیہ ابن شیخ عبد الرحیم (مترجم محمد معین الدین دردائی) سیر الاقطاب (اردو ترجمہ موسومہ تذکرہ خواجگان چشت)، کراچی، نفیس اکیڈیمی، ۱۹۷۲ء

الحکمہ، شمارہ اول ۱۹۶۴ء، مقالہ ڈاکٹر بالیپوٹہ

حیرت دہلوی، مرزا، حیات طیبہ، لاہور، مکتبہ السلام، سوم ۱۹۵۸ء

خافی خان، نظام الملک ہاشم علی خان، (مترجم محمود احمد فاروقی) منتخب اللباب، کراچی، نفیس اکیڈیمی، اول ۱۹۶۳ء

ابن خلدون، مقدمہ، مصر، المطبعۃ البیدیہ

خواجہ عبد الحکیم، مقالہ سہ ماہی اردو اقبال نمبر، ۸، ۱۹۳۸ء

خورجوی، نقی محمد خان، خان بہادر، حیات حضرت امیر خسرو، کراچی، ٹائمز پریس

دارا شکوہ، شہزادہ (مترجم پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی)، سکینۃ الاولیاء، لاہور، پیجز لمیٹڈ

داراشکوہ، شہزادہ (مترجم محمد علی لطفی)، سفینۃ الاولیا، کراچی، نفیس اکیڈیمی، دوم ۱۹۶۱ء

ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود، مصر، مصطفیٰ محمد

دریابادی، عبد الماجد، تصوف اسلام، اعظم گڈھ، مطبع معارف، ۱۹۴۶ء

دہلوی، عبد الحق محدث، شیخ (مترجم مولانا اقبال الدین احمد) اخبار الاخیار، کراچی، دار الاشاعت، اول ۱۹۶۳ء

ڈار، بشیر احمد، تاریخ تصوف قبل از اسلام، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۳۸۴ھ

ذوقی، شاہ محمد، سر دلبراں، کراچی محفل ذوقیہ، ۱۳۸۸ھ

رحیم بخش، مولوی، حیات ولی، دہلی، افضل المطابع

رکن الدین، عماد الدین، شمائل الاتقیاء، حیدر آباد دکن، اشرف پریس، ۱۳۴۷ھ

روم، مولانا جلال الدین، مثنوی، بمبئی، مطبع کریمی، جمادی الثانی، ۱۳۴۰ھ

زکی مبارک، التصوف الاسلامی فی الادب والاخلاق، مصر، دار الکتاب العربی، ۱۳۷۳ھ

زکریا، محمد، تاریخ مشائخ چشت، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۳۹۷ھ

ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد، الطبقات الکبیر، اردو ترجمہ موسومہ طبقات ابن سعد، کراچی، نفیس اکیڈیمی، دوم

ابو سعید، نور الدین، ڈاکٹر، اسلامی تصوف اور اقبال، کراچی، اقبال اکیڈیمی، ۱۹۵۹ء

سندھی، مولانا عبید اللہ، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، لاہور، سندھ ساگر اکادمی، اکتوبر ۱۹۵۲ء

سہروردی، عمر بن شہاب الدین (مترجم حافظ رشید احمد) عوارف المعارف، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۲ء

سیّد عبد الحیٔ، دہلی اور اس کے اطراف، دہلی، ۱۹۵۸ء

شبلی نعمانی، علامہ، الغزالی، لاہور، ثناء اللہ خان، دوم ۱۹۵۲ء

شبلی نعمانی، علامہ، علم الکلام اور الکلام، کراچی، مسعود پبلشنگ ہاؤس، دوم ۱۹۶۷ء

شعرانی، عبد الوہاب، الطبقات الکبریٰ، مصر، مطبعہ العامرہ الشرفیہ، ۱۳۱۵ھ

شریف، عبد الحیٔ، علامہ بن فخر الدین الحسینی، نزھۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر، حیدر آباد دکن، مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ، اول ۱۹۵۷ء

شفیق، میاں محمد، سلطنت مغلیہ کا زوال، لاہور، تعلیمی ادارہ

صارم الازہری، عبد الصمد، تاریخ تصوف، لاہور، ادارہ علمیہ

صباح الدین عبد الرحمٰن، ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، اعظم گڈھ، معارف پریس، ۱۹۶۴ء

صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم صوفیہ، اعظم گڈھ، مطبع معارف، ۱۳۴۹ھ

ابو طالب مکی، قوت القلوب، قاہرہ، مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۲ھ

طباطبائی، غلام حسین، سیر المتاخرین، مطبع منشی نولکشور

الطوسی، ابی نصر عبد اللہ بن علی السراج، کتاب اللمع فی التصوف، لیدن مطبع بریل، ۱۹۱۴ء

عبدالباری، تجدید تصوف وسلوک، کراچی، نفیس اکیڈیمی، ۱۹۶۲ء

ابن عربی، محی الدین، الفتوحات المکیہ، مصر، دار الکتب العربیۃ، ۱۳۲۹ھ

ابن عربی، محی الدین، فصوص الحکم، مصر، دار الاحیاء الکتب العربیۃ، ۱۳۶۵ھ

عطار، فرید الدین، ابو حامد محمد بن ابی بکر ابراہیم، تذکرۃ الاولیاء، لاہور، مطبع محمدی، ۱۳۶۶ھ

غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، کیمیائے سعادت، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۲۷۷ھ

غلام علی شاہ دہلوی، رسالہ درذکر نقشبندیہ مجددیہ، حیدر آباد دکن، حاجی محبوب الٰہی، ۱۳۳۵ھ

فانی، محسن، دبستان مذاہب، بمبئی، مطبع ہندو، ۱۲۶۲ھ

فریدی، محمد عالم، اولیائے دہلی، دہلی جید برقی پریس، ۱۳۸۵ھ

فریدی، محمد لطیف، انوار صوفیہ، لاہور، شعاع ادب، ۱۹۶۵ء

قادری، محمد ایوب (مرتب) مجموعہ وصایا اربعہ، حیدر آباد، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی، اول ۱۹۶۴ء

قاسم غنی، دکتر، تاریخ تصوف در اسلام، ایران، چھاپہ نقش جہان، دوم

قانع ٹھٹوی، میر علی شیر، مقالات الشعراء، کراچی، سندھی ادبی بورڈ، اول ۱۹۵۷ء

قدوسی، اسد الرحمٰن، معارف وطریقت، لاہور، گوشہ ادب، ۱۳۸۲ھ

قدوسی، اعجاز الحق، تذکرہ صوفیائے بنگال، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، اول ۱۹۶۵ء

قدوسی، اعجاز الحق، تذکرہ صوفیائے سرحد، کراچی، مرکزی اردو بورڈ، اول ۱۹۶۶ء

قرآن مجید

قشیری، ابی القاسم عبدالکریم، الرسالۃ القشیریۃ، مصر، دار التالیف، اول ۱۳۸۵ھ

ابن القیم الجوزی، ابی عبداللہ، زادالمعاد فی ھدی خیر العباد، مصر، محمد علی صبیح، ۱۳۵۳ھ

الکلاباذی، ابوبکر بن ابو اسحاق (مترجم پیر محمد حسن) التعرف لمذہب اہل التصوف، لاہور، گنج بخش رود،
اول ۱۳۹۱ھ

گودھروی، محمد اسماعیل، مولانا ابوالعلا، ولی اللہ، دہلی، جامعہ ملیہ پریس، اول

گیلانی، مناظر احسن، مولانا، مقالات احسانی، کراچی، ادارہ مجلس علمی، ۱۹۵۹ء

گیلانی، مناظر احسن، مولانا، تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ، کراچی، نفیس اکیڈیمی، پنجم، ۱۹۶۸ء

لاہوری، غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء، لاہور المعارف گنج بخش روڈ، اول ۱۳۹۲ھ

لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، مصر المطبعۃ البہدیۃ، ۱۲۹۰ھ

ماجد علی خان، ڈاکٹر، مقالہ مطبوعہ ماہنامہ جامعہ، دہلی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، مئی ۱۹۷۸ء

محمد ساقی مستعد خان، مآثر عالمگیری، کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۸۷۱ء

محمد سرور، پروفیسر، مولانا عبیداللہ سندھی، لاہور، سندھ ساگر اکادمی، اکتوبر ۱۹۴۳ء

محمد سرور،، پروفیسر، ارمغان شاہ ولی اللہ، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، اول ۱۹۷۱ء

محمد میاں، مولانا سیدؔ، علمائے ہند کا شاندار ماضی، دہلی، الجمیعۃ بک ڈپو، ۱۹۵۷ء

مسعود، وحید احمد، سوانح خواجہ معین العین چشتی، کراچی، سلمان اکیڈمی، ۱۳۹۰ھ

مشکوٰۃ المصابیح، کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، ۱۳۶۸ھ

مصطفٰی حلمی پاشا، ڈاکٹر (مترجم رئیس احمد جعفری) تاریخ تصوف اسلام، لاہور کتاب منزل، اول ۱۹۵۰

مظہر بقا، ڈاکٹر، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۷۳ء

معصومی، ڈاکٹر صغیر الدین، مقالہ مطبوعہ سہ ماہی الحکمہ، تیسرا شمارہ

ملفوظات شاہ عبدالعزیز، کراچی، پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز، ۱۹۶۰ء

مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا سیدّ، تجدید و احیائے دین، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ہفتم ۱۹۶۱ء

ندوی، ابوالحسن علی، سیدّ، سیرت احمد شہید، لاہور، خواجہ بک ڈپو

ندوی، ابوالحسن علی، تاریخ دعوت و عزیمت، اعظم گڈھ، مطبع معارف، ۱۳۷۷ھ

ندوی، شاہ معین الدین احمد، تابعین، اعظم گڈھ، مطبع معارف، ۱۳۷۶ھ

نظامی، خلیق احمد، شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات، علی گڈھ، ایم یو پریس

نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، اسلام آباد، دار المؤلفین

نعمانی، مولانا منظور، الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر، بریلی

ولی الدین، ڈاکٹر میر، قرآن اور تصوف، دہلی ندوۃ المصنفین

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدّث، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، لاہور، ہیئۃ الاوقاف بحکومۃ البنجاب، ۱۹۷۱

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، دہلی، آرمی برقی پریس، ۱۳۴۴ھ

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، الطاف القدس، گوجرانوالہ، ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، بوارق الولایۃ مشمولہ انفاس العارفین، دہلی، مطبع مجتبائی

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، التفہیمات الالہیہ، حیدر آباد، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی، ۱۹۶۷ء

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف، مشمولہ انفاس العارفین، دہلی مطبع مجتبائی

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، حجۃ اللہ البالغہ، کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، الخیر الکثیر، کراچی، قرآن محل

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، سطعات، حیدر آباد، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، الفوز الکبیر مع فتح الخبیر فی اصول التفسیر، لاہور مطبع علمی

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، فیوض الحرمین، کراچی، قرآن محل

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، القول الجمیل فی بیان سواء السبیل، اردو ترجمہ موسومہ شفاء العلیل، کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، لمحات، حیدر آباد، شاہ ولی اکیڈیمی

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، مسلسلات، دہلی، مطبع احمدی

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ، حیدر آباد، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی، ۱۹۶۴ء

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، مکتوبات فارسی، دہلی کتب خانہ نذیریہ عامہ

ولی اللہ دہلوی، شاہ محدث، ہمعات، حیدر آباد، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی، اول ۱۹۶۴ء

ہاشمی، عبدالقدوس، تقویم تاریخی، کراچی، مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی، مئی ۱۹۶۵ء

ہاشمی فرید آبادی، سیدؔ، تاریخ مسلمانان پاکستان وبھارت، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، اول ۱۹۵۳ء

ہجویری، ابی الحسن علی بن عثمانؒ، کشف المحجوب، لینن گراڈ، مطبعہ دار العلوم جماہیر شوروی، ۱۳۴۴ھ
اردو ترجمہ موسومہ بیان المطلوب از مولوی فیروز الدین، لاہور، فیروز سنز، سترھواں، ۱۹۷۳ء

ہدایت علی، شاہ محمد، معیار السلوک، کراچی، نیو اسٹار اسٹیشنری ورکس، ۱۳۹۵ھ

"A History of Freedom Movement"
Pakistan Historical Society, 1957.

Arberry , Arthur John , "sufism"
London, Allen & Unwin, 1950.

Arberry , Arthur John , "The Doctrines of Sufism"
Lahore, Sh. M. Ashraf , 1959 .

Beni Prasad , "History of Jahangir"
Allahabad, The Indian Prees Ltd. III 1940.

Bowker, John ,"Problems of Sufferings in religions of the World"
Cambridge University Press, 1970.

Burckharadt, Titus, "Introduction to Sufi doctrine"
Lahore, Sh. M. Ashraf , 1959.

Fazle Mahmud, Dr. , "Lif and Works of Shah Wali Allah"
Lahore, Maktaba Rashidia.

Francois Bernier , "Travels in the Mogul Empire"
London, Oxford University Press, 1916.

Idrees , Sayyed, "The Way of Sufi"
London , Octagon press , 1968.

Khawaja Khan , "Studies inn Tasawaf"
Madrass, Hegusth press, 1923.

Ikaram, S.M., "Muslim Rule in India and Pakistan"
Lahore, Star Book Depot, Iied. 1966.

Irvine William , "Later Mughals"
Lahore, Universal Books.

James Hastings , <u>"Encyclopaedia of Religions & Ethics"</u>

Lane-Poole , Stanley , <u>"Aurangzib"</u>
Delhi, S. Chand & Co.

Nicklson, R.A., "The Mystics of Islam"
London, Roultedge & K. Paul, 1963.

Rice, Cyprian, <u>"The Persian Sufis"</u>
London, Allen & Unwin, May 1964.

Richard Burn , <u>"The Chambridge History of India"</u>
Cambridge University Press, 1937.

Sarkar Jadunath , <u>"Fall of the Mughal Empire"</u>
Calcutta, M.C. Sarkar & Sons, 1949.

Sarkar Jadunath , <u>"History of Aurangzib"</u>
Calcutta, M.C. Sarkar & Sons, 1924.

Satish Chandra, Dr. <u>, "Parties and Politics at the Moughal Court 1707-1740."</u>
Aligarh, Muslim University, Deptt. of History, 1959.

Underhill Elelyn , <u>"Mysticism"</u>
London, Methuer & Co. 1952.

The Distinctive Attributes and Features of the Sufi Order of Shah Wali Ullah Muhaddith of Delhi (1703 to 1762)

An Analytical Study

THESIS FOR P.HD. DEGREE

☆☆☆

Supervisor

Professor Dr. Mumtaz Bhutto

Dean

Faculty of Islamic Studies

University of Sindh, Jamshoro

☆☆☆

Research Scholar

Sanaullah Mujahid

☆☆☆

Department of Comparative Religion and Islamic Culture

University of Sindh, Jamshoro

Pakistan

☆☆☆

1998

The Distinctive Attributes and Features of the Sufi Order of Shah Wali Ullah Muhaddith of Delhi (1703 to 1762)

An Analytical Study

Summary of Chapters

☆☆☆

Supervisor

Professor Dr. Mumtaz Bhutto

Dean

Faculty of Islamic Studies

University of Sindh, Jamshoro

☆☆☆

Research Scholar

Sanaullah Mujahid

☆☆☆

Department of Comparative Religion and Islamic Culture

University of Sindh, Jamshoro

Pakistan

☆☆☆

1998

THE DISTINCTIVE ATTRIBUTES AND FEATURES OF THE SUFI ORDER OF SHAH WALIULLAH (1703 - 1762 AD) : AN ANALYTICAL STUDY

To know about and follow the Sufi Order of Shah Waliullah is far more necessary to day than any other time previously. Today we are passing through a far more critical age than the age of Shah Waliullah himself. Muslims are Muslims only in name. Communications have made the world a global village and world conquest is now undertaken on cultural lines than traditional weapons. In this situation if we wish to preserve our religious identity we have to follow Islamic precepts and attain spiritual satisfaction. This can come about only if we seek peace of heart through the remembrance of Allah. To attain this spiritual satisfaction we have no recourse but to follow the Sufi Order of Shah Waliullah.

The noted Sufi Orders like Naqashbandia, Suharwardia, Chishtia & Qadria exist in the Sub-Continent. After the passage of time a number of conceptual and virtual errors have erupt in these orders and since their followers obeyed them diligently they were led astray which through their ignorance and fanaticism they regard as pure Islam. Rituals have taken the place of obligations. By the by it transpired that if any one desires to follow Islam in its purity , he faces resistance. What to speak of the common people the learned, the aristocrats and nobles are not immune from them. In the age of Shah Waliullah the level of ignorance reached the level that leaving aside the Quran and Hadith. They imagine these self imposed rituals to be Islam itself.

In these conditions, Shah Waliullah who was imbued with extra ordinary intellectual qualities, came to the fore front. While he pointed

to the various social ills of different social segments, he introduced reforms also in the field of Mysticism.

In sufistic teachings so many unIslamic tenets were mixed by self made Masha'ikhs that their reform was practically impossible. At this juncture Shah Waliullah presented his own Sufi Order before the people about which Shah Waliullah himself asserts in his universally famous book "Fuyuz-ul-Harmain" the Bounties of the sanctuaries that he received it as the time of his presence at the Holy Tomb of the Holy Prophet (صلي الله عليه وسلم). Shah Waliullah elaborated his teachings in many of his books. He also prescribed a syllabus for the un-initiated to reach heights gradually. The Sufistic Order of Shah Waliullah is free from immoderation and is a collection of pure Islamic beliefs and ideology. In his Order (سلسله) Shah Waliullah inculcated following only the Quran and Hadith.

In this age of strife and disharmony when mankind is faced by many mental afflictions we need to derive spiritual bliss from the order of Shah Waliullah but also to invite the other nations of the world to this blessing.

SUMMARY OF CHAPTERS

THE DISTINCTIVE ATTRIBUTES AND FEATURES OF THE SUFI ORDER OF SHAH WALIULLAH (1703 - 1762 AD) : AN ANALYTICAL STUDY

This treatise consists of an introduction , five chapters, conclusion, appendices and bibliography.

A summary of the treatise is detailed below:

Introduction:

The Introduction recounts the causes for Sufism becoming a necessity. Shah Waliullah writes that after the demise of the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ و سلّم) the protection of Islam the creed of God which God has undertaken, was carried out in two ways. Firstly those Elders became guardians who were endowed by Allah with the capacity to protect the Divine Law. This group consists of jurists, Traditionalists, Warriors and Reciters. They are guardians of the exoteric state of religion. another group consists of those Elders who guard esoteric state of religion, termed as "Ihsan" or favour by Shah Waliullah.

Although the world in never devoid of noble souls, but because of the greater manifestation of the forces of evil it seems that the world has become devoid of noble souls. Charlatan mystics have also always existed in the world. For this contention the testimony of Zun-Nun Misri the renowned mystic of the third century (A.H.) and Ali bin Uthman al Hajveri knows as Data Ganj Bakhsh is cited.

CHAPTER - 1

This chapter consists of three sections: (I) Social Conditions, (ii) Political conditions and (iii) this chapter deals with the general conditions prevailing in the life time of Shah Waliullah. To appreciate properly the achievement of a reformer or a reviver it is imperative to study the conditions which society generally encounters. since the mission of a reformer or reviver is reforms of evils in society, unless we have an authentic portrayal of the age, we cannot truly appreciate the achievements of such a reformer or reviver.

Social Conditions.

In the first section the moral activities and failings of the rulers contemporary to Shah Waliullah are set forth. According to an adage, People follow the faith of their ruler (الناس علی دین ملوکہم) People follow the example of their Kings. Their influence is first on the nobles and then gradually the common people are also enmeshed in the same aberrance. Shah Waliullah in his famous sermons addressed all the classes, pointed out their errors and gave suggestions for their reformation. All this has been described in this section.

Political Conditions:

Shah Waliullah was born four years before the death of Aurangzeb Alamgir. Although the nobility all over India trembled at the majesty of Alamgir, but his absence from the capital for a quarter century had paved the way for palace intrigues. Therefore the manner in which his sons fought for the throne immediately after his death led to the loss of prestige and authority of the Mughal Empire, the effects of which can be clearly seen in the political conditions of that age. Jahandar Shah was killed in his own reign, his successor Farrukhsyar was killed by the Sayyids of Bareha, Alamgir II was put to death, Shah Alam II was blinded. The loss of the Mughal Empire's standing led to non-Muslim

races attaching Muslims from all sides. In the north-east the Sikhs rose as an organized power which captured the Punjab within the Mughal era itself. Their enmity with the Muslims needs no proof. The second power which rose from the south of India was the Marhatta, which conspired with selfish lords to capture even Delhi and loot it. Had Ahmed Shah Abdali not broken the might of the Marhattas by dealing them an overwhelming defeat, the Mughal Empire would have collapsed much earlier. Shah Waliullah was amount the persons who urged Ahmed Shah Abdali to attack the Marhattas.

In central India the Jats come forward as a power. They had practically rendered the Delhi - Agra highway impassable for the Mughals. Apart from this, the struggle between the Turani and Irani courtiers, the advent of Rohillas from Afghanistan and the emergence of independent states under different rulers, all these were the last nail in the coffin of the Mughals. What was left was destroyed in the invasion of Nadir Shah. The morale of the Indians touched such a low point in the wake of Nadir Shah's invasion that it became easy for the British to conquer India. all these points have been covered in this chapter with clarity.

Economic Conditions:

In this section the economic conditions of Mughal governments have been commented upon. In this mirror the economic condition of Muslim community has been reflected clearly. The situation had reached such a pass that gravy from alms houses were ordered to be sent to palaces, since in the palace no stove had been lighted for three days. Princes used to shout from the roof tops that they were hungry. Royal begums wanted to quit the palace because of hunger, they became un-

mindful of the veil. The corps of a landlord was not allowed to be buried by his soldiers because he had died without paying their salaries.

There were three causes of economic instability (I) The lavish expenditure during the war of succession (ii) The continuous loot and plunder of non-Muslim races (iii) Unhindered spending by the ruling class even in this state.

Shah Waliullah had portrayed the whole situation in one sentence: "The knife has reached the bone". Shah Waliullah made a deep study of this state of affairs and also offered suggestions to remedy the situation. In contemporary economic conditions economic experts offer approximately similar suggestions.

CHAPTER - II:

The second chapter deals with the biography of Shah Waliullah , his forbears, his progeny and the opinion of learned persons regarding him.

In the biography of Shah Waliullah , the correct dates of his birth and death are given. some biographers of Shah Waliullah have mentioned wrong dates, they have been refuted with evidence and correct dates have been stated. Apart from his, other aspects of Shah Waliullah 's life such as predictions about his birth, his education, the rationale behind his early marriage, and general information about his Haj pilgrimage etc. have been provided.

Who were the ancestors of Shah Waliullah, when did they came to India and what was their educational and social status, all these facts have been introduced in this chapter so that the personality of Shah Waliullah may appear to us in a more refined state.

Similarly the progeny of Shah Waliullah have been briefly introduced so that the influence of Shah Waliullah's upbringing of their personalities is indicated.

Towards the conclusion the opinion of learned persons about Shah Waliullah are inscribed. These learned persons include both his contemporaries and present day Ulema.

CHAPTER - III:

In the third chapter, the religious background of Shah Waliullah's age, the Delhi Sufis of his times, as well as the spurious Sufis of Delhi, who had raised the storm of religious insurrection have been fully described.

Under (the heading of) Religious background general conditions of his age have been detailed, also Shah Waliullah has pointed out in his sermons, the perfidy and way wardness of errant Ulema, students, men of spurious austerity and prayers, and the children of Mashaikh and has suggested ways to remove their defects. Most people are led by prodigious deeds of a person and consider him to be a great saint. Shah Waliullah asserts that if the prodigious consists of knowing the secrets of hearts, then, it has many methods. Shah Waliullah has enumerated these methods and does not consider these methods to be miraculous.

In the second section has introduced to us mystics of his time, it is noteworthy that they all belong to Delhi. From this chapter we learn that even in such an age of strife and brain drain, there were so many elders to guide the creatures of God.

In the third section, three different groups are mentioned who have misguided the creatures of God by taking refuge in mysticism. Undoubtedly, there must have been more impostors and mountebanks

among the Sufis , but here only those are mentioned whom even the Government had been unable to tackle.

CHAPTER - IV:

The fourth chapter also consists of three sections. The first section consists of the definition of mysticism. To bring out the distinct features of Shah Waliullah's order, it is necessary to become acquainted with the evolution of sufism (i.e. Muslim mysticism). It was imperative to learn what the Mashaikh meant by Sufism. In this chapter 67 opinions regarding the Sufism of the Mashaikh belonging to between 117 (A.H.) to 1045 (A.H.) have been presented in this chapter, the misconception that Sharia, the exoteric and Mysticism the esoteric are parallel systems has been removed. One has no connection with the other. It is because of this misconception that amorality has spread among people. In this chapter by presenting the opinion of celebrities, the difference between exoteric and esoteric has been removed, and according to Shah Waliullah it has been established that if Sufism is an attempt to reach the State of Favor, obedience of the Sharia is obligatory. In this chapter all relevant definitions are discussed, and a new definition offered.

In the second section it has been clarified why Sufis are named Sufis. Come celebrities have related it to the congregation line, some to the Ahl-i-Suffa (رضي الله عنهم أجمعين) and some to wool. The writers established through evidence that although Sufi savants were forced to wear wool for some reasons, but this was not their distinguishing feature. Many important Sufi did not wear wool. Some celebrities rejected it, saying that it was the dress of ostentation while others asserted that in hell, the majority will consist of people wearing wool. Sufis are named after sofa, and Arab tribe. In this chapter those who hold different opinions have been examined critically in the light of testimony and the arguments in

favor of it's being derived from sofa has been defended in the light of evidence.

In the third section the mystic order of Shah Waliullah bas been described . Shah Waliullah himself clarified that among Mystic Orders spread across the world during his time, Shah Waliullah is affiliated to most of them.

Shah Waliullah in agreement with the opinion of Hazrat Ali bin Uthman al Hajveri alias Data Ganj Bakhsh, has condemned two and accepted ten out of the twelve prevalent orders. We have clearly indicated that those orders which are prominent due to some particular issue or some particular doctrine have had their specific explained. Although this section has become lengthy but it becomes easier to expound the tenets of Shah Waliullah.

CHAPTER - V:

this chapter is the most important and the basis of this treatise, in it we have expound the teachings of Shah Waliullah's Mystic Order. Unlike other orders, he has prescribed a formal syllabus for his order. He does not exhort every person to reach the state of Favor (directly) rather through his prescribed syllabus and with the help of stage wise progression guided the novice to the next step.

First of all he insists on the authenticity of dogma. He exhorts people to avoid sin and saying that it is the first step of initiation terms it obedience. In our own times the standard bearers of sufism have disregarded the authenticity of dogma and have said that the necessity for the follower of any religion is spirituality, whereas Shah Waliullah's exhortation is to avoid every wickedness cursed by the Sharia.

After obedience, Shah Waliullah has given detailed description of the modes of the order. In this, apart from the compulsory prayers of day

and night, he prescribed the preferable prayers like Tahajjud, Ishraaq, Dhuha and Zawal. After this, he lays more stress on negative and positive under Invocation and Glorification. Under the heading of Fasting, apart from he six fasts of Shawwal, three fasts per month and fasting on the of Arafa and Ashura are prescribed by him.

Apart from obligatory alms, Shah Waliullah enjoins the seeker to give food to one mendicant a day and cloth one mendicant a year. He enjoins upon the Seeker the recitation of the Holy Quran, Learning and Initiation, and imparts guidance regarding food and drink, sleep and dress.

Therefore, Shah Waliullah enlightens the Seeker or Pupil regarding the hindrances he will encounter on the path of mysticism by which he can be disheartened, with incantation and trances. After discussing these hindrances he also suggests remedies.

Thereafter Shah Waliullah enlightens the pupil regarding the proper time and conditions for invoking the name of God, so that he can derive the desired benefits. from them.

After teaching the modes of Invocation , he gives details of those liturgies and litanies which are required by a pupil. After giving details, of the litanies of difference orders, Shah Waliullah says that although all such prayers and incantations are good and acceptable, but among them the better and preferable are those which are in accordance with the Quran and Hadith.

After these preliminary lessons, he mentions the lessons of his order for the advanced students. In this chapter Shah Waliullah gives details of mediation, it's importance and its modes to the pupil. After this, he gives instructions regarding Monotheism of Deeds, Monotheism

of Attributes and Monotheism of the Entity, and instructs the Seeker about the ways of nullifying one's self for God.

Thereafter Shah Waliullah mentions Pertinence. By Pertinence is meant the different stages of meeting God. Under this come the pertinence of Purity. Pertinence of Bliss, pertinence attributed to Uwais then Pertinence of remembrance and Pertinence of ecstasy are included. After explaining the specialties and distinctions of these references, Shah Waliullah relates all these references to his own order as a compendium.

Appendices:

In the appendices we have given genealogical records relating to Shah Waliullah, his family and genealogical table, the authorities for different prayers, supplications, and permits ware included. These tables are spread over fifty pages.

After this the conclusion and bibliography of the books which have helped in the compilation and presentation of this treatise.

METHODOLOGY

The present dissertation THE DISTINCTIVE ATTRIBUTES AND FEATURES OF THE SUFI ORDER OF SHAH WALIULLAH (1703 - 1762 AD) : AN ANALYTICAL STUDY has been presented in a learned scholarly style and manner, and the mystical contribution of Shah Waliullah has been dealt with in a well argued manner covering every aspect and every angle. In this respect, no fact of theme has been willfully ignored. On this basis it can be asserted that the present treatise is a unique research on the mystical contributions of Shah Waliullah.

Apart from describing the Sufi (mystical) Order of Shah Waliullah, the opinions of the Sages regarding his life, ancestry and progeny have been encompassed. Thus, this treatise, apart from dealing with the mystical contribution of shah Waliullah provided learned, dialectical, referential and scholarly matter on Shah Waliullah.

To highlight the background of Shah Waliullah's Era the social, political, economic conditions, have been described in a scholarly manner. In this treatise apart from the general conditions, the religious conditions have been boldly delineated from which it is apparent that Shah Waliullah was appointed by God to carry out his mission of

Regeneration and Reform. It has also been emphasized that in the Delhi of his time many other Sufis were present, but the credit for carrying out reforms accrued to Shah Walliullah alone. Side by side with genuine mystics those people have been discussed who taking recourse to alteration and mutation have attempted to disfigure Religion and Mysticism.

In the present treatise the different dimensions of mysticism have been expounded in the light of the traditional definitions attributed to the great mystics (Sufis) and after a critical survey a proper and fitting definition has been arrived at, and if the light of researched proofs, it's validity has been established. In the same fashion, in this treatise this fact also been established in the light of arguments on the nomenclature of Sufi. After rejecting the popularly held version, original arguments have been advanced and on the basis of investigation it has been proved that the identity of the Sufi was not vested in his dress but by connection with a group which existed before the Islamic Era. This treatise mentions the Orders from which Shah Waliullah derived inspiration. From among them the special attributes of some have been discussed in an authoritative manner.

During research on this treatise sources and authorities have been properly utilized. In the earlier portion of this dissertation an Introduction is included, in which apart from preliminary matters introduces the dissertation, brings out the importance of the topic, it's aim and purpose, it's benefits and utility as well sundry matters relating to the dissertation have been mentioned.

In the opening pages of the dissertation, there is a brief but comprehensive synopsis of the work which catalogues the sequence of chapters and sections, their outlines, titles and topics, and surveys them concisely.

At the conclusion of the treatise, a comprehensive Bibliography (Sources and Authorities) in alphabetical order containing the complete titles, names of authors, the year of publications and other necessary details regarding the authorities have been given. A list of Journals and Periodicals is also included.

CONCLUSIONS

It is a blessed dictum of the Holy Prophet (صلي الله عليه و سلّم) الإحسان آن تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانّه يراك . The reason for the creation of mankind is the worship of Allah according to his dictates. People have different concept of worship. Some consider worship to be confined only to obligatory prayers while others consider invocation and devotion to be extremely necessary. Prayers were offered by the Hypocrites also about whom God Almighty has said that when they stand up for prayers they display lassitude, and in another passage it is revealed that they pray only to exhibit.

That is why, when the Holy Prophet (صلي الله عليه و سلّم) saw a worshipper praying in haste, he said perform your prayers, you have not performed your prayers.

The devotions and invocation described above can be described in other words as Favor, and actually, this is Sufism (mysticism). Therefore the main purpose of life is to attain as far as possible the degree of favor. Shah Waliullah has also by leading mankind towards this destination has handed down an easy method for his followers to reach the state of favor.

It is necessary that other seekers and scholars should shun the un-Islamic tenets of other prevailing Orders, and present them according to the path of Shah Waliullah so that even a common person can also benefit from it without being frightened away from the state of favor by unnatural penancis.

Briefly we can describe the important achievements of Shah Waliullah as under:-

1(With complete diligence, attention and effort, Shah Waliullah brought to light the corruption in every department of life and prescribed remedies for them.

2(To highlight the importance of the creeds and rituals of the Islamic Faith in a logical manner, Shah Waliullah in his book "Hujjat Ullah-il-Baligha" has demonstrated their necessity any importance in accordance with logic and reasoning.

3(To remedy the ignorance of South Asian Muslims he translated the Holy Quran into Persian.

4(To reform the errors arising from Sufism he founded his own Order of Mysticism.

5(Shah Waliullah had pledged allegiance to all correct Orders in the world, and in his own Order he presented the essence of all Orders.

6(Although Shah Waliullah pointed out the errors in every department of life, he did not designate any sect or group as infidel. From this it is apparent that Shah Waliullah was conciliatory in nature.

و ما توفيقي إلا با لله عليه توكلت و إليه أنيب